ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
aanchalpk.com aanchalnovel.com
قیمت =/70 روپے

ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد	زیب النساء فرحت آراء
مدیر اعلیٰ	مشتاق احمد قریشی
مدیرہ	قیصر آراء
نائب مدیرہ	سعیدہ نثار
معاون مدیر	ندا رضوان، عثمان عبداللہ
گروپ ایڈیٹر	طاہر احمد قریشی

جلد	03
شمارہ	12
اکتوبر	2018

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com

ابتدائیہ

بات چیت — مدیرہ — 10

حمد — خادم اجمیری — 11

نعت — وقار صدیقی — 11

سلسلہ وار ناول

میرے خواب زندہ ہیں — نازیہ فاطمہ رضوی — 12

عشق دی بازی — ریحانہ آفتاب — 68

شبِ آرزو تیری چاہ میں — نائلہ طارق — 128

مکمل ناول

اقرار کا موسم — سمیرا سرفراز — 96

متاعِ درد — بشریٰ سیال — 168

ناولٹ

زندگی یوں بھی — رشک حبیبہ — 46

افسانے

محبت ان کہا قصہ — عائشہ تنویر — 42

یہ عالم شوق کا — ایس اے نقوی — 90

ایک فسوں ہے تو — طیبہ عنصر مغل — 152

سبق — حیاء بخاری — 162

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر، جمیل حسن، ابنِ حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی 74400

مستقل سلسلے

جیسا میں نے دیکھا	رفاقت جاوید	198	حسن خیال	جوہی احمد	212
بزم سخن	سمیہ عثمان	200	ہومیو کارنر	طلعت نظامی	220
کچن کارنر	زہرہ جبین	202	دوست کا پیغام آئے	ملیحہ احمد	222
عالم میں انتخاب	نزہت جبین ضیأ	205	ٹوٹکے	خدیجہ احمد	225
شوخیٔ تحریر	ہما ذوالفقار	209	کترنیں	ادارہ	000

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل: Infohijab@aanchal.com.pk

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

بات چیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اکتوبر ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

ہم اللہ سبحان وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں اُتنا ہی کم ہے۔ الحمدللہ آپ کا حجاب اپنی اشاعت کا تیسرا سال جلد مکمل کرنے والا ہے اور یہ سب آپ سب قاری ولکھاری بہنوں کے باعث ہی ممکن ہوا اور ہم امید کرتے ہیں کہ اسی طرح آئندہ بھی آپ کا بھرپور تعاون ہمارے ساتھ رہے گا۔

کہتے ہیں کسی بھی قوم کا مزاج سمجھنا ہو تو اس کے ٹریفک کے نظام کو دیکھنا چاہیے' ٹریفک کا نظام قوم کے عمومی رویے کا عکاس ہوتا ہے' قانون کو توڑنا، دوسروں کو دھکا دے کر خود آگے بڑھ جانا، جلد بازی اور اپنی غلطی تسلیم نہ کرنا روزمرہ کا مشاہدہ ہی نہیں بلکہ ہمارا قومی مزاج بن گیا ہے۔ فی زمانہ عزت صرف اس انسان کی ہے جو کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہو جس کے پاس طاقت ہو یا جس سے آپ کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔ ہم نے عزت کا معیار اور مفہوم بھی اپنی مرضی اور اپنے مفاد کا اپنا رکھا ہے۔ چمچہ گیروں اور چاپلوس قسم کے لوگوں کا ہجوم ہمیں اپنا احتساب کرنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ جھوٹی اور خوشامد پسندانہ تعریفیں ہماری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہیں۔ ہمارے پاس اپنی غلطیوں کے جواز کے لیے کئی دلائل ہوتے ہیں لیکن دوسروں کی چھوٹی چھوٹی معمولی غلطیوں پر ان کی تضحیک کرنا اور انہیں ذلیل کرنا ہماری عادت نہیں فطرت بن گئی ہے۔ ہم اپنے سے زیادہ قابل لوگوں کو برداشت نہیں کر سکتے اور اپنے سے کم تر لوگوں کی عزت نفس کو مجروح کر کے ہم توقع رکھتے ہیں کہ عہدے کے باعث ہماری عزت کی جائے۔ عزت صرف انسان کی ہی ہوتی ہے جو اچھے اخلاق کا مالک ہو اور بے شک عزت دینے والی اللہ کی پاک ذات ہی ہے۔

میں بھی آج یہ کیا باتیں لے بیٹھی' اب بات ہو جائے آپ کے حجاب کے حوالے سے میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتی ہوں اپنے قارئین' لکھاری اور ان سب کا بھی جو سوشل میڈیا کے ذریعے آنچل وحجاب آپ تک پہنچانے میں ادارے سے تعاون کر رہے ہیں۔ یہ آپ لوگوں کا ساتھ ہی جو حجاب ترقی کی منازل کی جانب گامزن ہے اور ہمیں تھکن کا احساس ہونے نہیں دیتا۔ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارا ساتھ یونہی برقرار رکھے' آمین۔ حجاب میں کچھ نئے سلسلے شروع کرنے ہیں اب آپ بہنیں حسن خیال میں اپنی رائے کا اظہار کریں کہ کون سے سلسلے پڑھنا چاہیں گی اور کون سے نئے سلسلے ہونے چاہیں' ہم آپ کی تحاریر اور خطوط کے منتظر ہیں۔

اس ماہ کے ستارے۔

عائشہ تنویر' رشک حبیبہ' ایس اے نقوی' سمیرا سرفراز' طیبہ عنصر مغل' حیاء بخاری' بشریٰ سیال۔

دعا گو

قیصر آراء

حمد

تو نشانِ نشاں ہے تو بہار سرمدی ہے
ترا دیکھنا عبادت تری یاد بندگی ہے
مرا دامن گدائی ترے آگے کیوں نہ پھیلے
تو متاعِ دو جہاں ہے ترے گھر میں کیا کمی ہے
تری یاد میں بسر ہو ترے در پہ موت آئے
یہی مقصد ولی ہے یہی جانِ زندگی ہے
مجھے اس کا دیکھنا کیا یہ خوشی ہے یا ہے کلفت
مرے واسطے ہے نعمت ترے در سے جو ملی ہے
در یار پر لٹا دے تو متاع زیست خادم
یہی رسم عاشقاں ہے یہی فرض عاشقی ہے

حضرت خادم اجمیری

نعت

تابندہ مقدر کا ستارہ نظر آئے
جب آنکھ اٹھے گنبد خضرا نظر آئے
ان آنکھوں کا ورنہ کوئی مصرف ہی نہیں ہے
سرکار ﷺ تمہارا رخ زیبا نظر آئے
یہ عز و شرف اور کسی کو نہیں حاصل
بالا نہیں بالا سے بھی بالا نظر آئے
اللہ کے ہر وصف کو پایا ہے مجسم
سرکار ﷺ دو عالم ہمیں کیا کیا نظر آئے
ایسی بھی سحر مجھ کو وقار آئے میسر
اک اک سے کہوں میں شہ بطحا نظر آئے

وقار صدیقی اجمیری

قسط نمبر 35

میرے خواب زندہ ہیں

حجاب کی قاری بہنوں کو میرا بہت بہت سلام۔

آج ایک طویل عرصے کے بعد میں آپ سے ہم کلام ہوں گو کہ ایک سفر کی تیاری ہے اور ایک سفر نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، جی ہاں ''میرے خواب زندہ ہیں'' کا ناول کے اختتام کی طرف گامزن ہے، دل پُر مسرت بھی ہے اور افسردہ بھی، خوشی اس لیے کہ آپ سب قارئین کے محبت بھرے تبصروں کے سائے تلے ناول کا سفر بہت خوبی کے ساتھ تمام ہوا، میں ان تمام بہنوں کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے خواب زندہ ہیں کو پڑھ کر اسے اپنی پسند کی سند دی اور اس پر تبصرہ کر کے مجھے داد و تحسین سے نوازا۔ افسردگی کا سبب ناول سے جدائی ہے یقین جانیے اچھی بہنو یہ ناول جیسے میری زندگی کا حصہ بن گیا تھا ہر ماہ قسط لکھتے ہوئے میں ناول کے کرداروں سے ملاقات کیا کرتی تھی بلکہ اکثر اوقات تو میں اسی ناول کی دنیا میں گھومنے لگتی تھی اب جبکہ ناول اختتام پزیر ہے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے یہ کردار بھی میری زندگی سے جدا ہو گئے ہیں۔

پیاری بہنوں آپ سب سے گزارش ہے کہ جو پیغام میں نے اس ناول میں دینے کی کوشش کی ہے اسے ضرور اپنی زندگی میں شامل کرنے کی کوشش کیجیے گا اور وہ پیغام یہ ہے کہ حالات ہمارے لیے چاہے کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں ہماری زندگی میں کوئی بھی طوفان آ جائے مگر ہمیں ہمت و حوصلے کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے جیسے لالہ رخ نے اپنی زندگی میں در آنے والی مشکلات کا کتنا جرأت مندی سے مقابلہ کیا جس طرح ماریہ یہ زمانے کے آلام و مصائب کے آگے مستقل مزاجی اور ہمت سے کھڑی رہی۔

بس پیاری بہنوں حالات کے آگے ہمیں ہار نہیں ماننی ہے بلکہ اس کا سامنا بہادری اور دلیری سے کرنا ہے کیونکہ عورت اس کائنات کی بہت طاقت ور ہستی ہے بس اسے اپنی اس طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔

آخر میں ان تمام بہنوں کی میں بہت مشکور اور احسان مند ہوں جنہوں نے میرے ناول کو پسند کر کے مجھے تعریفی کلمات سے نواز کر میرے دل کو طمانیت بخشی اور ان بہنوں سے صدق دل سے معذرت خواہ ہوں جنہیں میرے ناول میں کوئی کمی لگی یا میرے تخلیق کردہ جملوں اور حالات سے ان کی دل آزاری ہوئی۔

اب اجازت چاہتی ہوں زندگی رہی تو پھر کسی تحریر کے سنگ آپ کے روبرو ہوں گی (ان شاء اللہ)

آپ کی محبتوں کی مقروض اور دعاؤں کی طالب

نادیہ فاطمہ رضوی

❁.....❁.....❁.....❁

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

سمیر شاہ احتشام کو دیار غیر میں یوں روبرو دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں۔ احتشام بھی سمیر کو تمام حقائق سے آگاہ کرتا ہے

کہ کس طرح وہ دولت اور آسائشات کے حصول کی خاطر بیرون ملک آیا تھا اور پھر خاور کے کہنے پر حورین کو طلاق دی تھی۔ اپنی مشکلات کا تذکرہ کرتے وہ خاور کے دھوکے کا بھی ذکر کرتا ہے۔ جیکولین ایسے میں نہ صرف اس کی مدد کرتی ہے بلکہ اسے شادی کی بھی آفر کرتی ہے لیکن اس سے پہلے وہ اسے اپنا مذہب چھوڑ دینے کا کہتی ہے اور احتشام بھی پرتعیش زندگی گزارنے کی خاطر اپنا مذہب تبدیل کر لیتا ہے۔ حورین لالہ رخ کو اپنی بیٹی سمجھتی ہے اس سے میں ملنے کے بعد حورین کی طبیعت قدرے سنبھل جاتی ہے۔ فراز شاہ حورین کے متعلق مختصراً اسے بتاتا ہے کہ وہ اپنی گمشدہ بیٹی کو لے کر ذہنی طور پر بے حد پریشان ہیں۔ لالہ رخ کو بھی حورین کی حالت پر بے حد افسوس ہوتا ہے۔ باسل اپنے طور پر لالہ رخ کی تلاش جاری رکھتا ہے۔ ایسے میں اچانک نجم الدین کی آمد ان سب کے لیے خوشگوار ثابت ہوتی ہے۔ وہ حورین کے ماضی سے واقفیت رکھنے کے سبب بہت سے حقائق باسل کے سامنے رکھتا ہے کہ کس طرح اس کی شادی احتشام سے ہوتی ہے پھر اس کی بیٹی لالہ رخ اور طلاق کے بعد خاور سے شادی کا تذکرہ کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی گمشدہ بیٹی لالہ رخ کا ذکر کرتے اس کے زندہ ہونے کی نوید بھی دیتا ہے۔ لیکن خاور حیات کے ڈر سے کبھی وہ یہ بات حورین کو نہیں بتا پاتا۔ باسل فوراً زرتاشہ سے رابطہ کر کے اس کے والدین کی کے متعلق استفسار کرتا ہے اور یہ جان کر ششدر رہ جاتا ہے کہ اس کی بہن لالہ رخ ہی دراصل حورین کی بیٹی تھی جو پارس بیگم اور امیر علی کے زیر سایہ پلی بڑھی تھی۔ باسل تمام حقائق سے سمیر کو بھی آگاہ کر دیتا ہے۔ جلد ہی وہ حورین کو بھی لالہ رخ سے ملوانے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ ماریہ فراز اور لالہ رخ کی دوستی کو لے کر خدشات کا شکار رہتی ہے ایسے میں وہ فراز کی زندگی سے چلے جانے کا ارادہ کر لیتی ہے۔ دوسری طرف لالہ رخ فراز سے کہتی ہے کہ وہ ماریہ اور اپنے رشتے کو قبول کر لے۔ ابراہم لالہ رخ سے محبت کرنے لگتا ہے اور اپنے جذبات کا اظہار کر دیتا ہے جس پر لالہ رخ خائف نظر آتی ہے۔ کامیش کا رشتہ مہرو سے طے ہو جاتا ہے اور مہرو بھی زندگی کے اس فیصلے پر بے حد خوش ہوتی ہے۔ تاہم سونیا کی ذات کو لے کر چند خدشات کا شکار ہوتی ہے۔ جیکولین کی اچانک پاکستان آمد ماریہ کے لیے حیران کن ہوتی ہے۔ ایسے وہ میں اس سے معافی مانگتی ہے۔ جیکولین بھی اسے اس کے باپ کے متعلق بتاتی ہے کہ اس کا باپ احتشام ایک مسلمان شخص تھا، جس نے اس کے کہنے پر اپنا مذہب چھوڑ دیا تھا۔ ماریہ کے لیے یہ سب بہت شاکنگ ہوتا ہے۔ جب ہی وہ احتشام کی پہلی بیوی اور بیٹی کا بھی تذکرہ کرتی ہے۔ لیکن ماریہ بالکل گم صم انداز میں بیٹھی رہ جاتی ہے۔

(اب آگے پڑھئے)

❁.....❁.....❁.....❁

جیکولین اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئی؛ جب کہ ماریہ ابھی تک جیکولین کے کیے گئے انکشافات کی زد میں ساکت سی بیٹھی گہری سوچوں میں غرق تھی؛ قسمت کا کھیل بھی کتنا عجیب تھا۔ وہ ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی تھی مگر شعور سنبھالنے پر وہ کسی دوسرے مذہب کی پیروکار تھی اور پھر جب وہ اپنے رب کی مہربانی کی بدولت اپنے اصل دین کی جانب لوٹی تو اسے بے پناہ اذیتوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

''کیا میری ماں نے میرے ساتھ ناانصافی کی یا میرے باپ نے؛ جس نے دنیاوی عیش و آرام کی خاطر اپنے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی آخرت بھی برباد کرنا چاہی۔'' ماریہ خود کلامی کی پھر جیکولین کو دیکھ کر سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''ماما..... میں یہ مانتی ہوں کہ ڈیڈ ہمیشہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے دامن بچاتے رہے؛ وہ نہ اچھے باپ بن سکے نہ بیٹے بلکہ وہ تو کوئی بھی رشتہ بے غرض اور مخلص ہو کر نہ نبھا سکے؛ مگر مام آپ..... آپ نے بھی کچھ ٹھیک نہیں کیا؛ کیوں ڈیڈ کو ان کا مذہب بدلنے پر فورس کیا اور مجھے بھی اس بات سے لاعلم رکھا کہ میں.....'' وہ یک دم ٹھہری پھر تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی؛ جیکولین خاموشی سے اسے وہاں سے جاتا دیکھتی رہی؛ پھر کچھ دیر بعد ایک تھکی ہوئی سانس بھر کے

افسردگی سے بولیں۔

''ابرام..... ماریہ شاید ٹھیک کہہ رہی ہے' مجھے ماریہ کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' اس لمحے شرمندگی وندامت اور پچھتاوؤں کے رنگوں کو جیکولین کے چہرے سے جھلکتے دیکھ کر ابرام محض اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

کامیش اور مہرینہ کا نکاح سادگی سے انجام پا گیا تھا' جس میں صرف گھر کے افراد نے ہی شرکت کی تھی' البتہ دو دن بعد ولیمہ کی تقریب شہر کے معروف فائیو اسٹار ہوٹل میں منعقد کی گئی تھی۔

اس پل مہرو کامیش کے کمرے میں اس کے بستر پر بیٹھی محو انتظار تھی' جب کہ دل عجیب وسوسوں اور خدشات کی زد میں مبتلا تھا' کامیش شاہ اس کے دل کی تمنا اور پہلی محبت تھا' جسے اس نے چپکے چپکے چاہا تھا' اسے حاصل کرنے کے لیے ان گنت دعائیں کی تھیں' آج جب تقدیر نے اسے کسی انعام کی صورت اسے عطا کیا تھا تو وہ خود ہی اپنی قسمت پر حیران ومسرور تھی' مگر پھر بھی اس کے دل ودماغ میں کامیش کی پہلی شادی اور سونیا انکی ہوئی تھی' ابھی وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک کھٹکے کی آواز پر اس نے چونک کر کامیش شاہ کو اندر آتے دیکھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

آف وائیٹ شلوار کرتے میں اپنی مخصوص چال چلتے ہوئے وہ اس کے مقابل آ کر بیٹھا تو مہرو خود میں سمٹ گئی' گہرے میرون رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس جس پر گولڈن نفیس سا کام گیا تھا اور ہلکے میک اپ میں بھی وہ بے پناہ خوب صورت لگ رہی تھی' کامیش نے اسے چند ثانیے دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر بولا۔

''مہرینہ..... مجھے اندازہ ہے کہ میری فرسٹ میرج اور وائف کے متعلق آپ کے ذہن میں بہت سے سوالات ہوں گے مگر آپ کوئی ٹینشن مت لیں میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا' بشرطیکہ آپ کے سوال احمقانہ نہ ہوں۔'' کامیش کی آخری بات پر مہرو نے بے ساختہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو کامیش کے لبوں پر پھیلی شریر مسکراہٹ سے سٹپٹا کر دوبارہ نگاہیں جھکا لیں' کامیش نے چند ثانیے کچھ سوچا پھر ایک ہنکارا بھر کر کہا۔

''سونیا سے میری شادی میری ماں کی خواہش پر ہوئی تھی.....'' پھر وہ سب کچھ بتاتا چلا گیا یہ کہ اس کی سونیا کے ساتھ کبھی انڈر اسٹینڈنگ ہوئی ہی نہیں اور یہ بھی کہ وہ کیا ارادے لے کر اس گھر میں آئی تھی' مہرو پوری توجہ سے سب کچھ سنتی رہی اور پھر آخر میں کہا۔

''آئی ہوپ اب آپ کو اپنے تمام سوالوں کے جواب مل گئے ہوں گے۔'' کامیش کی بات پر مہرو نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلایا تو کامیش نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔ ''گڈ' ویری گڈ..... او کے اب آپ جا کر چینج کر لیجیے اور تھوڑا ریسٹ بھی' بہت دیر سے آپ ایسے ہی بیٹھی ہیں۔'' جواباً مہرو تابعداری سے چینج کرنے کی غرض سے بستر سے اٹھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

اگلے دن باسل' احمر کے ساتھ فراز شاہ کے پاس آیا اور اس نے مسٹر نجم الدین کی تمام گفتگو فراز کے گوش گزار کی' فراز یہ سب سن کر ششدر رہ گیا' کتنی ہی دیر تک وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر رہا' اس انکشاف نے گویا اس کی قوت گویائی ہی سلب کر دی تھی پھر بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا تو انتہائی ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں کہا۔

''باسل..... بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ لالہ رخ' حورین آنٹی کی بیٹی ہے؟ او میرے اللہ مجھے یقین ہی نہیں آ رہا۔'' آخر میں اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا' باسل اور احمر دونوں نے ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھا پھر باسل سنجیدگی سے بولا۔

''فراز بھائی..... یہ بالکل سچ ہے میں سمیر انکل کو بھی بتا چکا ہوں کہ آپ کی فرینڈ لالہ رخ ہی مام اور ان کے ایکس

ہزبینڈ احتشام کی بیٹی ہیں، جس کی جدائی میں آج مام اس حال کو پہنچ گئی ہیں۔" باسل کے لہجے میں گہرے دکھ کی آمیزش تھی، فراز نے اسے چونک کر دیکھا' پھر ایک ہنکارا بھر کر رہ گیا۔ کچھ دیر کے لیے وہاں گہری خاموشی چھائی رہی پھر چند ثانیوں بعد باسل نے قدرے بےقراری سے کہا۔

"فراز بھائی...... یہ یقیناً ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت کرم ہے کہ مام کی بیٹی زندہ ہے اور اب ہمیں مل بھی گئی ہے' یہ بات کسی معجزے سے کم نہیں۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو باسل' یہ ہمارے رب کریم کا احسان عظیم ہے کہ جسے ہم زندہ ہی نہیں سمجھ رہے تھے وہ تو ہمارے ہی درمیان تھی لالہ رخ۔" اس لمحے فراز بھی بے پناہ ممنونیت سے بولا تو احمر پُرسوچ آواز میں گویا ہوا۔

"فراز بھائی' یہ خبر یقینی طور پر آنٹی کے لیے بھی کسی گہرے شاکڈ سے کم نہیں ہوگی' میرا مطلب ہے کہ وہ بھی سب کی طرح یہی سمجھی بیٹھی تھیں کہ لالہ رخ اس دنیا میں موجود نہیں' اب جب یہ انکشاف ان کے سامنے آئے گا تو کہیں یہ بات ان کی برداشت سے باہر نہ ہو۔" احمر کی بات سو فی صد درست تھی' باسل اور فراز یہ سن کر بےاختیار سوچوں میں گم ہو گئے تھے۔

❀......۞......۞......❀

اپنی حقیقت اور سچائی جان کر وہ رو رو کر خود کو ہلکان کر رہی تھی مگر پھر بھی اس کے دل کو قرار ہی نہیں آ رہا تھا۔ ایک آگ تھی جو اندر ہی اندر اسے جلائے دے رہی تھی' اسے کبھی اپنے باپ کی بے حسی پر غصہ آتا تو کبھی ماں کی سفاکی پر' آخر انہوں نے کیوں اسے اتنی بڑی سچائی سے لاعلم رکھا' وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا بھی بے پناہ شکر ادا کر رہی تھی جس نے اسے ہدایت کی روشنی عطا کر کے اسے مہیب اندھیروں سے نکال لیا تھا۔

جب کافی دیر گزر گئی تو ابرام دروازہ ہلکے سے کھٹکھٹا کر اندر آیا' ماریہ کی دگرگوں حالت اور سوجی آنکھیں دیکھ کر اس کے دل کو دھچکا لگا جب کہ ماریہ نے بے پناہ ناراضی سے ابرام کی جانب سے منہ پھیر لیا تھا' ابرام ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا' پھر اس کے مقابل آ کر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا ہوں ماریہ' تم مجھ سے سخت خفا ہو مگر ہنی پلیز بلیو می' جس طرح تم لاعلم تھیں اسی طرح مجھے بھی کچھ نہیں معلوم تھا' اس دن جب مام تمہارے جانے سے بے پناہ ڈپریسڈ تھیں' اس وقت انہوں نے مجھے تمہارے ساتھ ساتھ میری حقیقت بھی بتائی تھی۔" ماریہ جو ابرام سے بالکل لاتعلقی ظاہر کر رہی تھی' تیزی سے چہرہ ابرام کی جانب موڑ کر اسے بے حد حیران نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"آپ کی حقیقت......! آپ کی حقیقت کیا ہے برو؟" ابرام نے لحظہ بھر کو ماریہ کے ہونق چہرے کو دیکھا' پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

"یہی کہ میں ابرام سائمن نہیں ہوں۔"

"کیا......! کیا مطلب ہے اس کا؟" ماریہ قدرے جھنجلائی۔

"سائمن میرا سر نیم نہیں ہے بلکہ مام کے فادر کا نک نیم ہے۔" ماریہ اب بھی نہیں سمجھی تھی۔

"مگر مام نے آپ کے فادر کا نام آپ کے ساتھ کیوں نہیں جوڑا؟"

"کیوں کہ میرا باپ مصری نژاد تھا۔" ابرام سابقہ لہجے میں بولا تو ماریہ نے بے تحاشا تحیر کے عالم میں ابرام کو دیکھا۔

"مگر مام نے تو بتایا تھا کہ ان کے فرسٹ ہزبینڈ......" پھر خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر ابرام کو پریشان نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"یعنی میرا باپ بھی تمہارے فادر کی طرح مسلمان تھا۔" ماریہ کافی دیر تک ناسمجھی سے اسے دیکھتی رہی پھر تیزی سے

ابرام کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' جب کہ ابرام کی آنکھیں بھی نم ہوتی چلی گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

مہرو اور کامیش کے ولیمے کی تقریب بخیر و عافیت انجام پا گئی تھی' جب کہ سونیا کو کامیش کی جانب سے طلاق کے کاغذات موصول ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی دوسری شادی کی اطلاع بھی مل گئی تھی' جسے سن کر وہ زخمی ناگن کی مانند بل کھا کر رہ گئی تھی' اسے اپنی شکست اور ناکامی کسی طور قبول نہیں ہو رہی تھی۔

''ہونہہ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟ میری زندگی اجاڑ کر وہ اپنی دنیا بسانے چلا ہے' میں اسے تباہ و برباد کر دوں گی' اسے کسی قابل نہیں چھوڑوں گی۔'' سونیا غصے سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

''بس سونیا..... تمہیں جو کچھ کرنا تھا وہ تم کر چکی ہو اور تمہاری زندگی خود تمہارے ہاتھوں ہی برباد ہوئی ہے' تم خود ہو اس ساری بربادی کی ذمہ دار' صرف تم خود۔'' سارا بیگم بھی سونیا سے ملنے ٹورنٹو آ گئی تھیں۔ سونیا نے انتہائی تحیر کے عالم میں اپنی ماں کے غصے سے لال ہوتے چہرے کو دیکھا۔

''واٹ ربش مام.....'' کچھ توقف کے بعد وہ نخوت سے بولی تو سارا بیگم نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتی ہوئی انتہائی تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

''تم تو وہ مثال بن گئی ہو سونیا جس نے اپنی جنت' اپنا سکون خود اپنے ہی ہاتھوں تباہ و برباد کر ڈالا خود کو نشان عبرت بنا ڈالا' میں نے تمہیں کتنا سمجھایا' کتنا روکا مگر تم..... تم اپنی من مانی کرتی چلی گئیں' ارے کامیش جیسے ہیرے کو ٹھوکر مار کر تم نے خوش نصیبی کو خود دھتکارا ہے سونیا' اب تمہیں کامیش جیسا انسان اس دنیا میں کبھی نہیں مل سکے گا' اب مناؤ اپنی بربادی کا جشن۔ بیٹا اس انتقام اور بدلے کے کھیل میں تمہارے ہاتھ کیا آیا ہاں؟ صرف اور صرف بدنامی' پھٹکار' نفرت اور تنہائی۔'' آج پہلی بار سونیا اعظم شیرازی ماں کے منہ سے اتنے سنگین الفاظ سن کر بے اختیار کپکپا کر رہ گئی۔

''ما..... مم..... آ..... پ مجھے بددعا دے رہی ہیں۔'' وہ تقریباً ہکلاتے ہوئے بولی' جب کہ وحشت و دہشت اس پل صاف اس کی آنکھوں میں دیکھی جا سکتی تھی۔

''ہونہہ' میں تمہیں کیا بددعا دوں گی سونیا' تم تو خود ہی بددعا بن چکی ہو'' سارا بیگم اسی لہجے میں بولیں تو سونیا انتہائی بے قراری سے اپنی جگہ سے اٹھ کر سارا بیگم کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں مام..... آپ دیکھ لینا مجھے کامیش سے کہیں زیادہ اچھا اور کامیاب انسان مل جائے گا اور..... اور آپ کو تو معلوم ہے ناں' وہ طلحہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے کیسے مرا جا رہا ہے۔ مم..... میں ابھی اسے فون کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ تیر کی تیزی سے اٹھی اور میز پر پڑا اپنا موبائل فون اٹھا کر طلحہ کا نمبر ملانے لگی۔

''ہیلو طلحہ مم..... میں سونیا بات کر رہی ہوں۔'' سونیا قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی' جب کہ سارا بیگم خاموش نگاہوں میں دکھ لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ہاں بولو سونیا..... میں ذرا جلدی میں ہوں' دو گھنٹے بعد میری پاکستان کے لیے فلائیٹ ہے۔'' وہ کافی روکھائی سے بولا۔

''واٹ.....! تم پاکستان جا رہے ہو اور تم نے مجھے بتانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی؟'' سونیا مشتعل ہو کر بولی۔

''میں نے تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھا سونیا' اچھا اس وقت میں کافی بزی ہوں او کے بائے۔''

''ایک منٹ طلحہ..... میری بات تو سنو۔'' طلحہ لائن کاٹنے ہی والا تھا جب سونیا تیزی سے بولی۔

''ہاں جلدی کہو۔'' طلحہ بے زاری سے بولا تو سونیا نے اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا پھر تھوڑا ہچکچا کر بولی۔

''طلحہ..... تم مجھ سے پوچھتے تھے ناں کہ میں اپنے پیرنٹس کو کب لے کر آؤں تو تم جب چاہو انہیں لا سکتے ہو۔''

''واٹ آر یو کڈنگ سونیا؟'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنس کر بولا۔

''میں کیوں مذاق کروں گی طلحہ۔'' سونیا تپ کر بولی' تب ہی طلحہ انتہائی ہتک آمیز لہجے میں بولا۔

''او کم آن سونیا..... تم جیسی لڑکیاں چار پانچ ٹائم ڈنر کرنے کے لیے اور چند دن گھومنے پھرنے کے لیے تو صحیح ہوتی ہیں' مگر تم جیسیوں کو اپنے گھر کی عزت اور زینت کبھی نہیں بنایا جا سکتا۔''

''مائنڈ یور لینگویج طلحہ..... تم مجھ سے اتنی گھٹیا اور چیپ بات کیسے کر سکتے ہو' میں سونیا اعظم خان ہوں' سمجھے تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح کی بات کرنے کی۔'' سونیا غصے سے آگ بگولا ہو کر بولی' تب ہی طلحہ کی تحقیر آمیز آواز ابھری۔

''جانتا ہوں ڈیئر..... وہ سونیا اعظم خان جو نہ اپنے شوہر کی وفادار تھی نہ اپنے عاشق فراز شاہ کی' تم ایک دھتکاری ہوئی عورت ہو یہ ہے تمہارا پورا تعارف۔''

''او یو شٹ اپ' میں تمہارا منہ توڑ دوں گی طلحہ۔'' سونیا اشتعال کی زیادتی سے کپکپا کر بولی۔

''اینی وے اب مجھے فون مت کرنا' پاکستان جاتے ہی میری کزن سے میرا نکاح ہے او کے۔'' جواباً سونیا نے اپنا سیل فون پوری قوت سے دیوار پر دے مارا' دوسرے ہی پل وہ ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھر گیا۔ سارا بیگم بے حد پریشان ہو کر اپنی نشست سے اٹھیں۔

''سونیا.....''

''وہ خود کو سمجھتا کیا ہے ہونہہ..... وہ دو ٹکے کا انسان مجھ سے یعنی سونیا خان سے اس طرح کی باتیں کرے گا۔ میں اسے شوٹ کر دوں گی۔ اسے جان سے مار دوں گی۔'' سونیا ہذیانی انداز میں چلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

''سونیا کنٹرول یور سیلف۔'' سارا اسے سنبھالتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھیں' پھر کافی دیر بعد وہ ہوش میں آئی تو اسے لگا جیسے وہ تپتے' سلگتے صحرا میں برہنہ پاؤں تنہا اور لاچار کھڑی ہے۔

''مام یہ..... یہ میں نے کیا کر دیا؟'' سونیا رونے لگی' آج احساس زیاں عود کر آیا تھا' مگر اب کچھ ہاتھ آنے والا نہیں تھا۔ سارا بیگم نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔ دونوں ماں بیٹی زار و قطار روتی رہیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

فراز شاہ اور سمیر شاہ لالہ رخ کے گھر آئے تو لالہ رخ ان سب کو دیکھ کر خوش گوار حیرت میں مبتلا ہوئی' پھر بہت جلد خود کو سنبھال کر ان کا استقبال کیا اور انہیں لیے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ خلاف معمول آج فراز کے چہرے پر سنجیدگی اور کسی گہری سوچ کی پرچھائیاں واضح نظر آ رہی تھی' کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد سمیر شاہ نے جو آج اسے انتہائی مشفقانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے' پارس بیگم کی بابت استفسار کیا تو لالہ رخ نے انہیں بتایا۔

''وہ شاید نماز پڑھ رہی ہیں' میں ابھی انہیں بلا کر لاتی ہوں۔'' لالہ رخ اپنی جگہ سے اٹھی ہی تھی کہ یک دم فراز کی گمبھیر آواز نے اسے اپنی جگہ منجمد کر دیا۔

''بیٹھ جاؤ لالہ..... ہمیں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' لالہ رخ نے قدرے چونک کر فراز کو دیکھا' پھر دوسرے ہی پل سمیر شاہ کی جانب ایک نگاہ ڈالی۔

''کیسی بات فراز؟'' لالہ رخ الجھی' فراز ایک ہنکارا بھر کر بولا۔

''لالہ..... میں نے تمہیں ہمیشہ ایک مضبوط' بہادر اور حوصلہ مند لڑکی پایا ہے' تمہاری زندگی کے اتار چڑھاؤ میں نے خود

اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور میں یہ بات بہت فخر اور غرور سے کہہ رہا ہوں کہ زندگی کے کسی بھی کٹھن امتحان اور آزمائشوں کے سامنے تم نے کبھی ہمت نہیں ہاری' ہمیشہ سرخرو ہوئیں' مجھے تمہاری دوستی پر ناز ہے لالہ.....'' لالہ رخ نے فراز شاہ کی بات دھیان سے سنی جب وہ خاموش ہوا تو وہ تیزی سے بولی۔

''ہاں مگر فراز تم یہ سب باتیں اس وقت کیوں کر رہے ہو..... کیا بات ہے' کچھ ہوا ہے کیا' مہرو ٹھیک تو ہے ناں فراز؟'' ایک بھیانک خیال ذہن میں آیا تو وہ انتہائی گھبرائی۔

''بیٹا..... مہرو بالکل ٹھیک ہے' آپ پریشان مت ہوں۔'' سمیر شاہ نرم لہجے میں بولے تو لالہ رخ کو کچھ اطمینان ہوا' پھر فراز کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی' تب ہی سمیر شاہ نے کہا۔

''بیٹا..... میں جانتا ہوں کہ آپ اپنی والدہ کو دل و جان سے چاہتی ہیں' ان سے بے پناہ محبت بھی کرتی ہیں اور ہونی بھی چاہیے کیوں کہ انہوں نے آپ کو سگی ماں کی طرح پیار دیا ہے۔'' لالہ رخ سمیر شاہ کے آخری جملے پر چونکی۔

''سگی ماں کی طرح.....!'' وہ زیر لب بڑبڑائی پھر الجھ کر انہیں دیکھ کر بولی۔

''کک..... کیا مطلب سگی ماں کی طرح؟ انکل امی میری سگی ماں ہی تو ہیں۔'' جب کہ نماز سے فارغ ہو کر اندر آتی پارس کے قدم دروازے پر ہی منجمد ہو گئے تھے۔

''آپ کی امی آپ کی سگی ماں نہیں ہیں لالہ رخ۔''

''کیا.....! یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل؟ آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے' میری ماں میری سگی ماں ہی ہیں۔'' لالہ رخ انتہائی پریشان ہو کر بولی' جب کہ پارس بیگم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا تھا' وہ تو خود بھی یہ بات بھول چکی تھیں کہ لالہ رخ ان کی سگی اولاد نہیں' بولتے ہوئے جوں ہی لالہ رخ کی نگاہ دروازے پر پڑی پارس بیگم کو گم صم سا کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے ان کی جانب لپکی۔

''امی..... یہ سمیر انکل کیا کہہ رہے ہیں..... آپ پلیز بتائیے ناں ان لوگوں کو کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔'' لالہ رخ نے پارس بیگم کے ہاتھوں کو تھاما' جن کے چہرے پر کرب و اذیت آثار بہت نمایاں تھے' وہ آہستگی سے اندر آئیں اور لالہ رخ کا ہاتھ چھوڑ کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر بولیں تو ان کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔

''بھائی صاحب سچ کہہ رہے ہیں میری بچی..... میں نے تمہیں پیدا نہیں کیا' مگر اللہ گواہ ہے کہ میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی تاشو کی طرح ہی سمجھا بلکہ میں تو یہ بات بہت عرصے پہلے بھول ہی گئی تھی کہ میں نے اور امیر علی نے تمہیں گود لیا تھا۔'' لالہ رخ کو اس پل لگا جیسے کوئی ٹرین اس کے وجود کو روندتی ہوئی گزر گئی ہو' وہ پھٹی پھٹی نظروں سے یک ٹک اپنی اس ماں کو دیکھتی رہی جو اسے اس دنیا میں ہر شے سے زیادہ عزیز تھی۔

''لالہ..... پلیز خود کو سنبھالو۔'' فراز اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آیا اور بے حد نرمی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا' تو یک دم لالہ رخ کا سکتہ ٹوٹا۔

''فراز.....! یہ..... یہ امی کیا کہہ رہی ہیں' کیا میں ان کی سگی بیٹی نہیں ہوں' کیا انہوں نے مجھے جنم نہیں دیا؟'' جواباً فراز نے نفی میں سر ہلایا' پھر بے حد نرمی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کہا۔

''لالہ..... تمہیں جنم دینے والی ماں تمہاری جدائی میں آج موت کے دہانے پر کھڑی ہے' تم محض تین سال کی عمر میں ان سے بچھڑ گئی تھیں' اس دن سے آج تک اس ماں نے سکون کا ایک سانس نہیں لیا' وہ تمہاری یاد میں دیوانوں کی طرح روتی ہیں' تمہیں آوازیں دیتی ہیں' تمہاری جدائی کے غم میں اپنے حواس کھونے لگی ہیں۔'' لالہ رخ منہ کھولے فراز شاہ کو بس دیکھتی رہی تھی۔

''ہاں لالہ..... تمہاری ماں تم سے بات کرنے' تمہیں دیکھنے' تمہیں چھونے کو بے قرار ہے' تم میرے ساتھ چلو گی ناں ان کے پاس۔'' فراز نے بے حد نرمی و محبت سے کہا تو اس پل لالہ رخ کو جیسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔

''کون ہے میری ماں؟'' جب ہی فراز نے جیسے دھماکا کیا۔

''حورین..... حورین آنٹی باسل کی مدر۔'' پہلے تو وہ کافی دیر ہونق سی فراز کو دیکھتی رہی' پھر کچھ دیر بعد جب دماغ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تو انتہائی الجھ کر بولی۔

''کیا مطلب فراز؟'' تب ہی سمیر شاہ نے اپنی نشست سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر انتہائی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''تم حورین کی بیٹی ہو لالہ رخ۔'' پارس بیگم جنہوں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے فراز کے منہ سے حورین کا نام سن کر اسے اپنا وہم گردانا تھا' بے اختیار کھڑی ہو گئیں' جب کہ لالہ رخ نے انتہائی عجیب نگاہوں سے سمیر شاہ کو دیکھا جو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''یہی سچ ہے بیٹا..... تم امیر علی کی نہیں بلکہ حورین اور احتشام کی بیٹی ہو۔'' یہ سب سن کر لالہ رخ اب اپنے اعصاب پر مزید قابو نہیں رکھ سکی' چکرا کر فراز کے بازوؤں میں جھول گئی' جب کہ پارس جہاں کی تہاں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

احمر یزدانی' زرینہ کے مقابل بیٹھا اسے اس بات کے لیے تیار کر رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی سے اس رشتے کی بابت بات کرے جو بڑی خاموشی سے ان دونوں کے درمیان قائم ہو گیا تھا' مگر زرینہ مسلسل انکاری تھی' جب کہ تایا جان نے خود اپنی مرضی سے کچھ دن پہلے ہی شاہ دل سے کہہ دیا تھا کہ وہ زرینہ کو اپنے نابالغ بیٹے کے نکاح سے جلد سے جلد آزاد کر دیں گے تاکہ وہ لوگ زرینہ کی کسی مناسب جگہ شادی کر دیں اب وہ بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک دوسری حمیرا کا جنم ہو جو چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے ترس ترس کر ایک دن بے موت مر جائے' شاہ دل اور اسفندیار نے ان کے فیصلے کی بھرپور تائید کی تھی۔

''احمر..... آپ سمجھ کیوں نہیں رہے' یہ سب ابھی بھی اتنا آسان نہیں' مانا کہ میری فیملی میں کافی تبدیلیاں آ گئی ہیں' مگر مجھے نہیں لگتا کہ بھائی اور بابا آپ سے میری شادی کرنے پر آسانی سے رضامند ہو جائیں۔''

''افوہ یار..... ایک تو تم ڈرتی بہت ہو' کیا اپنے احمر پر تمہیں ذرا بھی بھروسا نہیں۔'' احمر اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو زرینہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

''اچھا اب آپ یہاں سے جائیں' ہمیں ہاسٹل بھی جانا ہے۔'' احمر آج زرینہ سے ملنے اس کے ڈپارٹمنٹ آیا تھا' اس وقت وہ دونوں کینٹین کے قریب بنے باغیچے میں بیٹھے ہوئے تھے' چھٹی کا وقت ہو چکا تھا اکثر طلباء گھر واپس جانے کے لیے بوائنٹس کی جانب جا رہے تھے' زرینہ نے کال کر کے زرتاشہ کو بلا لیا جو انہیں تنہائی فراہم کرنے کی غرض سے لائبریری چلی گئی تھی۔

''اچھا پلیز' تم شاہ دل بھائی سے میرا تذکرہ تو کرو۔'' احمر لجاجت سے بولا' تب ہی زرینہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''نہیں احمر..... جب تک تایا جان کی جانب سے فیصلہ نہیں آ جاتا میں گھر میں کسی سے بھی آپ کے متعلق بات نہیں کروں گی۔'' زرینہ نے احمر یزدانی کو اپنے بابا کی شادی اور گمشدہ بیٹی کے متعلق فی الحال کچھ نہیں بتایا تھا' ابھی احمر مزید کچھ کہنے والا ہی تھا کہ سامنے سے زرتاشہ آتی دکھائی دی۔

''شکر ہے آپ دونوں کی میٹنگ ختم ہوئی' مجھے بہت سخت نیند آ رہی ہے ہاسٹل جاتے ہی میں تو بستر میں گھس جاؤں

گی۔'' وہ آتے ہی نان اسٹاپ بولی' جب کہ احمر اور زرینہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی' پھر وہ تینوں ہاسٹل کے راستے کی جانب بڑھ گئے۔ تقریباً آدھا راستہ ان لوگوں کے ساتھ چلنے کے بعد احمر دونوں کو اللہ حافظ کہہ کر دائیں جانب پارکنگ کی طرف جانے کے لیے شارٹ کٹ راستے کی جانب چل دیا تھا۔ ابھی اسے چلتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک اسے کسی گاڑی کے ٹائر چرچرانے کی آواز سنائی دی اور پھر اگلے ہی پل زرینہ اور زرتاشہ کی بلند چیخیں فضاء میں ابھری تھیں' احمر نے گھبرا کر مڑ کر دیکھا تو سامنے کا منظر یقیناً ہوش اڑا دینے والا تھا' سیاہ پجارو سے نکل کر ایک شخص زبردستی زرتاشہ کو اندر کرنے کی کوشش کر رہا تھا' جب کہ زرینہ اور زرتاشہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھیں' تب ہی ایک دوسرا شخص مغلظات بکتا باہر آیا۔

''تجھ سے ایک لڑکی قابو نہیں ہوتی۔'' یہ سن کر دونوں لڑکوں نے زرتاشہ سے چمٹی زرینہ کو دھکا دیا' وہ اسے گاڑی میں ڈال کر لے جانے ہی والے تھے کہ احمر کے زوردار مکے نے اس دوسرے لڑکے کا حلیہ ہی بگاڑ دیا' وہ لڑکا شاید نشے میں تھا' احمر کے مکے نے اس کے جیسے اوسان ہی خطا کر دیے تھے پھر دوسرے ہی لمحے تینوں لڑکے آپس میں گتھم گتھا ہو گئے تھے جب کہ اسی اثناء میں زرینہ نے پوری طاقت سے مدد کے لیے لوگوں کو پکارنا شروع کر دیا تھا۔

''ٹونی چھوڑ اسے' جلدی گاڑی میں بیٹھ۔'' احمر جو خود بھی مار کھاتے ہوئے ان دونوں کی اچھی خاصی دھلائی کر رہا تھا۔ اس آواز پر بے اختیار کرنٹ کھا کر پلٹا کچھ اسٹوڈنٹس کو اس جانب آتا دیکھ کر وہ دونوں تیزی سے پجارو کے اندر گھسے اور آن واحد میں گاڑی زن سے احمر کی قریب سے گزر گئی مگر پچھلی نشست پر بیٹھے وہ اس شخص کو بخوبی دیکھ چکا تھا اور اس پل جیسے آسمان اس پر گر پڑا تھا۔

''عدیل.....'' کچھ لڑکے لڑکیاں قریب آ کر اب ان سے معاملے کی بابت پوچھ رہے تھے' جب کہ زرتاشہ سہمی ہوئی چڑیا کی طرح احمر کے بازو سے لپٹی بری طرح کانپ رہی تھی۔

''تاشو..... میری جان تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' اسی دوران زرینہ اپنی چوٹ کی پروا کیے بنا اس کا حال پوچھ رہی تھی۔

''اوڈیم اٹ..... ایک بار پھر ناکامی۔'' ٹونی انتہائی جلبلا کر بولا جب کہ عدیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''تم ایک نمبر کے نکمے اور بے وقوف آدمی ہو' تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں تھا کہ زرتاشہ کے ساتھ ایک لڑکا بھی موجود ہے۔'' ٹونی اور عدیل نے شاہد نامی شخص کو زرتاشہ پر نظر رکھنے کے لیے بھیجا تھا۔

''سر..... یہ لڑکی لائبریری میں پچھلے ایک گھنٹے سے اکیلی ہی بیٹھی تھی۔'' شاہد قدرے خائف ہو کر بولا اگر وہ ان لوگوں کو بتا دیتا کہ زرتاشہ پر نظر رکھنے کے دوران اس کی گرل فرینڈ کے فون نے اسے دنیا و مافیہا سے بیگانہ کر دیا تھا تو وہ یقیناً اسے شوٹ کر دیتے' جب تقریباً گھنٹے بھر بعد وہ فون سے فارغ ہوا تو وہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔

''دھت تیرے کی..... مارے گئے یہ لڑکی کہاں چلی گئی؟'' وہ حواس باختہ سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولا پھر خود ہی اپنے اندازے سے ٹونی کو بتا دیا کہ وہ دونوں لڑکیاں اکیلی ہی ہاسٹل کی جانب گئی ہیں' جب کہ خوش قسمتی سے آج احمر یزدانی ان لوگوں کے ساتھ موجود تھا' وگرنہ شاہد پچھلے تین دنوں سے ان کی نگرانی کر رہا تھا۔

احمر یزدانی نے اپنے اعصاب پر قابو پا کر فوراً سے پیشتر باسل حیات کو فون کیا۔

''کہاں ہو احمر یار' میں یونیورسٹی سے نکل رہا ہوں' ایسا کرو شام کو گھر آ جانا۔'' احمر اسے بتا کر آیا تھا کہ وہ زرینہ سے ملنے جا رہا ہے تب ہی باسل نے اسے اپنے نکلنے کا بتایا۔

''باسل یہاں ایک بہت بڑی ایمرجنسی ہو گئی ہے زرتاشہ کو کسی نے کڈنیپ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''واٹ.....!'' اس پل باسل کو لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر زور سے مسل دیا ہو۔

''وہ.....وہ ٹھیک تو ہے ناں؟'' باسل بمشکل بول پایا' جب ہی احمر تیزی سے بولا۔

''ہاں تم ایسا کرو اپنے کزن کامیش کو فون کرو میں نے گاڑی کا نمبر نوٹ کرلیا ہے اور کڈنیپر کو بھی پہچان لیا ہے۔'' احمر کا آخری جملہ نفرت و تحقیر کی زہر میں بجھا ہوا تھا۔

''کون تھا وہ کڈنیپر؟'' باسل کو اپنے جسم میں خون کی روانی بے حد تیز ہوتی محسوس ہوئی۔

''عدیل.....'' احمر کے منہ سے نکلے لفظ نے اسے جیسے فضا میں معلق کردیا تھا۔

❁......❁......❁......❁

''فیروزہ میری پڑوسن اور ایک با اخلاق عورت تھی مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھی' اس کی ماں نے ایک دن اسے بتایا کہ جہاں وہ کام کرتی ہے وہاں کی بیگم صاحبہ کی پہلے شوہر سے ایک بچی ہے جسے ان کا صاحب کسی طور اپنے ساتھ رکھنے کو تیار نہیں ہے اور وہ اسے کسی یتیم خانے میں بھیجنے کا فیصلہ کرچکا ہے جب کہ اس بیگم صاحبہ نے اس کی ماں سے کہا کہ وہ یہ بچی اپنے پاس رکھ لے' حالات اور شوہر سے مجبور ہوکر اس کی بیگم صاحبہ نے کسی یتیم خانے سے بہتر یہ جانا کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے گھر کی ملازمہ کے حوالے کردے۔'' پارس بیگم جیسے ایک ٹرانس کی کیفیت میں گھری بول رہی تھیں' جب کہ کمرے میں گمبھیر خاموشی تھی' سب بے حد توجہ سے اُن کی بات سن رہے تھے۔

''یوں فیروزہ بڑی خوشی خوشی اس بچی کو اپنی ماں کے مالکوں کے گھر سے لے آئی تھی' فیروزہ لالہ رخ کی پرورش بہت پیار سے کررہی تھی مگر لالہ رخ اپنی ماں کو یاد کرکے بہت روتی تھی۔'' اس پل لالہ رخ کی آنکھیں جیسے چپکے چپکے سمندر بہا رہی تھیں' جبکہ فراز اور سمیر شاہ کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔

''میں اور فیروزہ' لالہ رخ کو بہت بہلاتے تھے' اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔'' پارس بیگم لالہ رخ کو محبت پاش نظروں سے دیکھ کر دھیمی مسکراہٹ سے بولیں۔

''بچہ تو معصوم اور نادان ہوتا ہے' صرف پیار کی زبان سمجھتا ہے' لالہ رخ جلد ہی ہم دونوں سے مانوس ہوگئی اور پھر ایک دن وہاں لینڈ سلائیڈنگ کا حادثہ ہوگیا' خوش قسمتی سے اس وقت میں لالہ رخ کو اپنے گھر لے آئی تھی' میں اسے اکثر اوقات اپنے ساتھ لے آتی تھی' یوں لالہ رخ بچ گئی..... میرا رب گواہ ہے کہ اس دن کے بعد سے میں نے لالہ کو صرف اپنی بیٹی سمجھا' اپنی تاشو سے زیادہ عزیز رکھا' لالہ رخ میرے اور امیر علی کے لیے اللہ کا تحفہ تھی اور پھر وقت نے یہ ثابت بھی کیا کہ میری لالہ رخ حقیقت میں ہیرا تھی' قدرت کا انعام تھی' مگر اس کی جدائی نے میری حرماں نصیب سہیلی' میری بہن کی دل کی دنیا کو اجاڑ دیا' اسے جیتے جی زندہ درگور کردیا' یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔'' پارس بیگم کے آخری جملے پر تینوں نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''ہاں میں ہی حورین کی بچپن کی سہیلی' اس کی رازدار پارس ہوں' واہ ری قدرت تو نے میری بہن کی زندگی ہی میری جھولی میں ڈال دی۔'' انہوں نے سر اونچا کرکے کہا' پھر روتے ہوئے بولیں۔

''خاور حیات..... یہ تم نے اچھا نہیں کیا' ارے اس احتشام نے تو اس کے دل کا خون کیا تھا' مگر تم نے تو میری حورین کی روح کو ہی قتل کرڈالا' اسے زندہ لاش بنادیا۔'' لالہ رخ انہیں بے تحاشا روتے دیکھ کر تیزی سے اٹھ کر ان کے پاس آئی۔

''امی پلیز خود کو سنبھالیے۔'' پھر دوسرے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

❁......❁......❁......❁

باسل نے ایک لمحہ ضائع کیے بناء کامیش کو تمام صورت حال بتائی اور ساتھ میں گاڑی کا نمبر اور رنگ بھی بتادیا' کامیش نے فوری طور پر علاقے کی ناکہ بندی کرادی تھی' گرنے کی وجہ سے زرمینہ کو کچھ خراشیں آئی تھیں' احمر اور زرتاشہ کے اصرار

پر ان دونوں کو ہاسٹل ہی چھوڑ آیا تھا' کیونکہ فی الحال زرتاشہ اس واقعہ کی خبر امی اور لالہ رخ کو نہیں دینا چاہتی تھی' جب کہ زرینہ تو یہی چاہ رہی تھی کہ زرتاشہ اپنے گھر چلی جائے۔ احمر ابھی ابھی گھر پہنچا تھا' جب کہ باسل اس کے گھر پر بے چینی سے اس کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

''باسل یار..... ریلیکس ہو جاؤ' مجھے یقین ہے کہ وہ گھٹیا انسان عدیل اور اس کا دوست ٹونی جلد ہی پولیس کی تحویل میں ہوں گے۔'' باسل کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ پستول کی چھ کی چھ گولیاں وہ عدیل کے سینے میں اتار دے' جس نے دوست بن کر ان سب کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا' ان کے اعتماد اور بھروسے کا مذاق اڑایا تھا۔

''یہ یقیناً ٹونی وہی لوفر ہوگا جسے میں نے اس دن ریسٹورنٹ میں باتیں کرتے سنا تھا۔'' باسل ایک دم بولا تو احمر نے بھی کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو باسل اور تو اور مہوش کی مہندی والی رات زرتاشہ کے ساتھ وہ گھٹیا حرکت ان ہی دونوں نے کی تھی تاکہ وہ زرتاشہ کو کڈنیپ.....'' پھر احمر نے ایک جھری جھری لے کر خود ہی جملہ ادھورا چھوڑا جب کہ باسل کے تصور کے پردے میں وہ منظر پوری جزئیات سمیت نمودار ہوا تھا کہ کس طرح زرتاشہ ڈولتے قدموں سے باسل کے کشادہ سینے سے آ ٹکرائی تھی۔

''او میرے اللہ..... عدیل اتنا سازشی ذہن کا مالک ہوگا' اس کا تو مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔'' یک دم باسل احمر کے بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولا تو احمر تاسف سے سر ہلا کر گویا ہوا۔

''ہاں یار..... وہ دوست کے روپ میں بھیڑیا تھا مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے زرتاشہ جیسی معصوم لڑکی کو دو بار اس سفاک درندے سے بچا لیا۔'' جواباً باسل نے تائیدی انداز میں سر ہلایا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

ماریہ' فراز کو فون پر جیکولین کے یہاں آنے کی اطلاع دے چکی تھی' فراز کو آج ذرا فرصت ملی تو وہ اپارٹمنٹ آیا' ماریہ اسے دیکھ کر قدرے چونکی' وہ چھ دن بعد آیا تھا' اسے دیکھتے ہی ماریہ کے بے تاب دل کو جیسے قرار سا آ گیا تھا۔

سلگ رہی ہیں نہ جانے کس آنچ سے آنکھیں
نہ آنسوؤں کی طلب ہے نہ رتجگوں کی جلن

وہ ہر آہٹ' ہر سانس میں اس کی منتظر رہتی تھی مگر اس جفا شعار کو تو اس کے دل کی حکایت کی کوئی خبر ہی نہیں تھی' نہ ہی اس نے جاننے کی کوشش کی تھی' ماریہ اپنی تقدیر کی اس ستم ظریفی پر کڑھ کر رہ جاتی تھی کہ وہ شخص اس کا سب سے اپنا ہونے کے باوجود اس کے لیے یکسر اجنبی تھا' محرم ہوتے ہوئے بھی اس سے کوسوں دور تھا۔

جیکولین' فراز شاہ سے بہت اچھی طرح ملی تھی' فراز نے بھی بڑی خوش دلی سے اس کا خیر مقدم کیا تھا' اس وقت وہ چاروں بیٹھے یوں ہی اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے مگر فراز ہوتے ہوئے بھی جیسے وہاں موجود نہیں تھا۔ اس حقیقت کو کہ لالہ رخ حورین آنٹی اور احتشام کی بیٹی ہے' قبول کرنا اسے بھی کافی مشکل لگ رہا تھا' آج کل حورین کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' سمیر شاہ اور باسل حیات نے حورین کے ڈاکٹر کو تمام تر حقائق بتا کر اب آگے کے لائحہ عمل کے لیے مشورہ مانگا تھا انہوں نے کہا تھا کہ ابھی حورین کی ایسی حالت نہیں کہ وہ اتنی بڑی خوشی کو برداشت کر لیں لہٰذا تھوڑا وقت دیں تاکہ وہ کچھ سنبھل جائیں' البتہ سمیر شاہ اور باسل حیات نے تمام معاملات اور سچائی کو فی الحال خاور حیات سے پوشیدہ رکھا تھا۔ وہ اپنی ان ہی سوچوں میں گم تھا جب ابرام کی گمبھیر آواز ابھری۔

''فراز..... ہم تمہیں کچھ بتانا چاہتے ہیں' میں سمجھتا ہوں کہ ماریہ کا شوہر ہونے کے ناطے تمہیں تمام حقائق معلوم

ہونے چاہیں۔'' فراز نے بے ساختہ ابرام کو دیکھا' جب کہ لفظ ماریہ کا شوہر کہنے پر ماریہ نے ابرام کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''دراصل ماریہ مام کے سیکنڈ ہزبینڈ کی بیٹی ہے اور یہ بات تمہیں پہلے ہی معلوم ہے۔'' ابرام کی بات پر فراز نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا' ابرام نے قدرے توقف سے کہا پھر ہموار لہجے میں کہا۔

''مام نے ماریہ کے فادر سے لو میرج کی تھی' حالانکہ نہ ہی وہ ان کے کلچر کے تھے اور نہ ہی ہم مذہب.....'' فراز کا چونکنا فطری تھا' وہ بڑی توجہ سے ابرام کو دیکھ رہا تھا۔

''مسٹر ایڈم ایک مسلم فیملی سے بی لونگ کرتے تھے۔'' پھر ابرام اسے سب کچھ بتاتا چلا گیا کہ کس طرح جیکولین نے مسٹر ایڈم کو سہارا دیا' انہیں اپنا مذہب تبدیل کرنے کو کہا' وہ ایک شاکڈ کی کیفیت میں سنتا رہا' ابرام جب خاموش ہوا تو کچھ دیر بعد جیکولین بڑے بکھرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''محبت کے نام پر دو بار میری زندگی اجڑی' صرف خسارہ ہی خسارہ میرے حصے میں آیا' ابرام کے باپ کے جانے کے بعد میں نے اپنی پوری سچائی سے احتشام سے محبت کی.....'' وہ جو بے حد توجہ سے جیکولین کی بات سن رہا تھا' احتشام کے نام پر اس کے دماغ کو زوردار جھٹکا لگا وہ بے حد اچنبھے سے اسے دیکھتا رہا' جو مزید بتا رہی تھی۔

''احتشام ایشین تھا' اس کا تعلق پاکستان سے تھا' میں نے اس کے اوپر صرف ایک اپنی مرضی مسلط کی تھی' صرف مذہب تبدیل کرنے کی شرط تھی میری مگر میں نے اس کی ہر بات کو مانا تھا' اس کا ساتھ دیا' یہاں تک کہ میں نے اس کی زبان بھی سیکھی' ابرام اور ماریہ کو بھی یہی لینگوج سکھائی' مگر شادی کے کچھ سالوں بعد وہ بدلتا چلا گیا' مجھ سے اور ماریہ کے وجود سے یکسر لاپروا ہوتا گیا' اسے صرف میرے پیسوں سے غرض تھی' جب وہ شخص اپنے والدین' اپنی پہلی بیوی اور بیٹی سے وفا نہیں کر سکا تو وہ مجھ سے کیسے مخلص ہو سکتا تھا۔'' آخری جملے میں جیکولین کے لہجے میں احتشام کے لیے بے پناہ نفرت اور حقارت در آئی تھی' فراز محض انہیں دیکھتا رہا' پھر ایک سانس بھر کر کہا۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آنٹی' وہ شخص اتنی محبتوں کو ڈیزرو نہیں کرتا تھا' آپ اور ماریہ کے ساتھ جو کیا سو کیا مگر اس سے کہیں زیادہ برا انہوں نے اپنی پہلی بیوی اور بیٹی کے ساتھ کیا۔'' فراز کے جملے پر تینوں نفوس بڑی زور سے چونکے۔

''یو مین فراز.....تم ایڈم میرا مطلب ہے مسٹر احتشام کی فرسٹ وائف اور بیٹی کو جانتے ہو؟'' ابرام نے ششدر ہو کر پوچھا۔

''ہاں.....مجھے معلوم ہے کہ ان کی پہلی بیوی اور بیٹی کون ہے۔'' فراز نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''کون ہیں وہ؟'' ماریہ کے لبوں سے سرگوشی خارج ہوئی۔ فراز نے ایک نگاہ ماریہ کو دیکھا' پھر اسی لہجے میں بولا۔

''حورین آنٹی اور لالہ رخ۔''

''لالہ رخ.....!'' ماریہ نے ایک دم شاکڈ کی حالت میں بے قراری سے پہلو بدل کر کہا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

کامیش شاہ کی ٹیم نے ٹونی اور عدیل کو شہر کے مضافات سے دور ایک ریسٹ ہاؤس سے بمع گاڑی کے گرفتار کر لیا تھا' پولیس نے اپنے روایتی انداز میں چند منٹوں میں ہی ٹونی اور عدیل سے اقرار جرم کروا لیا تھا' اب وہ دونوں حوالات میں تھے مگر چند ہی گھنٹوں میں کامیش اور اس کے آفسرز کے پاس بااثر لوگوں کے فون آنا شروع ہو گئے کیونکہ دونوں کے گھرانوں کے تعلقات وزراء کی سطح کے لوگوں تک تھے اگلی شام کو کامیش کو مجبوراً دونوں کو رہا کرنا پڑا تھا' جس پر باسل اور کامیش اندر ہی اندر بہت مشتعل بھی تھے۔

''کامیش بھائی..... ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا' نجانے ان دونوں لڑکوں نے کتنی ہی معصوم لڑکیوں کی زندگیاں برباد کی ہوں گی انہیں کڑی سزا ملنی چاہیے تھی۔'' باسل نے خاصا برہم ہو کر کہا۔ کامیش کچھ سوچ کر اپنے مخصوص لہجے میں باسل کے چہرے کو ایک نگاہ دیکھ کر کہنے لگا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو باسل' یہ بگڑے ہوئے رئیس زادے اپنے باپ دادا کی حرام کی کمائیوں پر عیاشیاں کر کے ان کی بخشش کا ذریعہ بنتے ہیں۔'' کامیش کے لب و لہجے میں طنز کی کاٹ واضح تھی۔

''مگر تم فکر مت کرو باسل..... اب ٹونی اور عدیل میری نظروں میں آ چکے ہیں' یہ مجھ سے آسانی سے نہیں بچ سکتے' بس مجھے کسی موقع کا انتظار ہے پھر تم دیکھنا کسی منسٹر کا فون بھی انہیں قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکے گا۔'' کامیش کی بات کو باسل نے بغور سنا پھر وہ اس کے آفس سے رخصت ہو گیا مگر اندر سے اٹدتا لاوا کسی طور ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا' جب ہی وہ عدیل کے پاس جا پہنچا عدیل اسے اپنے گھر میں دیکھ کر تھوڑا گھبرایا پھر خود کو سنبھال کر خاصے اکھڑ انداز میں بولا۔

''باسل..... تم کیا سمجھتے تھے کہ تمہارا وہ کزن مجھے ہمیشہ کے لیے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دے گا..... ہونہہ ایسے تو ہزاروں پولیس افسر میرے تایا کی جیب میں پڑے ہوئے ہیں۔'' عدیل کے لہجے سے جھلکتا تحقیر و حقارت کا رنگ بالکل واضح تھا' جب کہ باسل بنا کچھ بولے بس اسے گھورتا چلا رہا تھا۔ عدیل بظاہر تو اکڑا ہوا تھا مگر اندر ہی اندر وہ باسل کی نگاہوں کی گہری کاٹ اور نفرت سے خائف ہو رہا تھا۔

''مجھے اپنے کزن سے اریسٹ کروا کر تم اپنی دوستی تو بخوبی نبھا چکے ہو اب میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟'' اس کا جملہ مشکل ہی پورا ہوا تھا کہ اچانک ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے دائیں گال پر پڑا' اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''میں یہاں دنیا کے اس گھٹیا، غلیظ اور بدکردار انسان کو دیکھنے آیا ہوں' جس نے دوست بن کر پیٹھ پر وار کیا' جو بظاہر تو کسی شریف اور باوقار گھرانے کا معلوم ہوتا ہے' مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف وہ خود بدنیت اور کمینہ ہے' بلکہ اس کا خون، اس کا خاندان بھی گھٹیا اور بے حمیت.....'' اس پل عدیل کی غیرت جاگ اٹھی وہ بلبلا کر تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''باسل..... اپنی زبان کو لگام دو' تم یہ مت بھولو کہ اس وقت تم میرے ہی گھر پر کھڑے ہو۔'' باسل نے عدیل کو غصے میں تلملاتے دیکھ کر ایک استہزائیہ مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں بالکل جانتا ہوں کہ اس وقت میں اس رذیل شخص کے گھر پر کھڑا ہوں' جسے دوسروں کے گھروں کی بہن بیٹیوں کی عصمت کی پروا نہیں' جو دوسروں کے گھروں کی عزتوں پر نقب لگاتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ اس کے اپنے گھر کی عورتوں کی حرمت کیسے محفوظ رہی ہوگی۔'' الفاظ تھے یا انگارے جنہوں نے ایک ہی لمحے میں عدیل کو سرتاپا جھلسا کر رکھ دیا تھا۔

''او یو شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ..... ابھی اور اسی وقت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' عدیل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ باسل کا گلا ہی دبا دے مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے' اس کے والد کے تعلقات بھی بہت اوپر تک تھے' کامیش جیسا عفریت بھی اس کے پیچھے لگ گیا تھا جس نے ان دونوں کو رہا کرتے وقت بہت ہی عجیب سے انداز میں کہا تھا۔

''ابھی تو بلبل آزاد ہو رہی ہے مگر وہ یہ بات اچھی طرح جان لے کہ مجرموں کا پیچھا کامیش شاہ اس کی قبر تک کرتا ہے' خاص کر عزت کے لٹیروں کا تو وہ حشر کرتا ہے کہ موت بھی پناہ مانگتی ہے۔'' ٹونی اور عدیل کو کامیش کی آواز میں اژدھوں کی پھنکار محسوس ہوئی تھی جس پر وہ دونوں ہی اندر سے بری طرح کانپ کر رہ گئے تھے۔

''جا رہا ہوں میں مگر عدیل..... اب تم اپنے گھر کی چوکیداری کرنے کے لیے ہمہ وقت جاگتے رہنا کیونکہ رہزن کسی

بھی وقت تمہارے گھر آنے والا ہے۔'' انتہائی سکون سے کہہ کر باسل پلٹ گیا' جب کہ اس کے وہاں سے نکلتے ہی عدیل لاؤنج میں رکھے صوفے پر گر کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

عنایہ شاہ دل سے ملنے آئی تھی جو معصومہ کے اب تک نہ ملنے پر خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا' وہ تو بابا سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ بہت جلد وہ ان کی بیٹی کے ساتھ واپس آئے گا مگر ساری کوششیں جیسے بے کار گئی تھیں' مومن جان نامی شخص انہیں اب تک نہیں ملا تھا' دانش صاحب اور شاہ دل کا یہ خیال تھا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ شخص اب دنیا میں موجود ہی نہ ہو یا پھر وہ کسی دوسرے شہر میں جا کر بس گیا ہو' جب کہ ان کی تلاش صرف مری تک محدود تھی۔

''ارے شاہ دل..... ہم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ وہ تمہارا ملازم..... کیا نام ہے اس کا؟'' شاہ دل سے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے یک دم عنایہ کے ذہن میں ایک خیال آیا تو اس نے تیزی سے کہا۔

''اللہ رکھا۔'' اسے نام یاد کرتا دیکھ کر شاہ دل جلدی سے بولا۔

''ہاں..... ہاں وہی اللہ رکھا' اس سے مومن جان کے چہرے کے خدوخال پوچھ کر ایک اسکیچ تیار کروا کے پاکستان بھر میں شائع ہونے والے اخبار میں چھپوا دیتے ہیں اور ساتھ میں یہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں اطلاع دینے والے کو خطیر رقم انعام میں دی جائے گی۔'' شاہ دل، عنایہ کے منہ سے اتنا زبردست آئیڈیا سن کر اچھل پڑا' پھر پُرجوش لہجے میں بولا۔

''واؤ، بریلینٹ عنایہ..... یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے' پھر ہم آگے خود ہی چھان بین کر لیں گے کہ اطلاع دینے والا سچ بول رہا ہے یا جھوٹ۔'' عنایہ نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا تو شاہ دل آگے کے لائحہ عمل کے لیے فوراً اللہ رکھا کو فون ملانے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

''مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا لالہ کہ تم میری حورین کی بیٹی ہو' میری سہیلی جو میری بہنوں سے بھی بڑھ کر تھی' اس کا خون ہو' واہ ری قدرت، تو اپنے کیسے کیسے روپ دکھاتی ہے۔'' پارس بیگم جن کی طبیعت اس انکشاف کے بعد سے کافی بگڑ گئی تھی' بستر پر نیم دراز نقاہت زدہ لہجے میں بولیں تو لالہ رخ جو خود اپنی زندگی میں آئے اس تلاطم خیز طوفان کی زد میں گھری ہوئی تھی' یک دم چونک کر اپنی امی کو دیکھنے لگی۔

پارس بیگم جو اس سے حقیقت چھپانے پر کئی بار معافی مانگ چکی تھیں' ایک بار پھر شرمندہ اور نادم سی ہو گئیں جب کہ لالہ رخ نے ان کی کیفیت کو بخوبی سمجھتے ہوئے ان کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''امی پلیز..... آپ خود کو کسی بھی حوالے سے قصوروار مت سمجھیں بلکہ مجھے تو اس بات کا پورا یقین ہے کہ وہ آپ کی شکر گزار ہوں گی کہ آپ نے ان کی بیٹی کی کتنی اچھی تربیت کی اور کتنا پیار دیا۔''

''اور تم لالہ..... تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟'' یک دم لالہ رخ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے مگر ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے نفی میں سر ہلا کر کہا۔

''میں اپنی امی سے کبھی ناراض ہو ہی نہیں سکتی۔'' جواباً امی نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا' پھر لالہ رخ اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی گفتگو کر کے امی کا دل بہلانے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

زرتاشہ اس وقت شدید بخار کی لپیٹ میں تھی اور اتفاق سے آج ہاسٹل میں موجود ڈاکٹر صاحبہ بھی غائب تھیں' زرینہ

مسلسل اس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی مگر اس کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں پڑ رہا تھا' مجبوراً زرمینہ نے احمر کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ وہ اپنے پاپا کے کام کے سلسلے میں شہر سے دو دن کے لیے باہر ہے' احمر نے زرمینہ کو تسلی دی اور کہا کہ وہ باسل کو وہاں بھیج رہا ہے اور تقریباً آدھے گھنٹے میں باسل حیات وہاں موجود تھا۔ زرتاشہ بخار کی حدت سے سرخ چہرہ لیے بے سدھ پڑی تھی۔

''باسل بھائی..... اب ہم کیا کریں یہ تو اٹھنے کے قابل بھی نہیں ہے' میرے خیال میں ہم لالہ آپی کو فون کر دیتے ہیں۔'' زرمینہ نے بدحواسی سے کہا۔

''آپ پلیز فکر مت کریں' میں ڈاکٹر کو یہیں بلوا لیتا ہوں۔'' باسل نے ڈاکٹر کو فون ملایا اور وہ زرتاشہ کو آ کر چیک بھی کر گیا' فوری انجکشن لگانے سے بخار کا زور ٹوٹ گیا تھا' تب ہی زرمینہ نے ممنون ہو کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کا بہت بہت شکریہ باسل بھائی.....'' وہ ابھی مزید کچھ کہتی کہ اسی دم دروازے پر دستک ہوئی تو زرمینہ فوراً اس جانب بڑھی۔

''آپ کو میڈم بلا رہی ہیں۔'' کسی کی نسوانی آواز باسل کے کانوں میں با آسانی پہنچی تھی۔

''اچھا تم چلو' میں ابھی آتی ہوں۔'' پھر زرمینہ باسل حیات سے تھوڑی دیر بعد آنے کا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تو باسل' زرتاشہ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گیا اور بے ارادہ ہی زرتاشہ کے چہرے کو دیکھتا رہا' اب یہ باسل کی نگاہوں کی تپش کا اثر تھا یا پھر دوا کا کہ زرتاشہ نے کسمسا کر آنکھیں تھوڑی سی کھولتے ہوئے پانی مانگا تو باسل تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے پانی کے گلاس کو اس کے لبوں سے لگا دیا' زرتاشہ آہستہ آہستہ پانی اپنے حلق میں اتارنے لگی' اس دوران باسل کو یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ پانی پلاتے وقت اس نے اپنا ہاتھ انتہائی نرمی سے اس کے سر کے پیچھے رکھ کر اپنے بازو کی مدد سے اسے تھوڑا اٹھا لیا تھا جب کہ زرتاشہ کے چہرے سے اس کا فاصلہ بھی کم ہو گیا تھا' تقریباً آدھا گلاس پانی پینے کے بعد زرتاشہ نے قدرے چونک کر باسل کو دیکھا جو اس پل اس کے بے حد قریب تھا۔

''آئی..... ایم سوری زرتاشہ۔'' باسل بے تحاشہ شرمندہ سا ہو کر دو قدم پیچھے ہٹا پھر سرعت سے مڑ کر وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

شاہ دل اور عنایہ نے اللہ رکھا کے بتائے ہوئے حلیے کا اسکیچ بنوا کر اخبار میں چھپوا دیا تھا حالانکہ اللہ رکھا مومن جان کے نین نقوش کو کافی حد تک بھول گیا تھا مگر شاہ دل اور عنایہ کے بار بار ذہن پر زور ڈالنے کی ہدایت پر وہ اچھا خاصا حلیہ بتانے میں کامیاب ہو گیا تھا اب وہ بڑی بے چینی سے کسی جواب منتظر تھے۔ دوسرے دن لاہور کے مضافاتی علاقے سے ایک میل نرس کا فون آیا اس نے بتایا کہ وہ ایک سرکاری ہاسٹل میں نرسنگ کا کام کرتا ہے اور اخبار میں چھپے فوٹو والے شخص کا تقریباً چھ ماہ پہلے ان ہی کے ہسپتال میں انتقال ہو گیا تھا یہ سن کر شاہ دل یک دم بجھ سا گیا۔

''اچھا آپ کے پاس اس شخص کے گھر کا کوئی ایڈریس یا کسی رشتے دار کا کوئی پتا تو ہو گا؟'' شاہ دل نے ایک موہوم سی امید لیے اس سے پوچھا۔

''سوری صاحب اس کے گھر والوں کا تو کوئی اتا پتا نہیں چلا' دراصل وہ نشے کا عادی تھا' استعمال شدہ سرنج کی وجہ سے انتہائی موذی مرض میں مبتلا ہو کر یہاں آیا تھا اور پھر کچھ ہی عرصے میں دنیا سے چلا گیا تھا۔''

شاہ دل یک لخت بے حد مایوس ہو گیا تھا' وعدے کے مطابق انہوں نے اس شخص کو رقم کے ساتھ ساتھ اس کے سچ ہونے کی تسلی کے لیے وہاں جا کر اس وفات کا اندراج بھی دیکھ لیا تھا' عنایہ نے اسے ایک بار پھر ہمت دلائی تو وہ نئے

سرے سے معصومہ کا کھوج لگانے کے لیے کمر بستہ ہوگیا جب ہی کچھ دن بعد اس کے موبائل فون پر ایک لڑکی کی کال آئی۔

''شاہ دل صاحب..... میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ نے اس شخص کا اشتہار کیوں لگوایا ہے؟ مم میرا مطلب ہے آپ کو ان سے کیا کام ہے؟'' مہرو کو آج گھر کی صفائی کا شوق اٹھا تو وہ ملازموں کو ایک طرف کر کے خود ہی صفائی ستھرائی میں لگ گئی تھی' وہ گھر میں بیٹھے بیٹھے بور ہوگئی تھی کیونکہ سمیر اور ساحرہ دونوں ہی آفس چلے جاتی تھیں' البتہ اب ساحرہ حقیقی معنوں میں مجبور اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرتی تھی اور آفس سے آنے کے بعد سارا وقت اپنے گھر اور فیملی کو دیتی تھی۔ فضول کی پارٹیز اور ڈنر وغیرہ میں جانا چھوڑ دیا تھا۔

دروازے کے چمکتے شیشے کو مزید چمکانے کے لیے اس نے ملازمہ سے پرانے اخبار منگوائے اور یوں اس کی نظر ایک صفحے پر چھپی تصویر پر پڑی پھر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ فون ملا بیٹھی تھی۔

''محترمہ..... آپ کیا انہیں جانتی ہیں؟'' شاہ دل نے سوال در سوال کیا تو مہرو ایک لمحے کے لیے بالکل چپ سی ہوگئی' پھر دھڑکتے دل سے کہنے لگی۔

''یہ..... یہ میرے ابا کے دوست تھے۔''

''واٹ.....! او مائی گاڈ..... رئیلی تو پلیز میڈم مجھے بتایئے کہ ان کی ایک بیٹی بھی تھی' میرا مطلب ہے لے پالک بیٹی۔'' شاہ دل تیزی سے بولا اور اس پل مہرو کو لگا جیسے بہت بڑا انکشاف ہونے جا رہا ہے۔

''جی ہاں مہرو..... مہرینہ نام ہے اس کا۔'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

''وہ..... وہ مہرو نہیں ہے بلکہ معصومہ ہے..... میری بہن میرے فادر کی دوسری وائف کی بیٹی..... آپ کون بات کر رہی ہیں؟'' شاہ دل کا آخری جملہ ہیجان انگیز اور بے تابانہ تھا۔

''مہرو.....'' وہ سرگوشی میں بولی اور شاہ دل کے پورے جسم میں جیسے چیونٹیاں سی رینگ گئیں' وہ بے دم سا ہو کر صوفے پر گر گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

ماریہ کو جب سے یہ معلوم ہوا تھا کہ لالہ رخ اس کی بڑی بہن ہے اس کے دل میں لالہ رخ کے لیے محبت و چاہت کا سمندر نجانے کہاں سے نمودار ہوگیا تھا' وہ اس سے ملنے اس کے گلے لگنے کو بہت بے قرار تھی' وہ مسلسل فراز سے کہہ رہی تھی کہ وہ اسے لالہ رخ کے پاس لے چلے مگر فراز، لالہ رخ کو سنبھلنے کا موقع دینا چاہ رہا تھا' دو دن بعد وہ ماریہ کو لے کر لالہ رخ کے گھر آ پہنچا اور جوں ہی لالہ رخ نے دروازہ کھولا وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکی اور اس کے وجود سے لپٹ گئی' پہلے تو وہ ماریہ کا یوں گلے لگنا معمول کے مطابق سمجھی کیونکہ وہ ہمیشہ ہی ایسے ملا کرتی تھی مگر جب کچھ دیر بعد اس نے غیر معمولی پن محسوس کیا تو وہ الجھ سی گئی جب کہ ماریہ ہنوز اس سے لپٹی رہی تب ہی فراز شریر لہجے میں بولا۔

''ماریہ کیا ساری زندگی یہیں کھڑی رہو گی اندر نہیں چلو گی؟'' فراز کی بات پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے الگ ہوئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھ کر لالہ رخ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں ماریہ..... رو کیوں رہی ہو' سب خیریت تو ہے ناں؟'' جواباً ماریہ نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''لالہ..... مجھے تم سے آج پھر ایک بے حد ضروری بات کرنی نہیں بلکہ بتانی ہے۔'' فراز سنجیدگی سے گویا ہوا تو لالہ رخ نے بڑی عجیب نگاہوں سے اسے دیکھا' پھر ایک گہری سانس کھینچ کر انہیں ڈرائنگ روم کی جانب لے آئی۔

''لالہ یہ بات تو تم جانتی ہوناں کہ تمہارے فادر پاکستان چھوڑ کر لندن چلے گئے تھے؟'' بے ساختہ اس نے اثبات میں سر ہلایا تو فراز نے سبز رنگ کے سادے سے شلوار سوٹ میں ملبوس الجھی الجھی سی لالہ رخ پر ایک نگاہ ڈالی پھر ہموار لہجے میں کہا۔

''ایکچولی انہوں نے وہاں ایک برطانوی نژاد خاتون سے شادی کرلی تھی.....'' لالہ رخ سب کتھا سنتی چلی گئی' اپنے باپ کی بے حسی' خودغرضی اور سفاکیاں سن کر اس کے اندر تلخی اترتی چلی گئی' تب فراز بے بالکل آخر میں کہا۔

''اس خاتون سے ان کی ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی تھی۔'' لالہ رخ جو سر جھکائے بیٹھی تھی، یک دم جھٹکے سے سر اٹھا کر فراز کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

''ہاں لالہ..... تمہارے علاوہ ان کی ایک اور بھی بیٹی ہے۔''

''کون ہے وہ؟'' لالہ رخ نے سن ہوتے ذہن کے ساتھ پوچھا تو فراز نے رخ موڑ کر ماریہ کو دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔

''ماریہ..... یہ ماریہ ہی تمہاری بہن اور احتشام انکل کی بیٹی ہے۔'' لالہ رخ نے انتہائی اچنبھے سے ماریہ کو دیکھا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

کامش شاہ گھر آیا تو آج مہرو اسے ہمیشہ کی طرح سٹنگ روم یا کچن میں نظر نہیں آئی' وہ اس کے بارے میں سوچتا ہوا بیڈ روم میں آیا تو وہ اسے بستر پر لیٹی دکھائی دی' اسے عجیب سے انداز میں لیٹا دیکھ کر وہ قدرے چونکا' اس وقت سونے کا وقت بھی نہیں تھا کیونکہ شام کے سات بج رہے تھے کچھ سوچ کر وہ آگے بڑھا اور سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کردی کمرہ یک لخت روشنی سے بھر گیا' جس کی چبھن محسوس کر کے مہرو یک دم ہڑبڑا کر اٹھی' پھر جوں ہی کامیش پر اس کی نظر گئی' اس نے بڑی بدحواسی سے اپنا دوپٹا تلاش کیا جھجک اور اجنبیت کی دیوار اب بھی دونوں کے درمیان حائل تھی۔

کامیش نے اسے اس لمحے بغور دیکھا' پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا' جب کہ مہرو جز بز سی ہوگئی' جس کی سرخ نگاہیں کامیش سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھیں۔

''کیا ہوا مہرینہ..... تم روئی ہو کیا..... یا کسی نے کچھ کہا ہے؟'' اس نے بے حد حلاوت آمیز لہجے میں استفسار کیا۔ جب کہ نہ چاہتے ہوئے بھی مہرو کی آنکھیں ایک بار پھر چھلک اٹھیں' اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا تب ہی کامیش نے اس کے آنسوؤں کو اپنی پوروں میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

''تو پھر یہ بن بادل برسات کیوں؟''

''بس ایسے ہی۔'' اس نے منمنا کر کہا' کامیش کی قربت اس پل اسے بے حد پریشان کر رہی تھی۔

''ایسے ہی تو نہیں' ٹیل می ڈیئر..... کیا ہوا ہے؟'' اس نے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتا ہوا پوچھا تو مہرو غیر ارادی طور پر تھوڑا پیچھے کھسکی جب کہ کامیش نے اس کی اس حرکت کو بخوبی نوٹ کیا۔

''ن..... نہیں بس وہ دراصل میں.....'' بولتے ہوئے وہ نظریں گھماتے ہوئے اپنے دوپٹے کو بھی تلاش کر رہی تھی۔ تب ہی وہ اسے کاؤچ پر پڑا دکھائی دیا وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ کامیش نے ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھا دیا۔

''تمہارا دوپٹا کوئی بھاگا نہیں جا رہا یہاں سکون سے بیٹھو اور بتاؤ کیا بات ہے؟'' مہرو نے بے بسی سے اسے دیکھا پھر اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی کہ مومن جان نے کس طرح اسے، اس کی ماں کو ذہنی اذیتیں دیں' پھر اپنی حقیقت معلوم ہونے پر اس پر کیا گزری' ساتھ ساتھ وہ مسلسل روتی بھی رہی تھی' کامیش خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔

''کامیش میں نے اپنے دل اور روح پر کیسے کیسے گھاؤ سہے' کتنی اذیت اٹھائی اور آج..... آج کسی نے فون پر بتایا کہ وہ

میرا بھائی ہے' میرے باپ کا بیٹا..... کیسا باپ تھا وہ کامیش جس نے مجھے یوں دوسروں کے حوالے کر دیا' مم..... میں اپنی اماں سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں اور مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ان کی عظیم آغوش میں میری تربیت ہوئی مگر میرا شکوہ ہے کہ میرے جنم دینے والے ماں باپ نے مجھے ایسے کیوں اپنی زندگی سے نکال کر پھینک دیا کامیش؟'' وہ بلک بلک کر رو رہی تھی' کامیش نے انتہائی محبت سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

''اگر اماں، لالہ اور ماموں، مامی نہ ہوتے تو میرا کیا حال ہوتا' میں کہاں ہوتی' ان لوگوں نے میرے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟'' وہ مسلسل شکوہ کیے جا رہی تھی جب کہ کامیش اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اپنے ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ جب کافی دیر گزر گئی تو مہرو کو اپنی پوزیشن کا احساس ہوا تو وہ سرعت سے کامیش سے الگ ہوئی' تب ہی کامیش نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہولے سے دباتے ہوئے کہا۔

''مہرو..... جو ہوا سب بھول جاؤ' بس یہ یاد رکھو کہ میں تمہارا شوہر ہوں' تمہاری زندگی کا ساتھی اور ہر قدم، ہر لمحہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔'' مہرو نے بے اختیار کامیش کی جانب دیکھا جو اس پل اسے انتہائی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ وہاں سے بھاگنے کے لیے پر تولنے لگی۔

''مم..... میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔''

''پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم میگزین میں میری تصویر دیکھ کر میرے عشق میں گرفتار ہو گئی تھیں ناں.....'' اس نے شریر لہجے میں پوچھا جب کہ مہرو نے بھونچکا ہو کر اسے دیکھا۔

''یہ..... یہ آپ کو کس نے بتایا؟ نہیں خیر ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ کھسیانی ہوئی۔

''اچھا تو کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ تمہیں میری مونچھیں بہت پسند تھیں اور دن میں کئی مرتبہ تم میگزین نکال کر میری تصویر دیکھتی تھیں۔'' کامیش کو اسے تنگ کرنے میں بہت مزہ آ رہا تھا۔

''افوہ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کو کسی نے بالکل غلط بتایا ہے۔'' وہ جھنجلائی۔

''اچھا تو کیا میں تمہارے خوابوں میں بھی نہیں آتا تھا اور.....!''

''مجھے پتا ہے یہ سب لالہ نے آپ کو بتایا ہے اب میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ تلملا کر اپنی جگہ سے اٹھی مگر دوسرے ہی پل وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی اور کامیش کے اوپر آن گری جس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جھٹکا دے کر گرایا تھا۔

''سیدھی طرح سے اقرار جرم کر لو ورنہ مجھے اور بھی بہت سے طریقے آتے ہیں۔'' رو پہلے مہکتے جذبوں سے لبریز کامیش کا لہجہ اس کے کانوں میں گونجا تو وہ اپنی پلکیں جھکا گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب روئیں' اب مطلع صاف تھا فراز ماریہ کو چھوڑ کر کسی ضروری کام سے نکل گیا تھا' لالہ رخ نے ماریہ کو آج رات یہیں روک لیا تھا' پارس بیگم بھی ماریہ کی حقیقت جان کر اور اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھیں' رات کو جب وہ سونے کے لیے لیٹیں تو ماریہ دھیرے سے کہا۔

''لالہ..... میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں' شاید انجانے میں میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کر دی تھی۔''

''کیسی زیادتی ماریہ؟'' لالہ رخ نے یہ سن کر حیران لہجے میں پوچھا۔ وہ نگاہیں جھکا کر خفیف سے انداز میں کہنے لگی۔

''میں نے آپ کے فراز کے ساتھ شادی جو کر لی اور اب بھوت بن کر اس کی زندگی سے چمٹی ہوئی ہوں۔'' لالہ رخ نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا' پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گراتے ہوئے کہا۔

''یا اللہ یہ سارے احمق لوگ میرے ہی حصے میں کیوں آتے ہیں؟'' جواباً ماریہ نے اسے ناسمجھی والے انداز میں دیکھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''مطلب یہ بدھو کہ فراز صرف میرا اچھا دوست ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' اس لمحے ماریہ کو محسوس ہوا جیسے کوئی وزنی چٹان ایک ہی لمحے میں اس کے سر سے ہٹی ہو۔

''تو.....تو آپ فراز سے.....'' وہ خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

''جی ہاں میری چھوٹی مگر کم عقل بہن.....فراز صرف تمہارا ہے۔'' ماریہ کو اس پل لگا جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔

''اولالہ.....آئی لو یو سو مچ۔'' وہ شدت جذبات سے اسے بھینچ کر بولی تو لالہ رخ نے مسکرا کر کہا۔

''اب آپ پلیز یہی جملہ فراز سے بھی کہہ دیں۔'' لالہ رخ نے کہتے ہوئے اسے شرارتی نگاہوں سے بھی دیکھا۔ تو ماریہ گڑبڑا گئی۔

''میں نہیں.....لالہ میں اس سے یہ نہیں کہہ سکتی۔'' پھر لالہ رخ نے اس سے سب کچھ اگلوا لیا اور وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی اپنا دل لالہ رخ کے سامنے کھول کر وہ پھول کی طرح ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

''اچھا اب آپ مجھے بتائیے کہ میرے بروسے آپ اتنا کیوں چڑتی ہیں۔'' ماریہ نے جوں ہی اس کا ذکر کیا لالہ رخ کے تصور کے پردے پر یک دم ابرام کی شبیہہ ابھری۔

''میں کیوں چڑنے لگی ان موصوف سے۔'' وہ لاپروائی سے شانے اچکا کر بولی تو ماریہ نے اسے شریر نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''ویسے ان کے ارادے آپ کے لیے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب وہی جو تھوڑی دیر پہلے آپ مجھے سمجھا رہی تھیں.....'' بے ساختہ لالہ کا دل دھڑک اٹھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کچھ۔'' وہ تپ کر بولی۔

''آپ فکر مت کریں بروآپ کو سمجھا دیں گے انہیں بہت اچھی طرح سمجھانا آتا ہے سب کچھ۔'' ماریہ آنکھیں گھما کر بولی تو لالہ رخ نے اسے تادیبی انداز میں گھور کر کہا۔

''ماریہ.....''

''سوری سسٹر.....اس کام میں تو میں برو کا ہی ساتھ دوں گی۔'' یہ کہہ کر ماریہ نے بستر پر لیٹ کر چادر منہ تک تان لی جب کہ لالہ رخ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁.....✿.....✿.....❁

بچھڑا ہے جو اک بار تو ملتے نہیں دیکھا
اس زخم کو ہم نے کبھی سلتے نہیں دیکھا
اک بار جسے چاٹ گئی دھوپ کی خواہش
پھر شاخ پہ اس پھول کو کھلتے نہیں دیکھا
یک لخت گرا ہے تو جڑیں تک نکل آئیں
جس پیڑ کو آندھی میں بھی ہلتے نہیں دیکھا
کس طرح مری روح ہری کر گیا آخر

احتشام اس کے سامنے کسی ایسے شکست خوردہ شخص کی مانند بیٹھا تھا جس کا سب کچھ لٹ چکا ہو' یہاں تک کہ اس کی اپنی ذات بھی اس سے بچھڑ گئی ہو' کل صبح اس نے فون کر کے سمیر شاہ کو بتایا کہ وہ پاکستان آ رہا ہے اور آج وہ یہاں موجود تھا اور آتے ہی اس نے حورین کی بابت جس تڑپتے لہجے میں استفسار کیا تھا' سمیر شاہ اسے دیکھتے رہ گئے تھے' پھر وہ اسے سب کچھ بتاتے چلے گئے' جب کہ احتشام کے چہرے پر آتے دکھ' اذیت' کرب' شرمندگی اور پچھتاوں کے رنگوں کو دیکھ کر ان کا دل بھی رنج و تاسف سے بھرتا چلا گیا تھا' سمیر شاہ جب سب کچھ اس کے گوش گزار کے خاموش ہوئے تو بہت دیر تک تو وہ کچھ بھی نہیں بول سکا' پھر بڑے اذیت آمیز انداز میں کراہ کر کہا۔

''خاور نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا..... اس نے مجھ سے طلاق دلوا کر حورین سے شادی کر لی اور میری بیٹی کو بھی دربدر کر دیا۔'' جب ہی سمیر شاہ بڑے ٹھنڈے لہجے میں گویا ہوئے۔

''خاور نے ایسا کیا غلط کیا احتشام؟ اپنے گھر کے دروازے تو تم خود کھول کر گئے تھے' چور کو تو تم نے خود ہی اپنی قیمتی متاع چوری کرنے کا موقع دیا تھا۔'' جواباً احتشام نے اسے انتہائی زخمی نگاہوں سے دیکھا' پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو سمیر..... میں بہت سارے لوگوں کا قصوروار ہوں' شاید میرا اللہ بھی مجھے معاف نہیں کرے گا۔'' پھر کچھ دیر بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے لیور کینسر ہے جو اپنی لاسٹ اسٹیج پر ہے' میں مرنے سے پہلے حورین اور اپنی بیٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔'' سمیر شاہ نے اسے پھٹی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو احتشام؟''

''ہاں میرے دوست..... زندگی کی کہانی اب تمام ہونے کو ہے' جس دنیا کی چکا چوند اور رعنائیوں کے پیچھے پاگل ہو کر ہر رشتے کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا' آج معلوم ہوا کہ کتنا دھوکہ دیا مجھے اس دنیا نے۔'' وہ بے پناہ ٹوٹے لہجے میں بول۔ تو سمیر شاہ نے انتہائی مغموم ہو کر احتشام کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

کامیش نے شاہ دل سے فون پر بات کر کے اسے گھر بلوا لیا تو وہ فوراً سے پیشتر مہرو سے ملنے آن پہنچا' مگر مہرو کا انداز لیے دیے ہی تھا' پھر شاہ دل نے اسفند یار اور اپنی ماں کو معصومہ کے مل جانے کی خوش خبری دی' جب کہ زرینہ تو یہ جان کر ہی سکتے میں مبتلا ہو گئی تھی کہ مہرو ہی بابا کی بیٹی معصومہ ہے۔

حواس بحال ہونے کے بعد تو وہ خوشی سے بے حال ہو گئی تھی کہ مہرو اس کی بہن ہے' زرتاشہ جو تندرست ہونے کے بعد گھر آئی تھی لالہ رخ کی حقیقت جان کر بے تحاشا روئی تھی' جس پر لالہ رخ نے اسے ڈھیروں پیار کرتے ہوئے سمجھایا تھا کہ وہ ہمیشہ اس کی سگی بہن کی طرح پہلے جیسے ہی رہے گی' پھر جب مہرو اور زرینہ کے رشتے کی بابت اسے پتا چلا تو اس دفعہ اسے خوش گوار حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

مہرو کچھ دن تو اسفند یار اور شاہ دل سے اکھڑی رہی مگر پھر ان کی محبتوں اور بے قراریوں کے سامنے اس نے گھٹنے ٹیک دیے تھے' سمیر شاہ اور ساحرہ بھی مہرو کے لیے بہت خوش تھے' البتہ مہرو کو اپنی ماں کی وفات کا بہت رنج ہوا تھا۔

دن یوں ہی ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگتے جا رہے تھے' زرتاشہ اور زرینہ کا بی ایس مکمل ہو چکا تھا' کامیش اور باسل نے لالہ رخ کو زرتاشہ کے اغوا کا واقعہ سنا دیا تھا جس پر لالہ رخ نے بے پناہ ہراساں ہو کر زرتاشہ کو اب مزید ہاسٹل

میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی' البتہ امی سے یہ سب چھپالیا تھا' باسل اب بڑے استحقاق سے لالہ رخ سے ملنے آتا تھا اور اس سے خوب ناز اٹھواتا تھا' جب کہ زرتاشہ باسل کو دیکھ کر کونے کھدروں میں چھپ جاتی تھی' زرینہ کو تایا ابا نے اپنے بیٹے کے نکاح سے آزاد کردیا تھا' وہ آج کل اپنے بابا کے گھر پر تھی جب کہ اسفندیار نے بخوبی شاہ دل اور عنایہ کا رشتہ پکا کر یا تھا اور یوں چار ماہ کا عرصہ پر لگا کر اڑ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

ڈاکٹرز کی کڑی محنت اور باسل کی بھرپور توجہ و خیال سے حورین کی حالت میں بہت زیادہ بہتری آ گئی تھی' اب اس کے اندر پہلے والی حورین کی جھلک دکھائی دینے لگی تھی' مگر خاور حیات اور اس کے درمیان کافی فاصلے پیدا ہو گئے تھے' وہ خاور سے بے حد متنفر اور بدظن تھی' خاور چپ چاپ بڑے حوصلے سے حورین کی بے اعتنائی اور نفرت برداشت کر رہا تھا جو اُن کے لیے کسی اذیت ناک عذاب سے کم نہیں تھا' وہ معمول کے مطابق شام کی چائے تیار کر رہی تھیں کہ باسل نے اسے آواز دے کر کہا۔

''مام..... پلیز باہر آیئے دیکھیے تو میں کسے لایا ہوں؟'' باسل کے لہجے میں خوشی و انبساط کی کھنک صاف محسوس ہو رہی تھی' جب ہی حورین مسکراتی ہوئی باہر آئی تو جیسے اس کا جسم کسی نے جادوئی چھڑی گھما کر منجمد کر دیا تھا' آج اتنے عرصے بعد اپنی عزیز از جان سہیلی پارس کو دیکھ کر ششدر ہی رہ گئی' پھر اس کے ہونٹ بے ساختہ پھڑ پھڑائے۔

''پارس.....'' اگلے ہی پل وہ بھاگ کر اس کے گلے سے جا لگیں۔

''پا..... رس..... اتم..... تم کہاں چلی گئی تھیں' مجھے چھوڑ کر' تمہیں پتا ہے کہ میں نے تمہیں کتنا یاد کیا' تمہیں کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔'' جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر حورین کی آواز رندھ گئی۔

''حورین..... کیا تم مجھ سے خفا نہیں ہو؟'' پارس نے جلدی سے پوچھا۔

''ارے پاگل میں تجھ سے کیوں خفا ہونے لگی' تو صرف میری سہیلی تھوڑی تھی میری بہن بھی تو تھی۔'' پھر دونوں آپس میں لپٹ کر بہت دیر تک رونے کے بعد ایک دوسرے کو اپنی کتھا سنانے لگیں' جب کہ باسل دونوں کو تنہائی فراہم کر کے وہاں سے جا چکا تھا' اپنی کہہ سن کر جب دونوں اپنا دل ہلکا کر چکیں تو پارس بیگم نرمی سے بولیں۔

''حورین..... تمہاری ایک امانت میرے پاس ہے۔'' حورین استفہامیہ لہجے میں بولی۔

''میری امانت.....! کون سی امانت پارس؟'' پارس بیگم نے گہرا سانس بھرا' پھر دھیرے سے بولیں۔

''تمہاری بیٹی لالہ رخ۔'' حورین نے بے پناہ اچنبھے سے پارس بیگم کو دیکھا' پھر خود ہی ہنس کر بولی۔

''کیوں مذاق کر رہی ہو پارس' میری گڑیا تو.....''

''نہیں حورین..... تمہاری گڑیا زندہ ہے۔''

''پارس پلیز' میرے زخموں پر نمک پاشی مت کرو۔'' حورین تڑپ کر اپنی جگہ سے اٹھی۔

''نہیں میری جان' میں خدانخواستہ ایسا کیوں کروں گی' تیری قسم حورین ہماری لالہ رخ زندہ ہے۔'' اس پل حورین نے غائب دماغی سے اسے دیکھا' پھر سر جھٹک کر تیزی سے بولی۔

''میں نے تمہیں ابھی بتایا ناں کہ خاور نے لالہ رخ کو ہماری ملازمہ کی بانجھ بیٹی کے حوالے کر دیا تھا اور وہ وہاں مری میں حادثے کا شکار ہو کر.....'' اتنا بول کر اس نے اپنے نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کچلا۔

''اور میں نے بھی تمہیں بتایا تھا کہ میں نے ایک بچی کو گود لے کر پالا ہے' جو میرا فخر ہے' میرا مان ہے۔''

''تو اس بچی کا میری لالہ رخ سے کیا تعلق.....؟'' وہ زچ ہوئی۔

''تعلق یہ ہے کہ وہی تمہاری بیٹی لالہ رخ ہے کیونکہ اس دن میں تمہاری بیٹی کو تمہاری ملازمہ کی بیٹی فیروزہ کے گھر سے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔'' حورین نے انتہائی ہونق ہو کر پارس کو دیکھا' پھر بہت سارے لمحے یوں ہی خاموشی سے گزرتے چلے گئے' پارس کے جملوں کی بازگشت بار بار اس کے کانوں میں گونج رہی تھی جب ہی باسل کی عقب سے آواز ابھری۔

''آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں مام..... آپ کی بیٹی لالہ رخ زندہ ہے اور اس وقت آپ کے پاس ہے۔'' حورین نے بے پناہ سرعت سے گردن موڑ کر دیکھا' باسل کے ساتھ کھڑی اس لڑکی کی خوشبو کو وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان گئی تھی۔

''لالہ میری گڑیا.....'' حورین اٹک اٹک کر بہ مشکل بولی اور اگلے ہی پل چکرا کر کارپٹ پر گر پڑی جب کہ سب اس کی جانب گھبرا کر دوڑے تھے۔

❁.....❁.....❁

احتشام کی کل رات طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی' سمیر کو فون کرنے پر وہ فوراً اسے پیشتر اسے ہاسٹل لے آئے تھے' احتشام اپنے پرانے ہی محلے میں ایک گھر کرائے پر لے کر رہ رہا تھا' سمیر شاہ نے فی الحال احتشام کے پاکستان آنے کی اطلاع کسی کو بھی نہیں دی تھی' سمیر شاہ جب احتشام کے پاس ساری رات گزار کر گھر آئے تو ساحرہ کے متفکرانہ استفسار پر وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئے اور پھر انہوں نے ناشتے کی میز پر سب کو بتایا کہ احتشام کچھ عرصے پہلے یہاں آ گیا تھا' جس کا مرض اب کسی بھی وقت اسے زندگی کی قید سے آزاد کر سکتا ہے' مہرو کا میش اور فراز یہ سن کر دکھ و تاسف کی کیفیت میں گھرے خاموش بیٹھے رہ گئے پھر کافی دیر بعد مہرو پُرسوچ لہجے میں بولی۔

''انکل..... میرے خیال میں لالہ کو احتشام انکل سے ایک بار ملنے جانا چاہیے۔'' سمیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا احتشام جیسا بھی ہے' لالہ رخ کا باپ تو ہے اور دنیا سے رخصت ہوتے شخص کی خطاؤں کو درگزر کر کے اسے معاف کر دینا چاہیے۔'' پھر اسی شام سمیر شاہ خاور حیات کے پاس چلے آئے اور احتشام کی بابت سب کچھ بتا کر متاسف زدہ انداز میں بولے۔

''سمجھ میں نہیں آتا کہ تم دونوں میں زیادہ قصوروار کون ہے' وہ احتشام جو دنیاوی عیش و عشرت کے پیچھے بھاگتا رہا یا تم جس نے اس کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا مگر سچ تو یہ ہے کہ تم دونوں کے ہی ہاتھ کچھ نہیں آیا' آج تم دونوں ہی اپنا خالی دامن لیے شکست زدہ سے بیٹھے ہو۔'' باسل اور حورین گو کہ اب بھی اس کا ساتھ دیتے تھے مگر بے حد اجنبیوں اور غیروں کی طرح..... ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی وہ ان دونوں سے بہت دور ہو چکا تھا۔

''سمیر پلیز' اللہ کے واسطے خاموش ہو جاؤ۔'' وہ پہلے ہی ایک اذیت اور کرب سے گزر رہا تھا' سمیر کی باتوں نے اسے ایک بار پھر ضمیر کی عدالت میں رگیدنا شروع کر دیا تھا' جب کہ کل اچانک لالہ رخ نے اس کے گھر آ کر اسے حیران و پریشان کرنے کے ساتھ ساتھ بے طرح شرمندہ بھی کیا تھا' باسل نے انتہائی روکھے انداز میں اس سے کہا تھا کہ کس طرح اللہ نے اپنا معجزہ اور شان دکھا کر لالہ رخ کو زندہ رکھا اور پھر ہم لوگوں سے ملوایا وگرنہ تو آپ نے انہیں مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور جواباً وہ اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکا تھا۔

❁.....❁.....❁

حورین کو تھوڑی دیر بعد خود ہی ہوش آ گیا تھا' اپنے سامنے اپنی بیٹی کو پا کر وہ تو دیوانی ہوئی جا رہی تھیں۔

''لالہ..... میری بچی..... میری گڑیا' تت..... تم زندہ ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے فرط جذبات سے اسے زور سے بھینچ لیا۔

''یا اللہ تو کتنا عظیم ہے' مجھے میری بیٹی عطا کردی' میری لالہ مجھے مل گئی' مجھے میری زندگی لوٹا دی' میں کیسے تیرا شکر ادا کروں' میری لالہ واپس آ گئی۔'' وہ مسلسل بول رہی تھیں' پھر اسے خود سے الگ کر کے دیوانوں کی طرح اس کے چہرے کو چومنے لگیں۔

''میری بیٹی میرے گھر آ گئی' جانتی ہو لالہ تمہاری اس بدنصیب ماں نے تمہیں کتنا یاد کیا' کتنا تڑپی ہوں میں تمہاری جدائی میں' ت..... تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو ناں؟'' وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیتے ہوئے کچھ ہراساں سی ہو کر بولیں۔

''نہیں امی..... میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔'' لالہ رخ محبت بھرے لہجے میں بولی تو حورین کو جیسے نئی زندگی مل گئی' ماسل ماں کی خوشی دیکھ کر خود بھی بہت مسرور تھا۔ لالہ رخ کے مل جانے سے اسے بھی بڑی بہن جو مل گئی تھی' پھر ایک دن موقع دیکھ کر اس نے اپنے دل کی بات لالہ رخ کو بتا دی' وہ زرتاشہ کو اپنانا چاہتا ہے' یہ سن کر لالہ رخ نے اسے خوش گوار حیرت میں گھر کر دیکھا۔ اس نے سب کو راضی کر لینے کا وعدہ کیا مگر اس سے پہلے وہ فراز شاہ سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتی تھی تب ہی آج وہ اس کے آفس آئی تھی۔

''فراز..... تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے' مجھے سچ سچ بتاؤ کیا ماریہ تمہیں اچھی نہیں لگتی؟'' یک دم فراز کے تصور کے پردے پر ماریہ کا صبیح چہرہ لہرایا۔

''میں نے ایسا کب کہا۔''

''تو وہ تمہیں بہت اچھی لگتی ہے.....؟ ہوں۔''

''میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔''

''او فراز' تم اتنے مشکل کیوں ہو گئے ہو' مجھے ابھی اور اسی وقت بتاؤ کہ وہ تمہیں پسند ہے یا نہیں؟''

''یا وحشت لالہ..... تم تو تھانیدارنی بن گئیں۔'' وہ چڑا۔

''اچھا ٹھیک ہے' جو تمہارا دل چاہے تم وہی کرو۔'' انتہائی ناراضی سے بول کر وہ کرسی سے اٹھی تو فراز نے اسے منانا چاہا مگر وہ یوں ہی خفا ہو کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔ جب کہ فراز نے جھنجلا کر اپنے ہی بالوں کو نوچ ڈالا۔ لالہ رخ نے کمرے سے باہر آ کر کچھ دیر سوچا پھر خود اعتمادی سے سمیر شاہ کے کیبن کی جانب بڑھ گئی۔

''ارے لالہ رخ بیٹا' پلیز کم' آپ کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' پھر لالہ رخ وہاں رکھے صوفے پر بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اصل موضوع کی جانب آتے ہوئے بولی۔

''انکل..... اگر میں آپ کو ایک بات بتاؤں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گے۔'' سمیر شاہ نے اس پل تھوڑا چونک کر اسے دیکھا' پھر مسکرا کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''او نائٹ ایٹ آل مائی ڈیئر بولو۔'' لالہ رخ نے سب کچھ انہیں بتا دیا کس طرح فراز کو ماریہ لندن میں ملی جس کی مدد کرنے کے لیے اسے مجبوراً اس سے نکاح کرنا پڑا اور یہ بھی بتا دیا کہ ماریہ دراصل اسی کی چھوٹی بہن یعنی احتشام کی اولاد ہے' سمیر شاہ کو ماریہ کا مذہب بچانے کی خاطر فراز سے شادی کرنے پر کوئی شکایت نہیں ہوئی' مگر اس حقیقت نے انہیں گم صم سا کر دیا کہ وہ لڑکی احتشام کی بیٹی تھی' پھر بہت دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر اپنے مخصوص لہجے میں گویا ہوئے۔

''بیٹا..... مجھے ماریہ کو بہو بنانے پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ مجھے تو اپنے بیٹے پر آج فخر ہو رہا ہے کہ اس نے ماریہ کی زندگی اور ایمان بچا کر مجھے بھی سرخرو کیا ہے۔'' لالہ رخ یہ سن کر بہت خوش ہو گئی۔

''تھینک یو سو مچ انکل..... آپ بھی بہت گریٹ ہیں' ان فیکٹ فراز آپ پر ہی گیا ہے۔'' جواباً سمیر شاہ زور سے ہنس

دیئے تھے۔

❁.....❁.....❁.....❁

لالہ رخ نے پارس بیگم اور حورین کو باسل کی پسند بتادی تھی' دونوں خواتین کو بھلا کیا اعتراض ہوتا بلکہ وہ تو بہت خوش ہوئیں کہ ان کے بچے اس مقدس رشتے میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں گے۔ شاہ دل اور عنایہ کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی تھی جب کہ مہرو اور عنایہ نے اسفند یار اور اماں کے سامنے زرینہ اور احمر کا کیس لڑا تھا اور جیت بھی گئی تھیں۔ زرینہ نے والدین نے احمر کے گھر والوں کو ہاں کردی تھی' مہوش' زرینہ کے اپنی بھابی بن جانے پر بہت خوش اور پُر جوش تھی اسے شروع سے زرینہ بہت اچھی لگتی تھی۔

لالہ رخ نے ماریہ اور فراز کو ایک کرنے کا پلان بنایا تھا' جس میں اس نے ابرام' کامیش' باسل' مہرو اور زرتاشہ کو ملا لیا تھا' ورنہ دونوں ہی نجانے کب تک ایک دوسرے سے بھاگتے رہتے' سمیر صاحب نے ساحرہ کو بھی فراز کی شادی اور تمام حالات سے آگاہ کردیا تھا' اسے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔

لالہ رخ نے ماریہ کو انتہائی اسٹائلش فراک جس کے فیروزی رنگ پر سنہرے اور روپہلے امتزاج کا کام تھا اور اس کے ساتھ میں چوڑی دار پاجامے کے اس سوٹ کو یہ کہہ کر زبردستی پہنایا تھا کہ آج زرینہ کی منگنی ہے۔

''افوہ لالہ..... آپ نے مجھے اتنا بھاری سوٹ پہنا دیا' اسے پہن کر دلہن زرینہ نہیں بلکہ میں لگ رہی ہوں۔'' ماریہ آئینے کے سامنے منہ بناتے ہوئے بولی پھر جب اس نے زرتاشہ کو میک اپ کٹ کھولتے دیکھا تو چیخ ہی پڑی۔

''نو لالہ..... میں میک اپ ہرگز نہیں کروں گی۔''

''افوہ ماریہ..... تم چپ نہیں رہ سکتیں۔'' لالہ رخ مصروف سے انداز میں بولی' پھر دونوں نے اس کا زبردستی میک اپ کردیا' گولڈن اور سلور امتزاج کی انتہائی نفیس سی جیولری اور خوب صورت میک اپ میں وہ اپنا اجنبی مگر بے حد حسین عکس دیکھ کر سر پکڑے بیٹھ گئی۔

''یا اللہ..... آپ لوگوں نے مجھے کیا بناڈالا میں منہ دھونے جارہی ہوں۔'' وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

''خبردار جو تم نے ایسا کچھ بھی کرنے کا سوچا تو.....'' لالہ رخ ڈپٹ کر بولی۔

''ہائے اللہ ماریہ..... آپ اتنی پیاری لگ رہی ہیں۔'' زرتاشہ چہک کر بولی۔ معاً ماریہ کو کچھ خیال آیا تو حیران سی ہوکر بولی۔

''مجھے تو آپ دونوں نے دلہن بناڈالا اب آپ دونوں کب تیار ہوں گی؟''

''آں..... ہم بھی بس تیار ہورہے ہیں۔'' وہ دونوں ہی گڑبڑائی جب کہ دوسری طرف مہرو اور کامیش نے جلدی جلدی فراز کے کمرے کو تازہ گلاب اور دیگر پھولوں سے سجادیا تھا جب کہ باسل اسے اپنے ساتھ بہانے سے قریبی مال لے آیا تھا لالہ رخ ماریہ کو لے کر ابرام کے ہمراہ فراز کے گھر پہنچی تھی۔

''یہ ہم کہاں آگئے لالہ..... کیا منگنی یہاں پر ہے؟'' ماریہ کچھ حیرت سے بولی پھر معاً ان کے حلیے کا خیال آیا تو پریشان سی ہوکر بولی۔

''مگر آپ دونوں نے تو چینج بھی نہیں کیا..... لالہ مجھے سچ سچ بتایئے معاملہ کیا ہے؟'' ماریہ کو اب کسی گڑبڑ کا احساس ہو چلا تھا مگر لالہ رخ لاپروائی سے بولی۔

''ارے بابا..... یہ میری حورین امی کا گھر ہے تمہیں ان سے ملنے کا شوق تھا ناں اس لیے یہاں آگئے اور ہم دونوں بھی یہیں تیار ہوں گے۔''

''اچھا واقعی؟'' وہ اشتیاق سے بولی اسے حورین سے ملنے کا بے حد شوق تھا' وہ زرتاشہ اور لالہ رخ کی معیت میں ایک کمرے کے دروازے تک پہنچی اور جوں ہی اندر قدم رکھا' پھولوں کی انتہائی دلفریب خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا جب کہ اگلے ہی پل زرتاشہ نے تیزی سے دروازہ باہر سے مقفل کر دیا۔

''یہ..... یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' ماریہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے گھبرا کر خود سے بولی اور تقریباً پانچ منٹ بعد باسل فراز کو گھر لے آیا' فراز نے اپنی جون میں آ کر باہر سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور جوں ہی اندر بڑھا اسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا کمرہ حجلہ عروسی کا منظر پیش کرتا ہوا بہت خوب صورت لگ رہا تھا جب کہ کمرے کے بیچوں بیچ ہراساں کھڑی ماریہ جنت کی حور لگ رہی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

سب نے اپنے پلان کو تکمیل تک پہنچا کر سکون کا سانس لیا تھا' ابرام وہاں سے جانے کے لیے اٹھا تو لالہ رخ اسے باہر تک چھوڑنے آئی۔ اس نے اس کا دل سے شکریہ ادا کیا' جینو لین دو ماہ پہلے ہی لندن واپس جا چکی تھی' جب ابرام نے اسے بتایا کہ تین دن بعد وہ بھی لندن جا رہا ہے تو یک دم اس کا دل جیسے ڈوبا تھا۔

''میں ماریہ کی طرف سے بہت مطمئن اور خوش ہو کر جا رہا ہوں' لالہ رخ اسے ایک اچھا جیون ساتھی ملنے کے ساتھ ساتھ اپنی بہن بھی مل گئی ہے۔'' وہ اس کے خوب صورت چہرے کو اپنی آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے بولا تو لالہ رخ ہولے سے گویا ہوئی۔

''مگر آپ کا مقام اپنی جگہ بہت اہم ہے مسٹر ابرام..... ماریہ آپ سے بہت پیار کرتی ہے۔'' ابرام نے اس کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر سنجیدگی سے بولا۔

''لالہ رخ..... اب میرا نام ابرام نہیں بلکہ عالیان ہے' میں بھی اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا ہوں۔'' ابرام بھی اسلام قبول کر چکا تھا لالہ رخ نے خوش گوار حیرت سے اسے دیکھا پھر خلوص دل سے بولی۔

''مبارک ہو آپ کو بہت بہت۔'' پھر کچھ توقف کے بعد گویا ہوئی۔ ''دیر ہو یا سویر انسان اپنے اصل کی جانب ایک نہ ایک دن ضرور لوٹتا ہے۔'' ابرام نے اثبات میں سر ہلایا پھر بولا۔

''اگر میں آپ سے ایک بات کہنے کی اجازت چاہوں تو کیا آپ مجھے موقع دیں گی؟'' پھر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کہنے لگا۔

''لالہ رخ..... میں نے آپ کو اپنے دل کی پوری گہرائیوں سے چاہا ہے اور بڑی شدت سے آپ کے ساتھ کی تمنا کی ہے.....'' لالہ نے انتہائی متحیر ہو کر اسے دیکھا۔

''آئی لو یو لالہ اینڈ آئی وانٹ یو۔'' یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑ کر گاڑی میں بیٹھا اور یہ جا وہ جا جب کہ لالہ رخ ہک دک سی کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

''آ..... پ یہاں کیسے فراز.....؟'' ماریہ اسے دیکھ کر بے پناہ حیرت سے بولی۔

''یہ میرا کمرہ ہے ماریہ..... مگر تم یہاں کیا کر رہی ہوں اور..... اور تم اتنا سجی سنوری کیوں ہو؟'' وہ بھی بے حد متعجب ہوا۔

''تو کیا یہ حورین آنٹی کا گھر نہیں؟ اور لالہ نے تو مجھے زبردستی زرینہ کی انگیجمنٹ میں جانے کے لیے تیار کیا تھا۔''

''مگر زرینہ کی تو آج منگنی نہیں۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''واٹ.....تت.....تو لالہ نے مجھے.....یہ سب کیوں.....؟'' اور پھر اسی پل ساری بات دونوں کیا سمجھ میں گئی' فراز نے بے ساختہ ایک گہرا سانس بھرا اور فوراً سے پیشتر لالہ رخ کو فون ملایا۔

''کانگریچولیشن فراز.....شادی بہت بہت مبارک ہو اور ہاں اپنا نیگ ہم تم سے صبح لیں گے' اب جاؤ اپنی دلہن کے پاس کامیش اور مہرو نے منہ دکھائی کا گفٹ تمہاری سائیڈ دراز میں رکھ دیا ہے اور ایک بات اور.....میں نے سمیر انکل کو بھی سب کچھ بتا دیا ہے انہوں اور آنٹی نے دونوں نے ہی ماریہ کو بخوشی قبول کر لیا ہے اب او کے اللہ حافظ۔'' لالہ رخ نے اسے ایک لفظ بھی بولنے کا موقع نہیں دیا تھا' وہ ہونقوں کی طرح منہ کھولے کھڑا رہ گیا' ماریہ خفیف سی ہو کر بولی۔

''میں منہ دھو کر آتی ہوں۔'' وہ پلٹی ہی تھی کہ یک دم اس کا بازو فراز کی گرفت میں آ گیا۔

''اب اتنی بھی بری نہیں لگ رہی ہو کہ منہ دھونا پڑے' اچھی خاصی حسین نظر آ رہی ہو۔'' فراز کا لہجہ اور نگاہیں دونوں ہی سرعت سے بدلے تھے' جب کہ ماریہ کا دل بے اختیار تیزی سے دھڑکنے لگا تھا' پھر وہ اس کے بے حد قریب آ کر اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

''فراز شاہ کا دل تمہارا ہوا' اس کی حفاظت کرنا جان فراز.....'' جواباً ماریہ نے ایک گہری سانس کھینچ کر اپنا سر اس کے شانے سے ٹکا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

چار مہینے پہلے جو عدیل کامیش شاہ کے سامنے بڑا اکڑ رہا تھا' آج جھکے کندھوں اور نگاہوں سے اس کے پاس آیا تھا' جس تایا کے بل بوتے پر وہ جیل سے چھوٹا تھا' ان کے پیچھے نیب کا محکمہ لگ گیا تھا' جس نے ان پر مقدمات کر دیے تھے' اب وہ خود منہ چھپاتے پھر رہے تھے جب کہ عدیل کامیش کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اپنے گزشتہ گناہ کی معافی مانگ کر اس سے اپنی بہن کے لیے انصاف کی درخواست کر رہا تھا' جس کو ٹونی نے بے آبرو کر کے اس کی زندگی کو تباہ کر ڈالا تھا۔

کامیش جو در پردہ ٹونی کے خلاف پکے ثبوت اکٹھے کر رہا تھا' اس رپورٹ پر اب وہ اسے بہ آسانی گرفتار کر سکتا تھا' البتہ عدیل کچا کھلاڑی تھا اور اب پشیمان بھی تھا' لہٰذا اسے معاف کر کے اس نے ٹونی کو گرفتار کر لیا تھا لڑکیوں کے اغوا کے علاوہ اس پر منشیات بیچنے کے بھی الزامات تھے اس دفعہ وہ پکا اندر گیا تھا جب کہ احمر اور باسل عدیل کے متعلق جان کر چپ کے چپ رہ گئے تھے۔

❁.....❁.....❁.....❁

سمیر شاہ نے حورین اور لالہ رخ کو احتشام کے بارے میں بتا کر ان دونوں سے درخواست کی تھی کہ وہ ایک بار جا کر اس سے مل لیں چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ دونوں ہی رضامند ہو گئی تھیں اور اس وقت وہ احتشام حاکم کے سامنے انتہائی عجیب سی کیفیت میں گھری یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

''حو.....رین.....ت.....تم آ گئیں.....!'' احتشام کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے انداز میں نکلا۔

''میں تو کہیں گئی ہی نہیں تھی احتشام.....تم ہی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔'' حورین کھوئے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو حورین.....میں ہی چلا گیا تھا سارے دروازے بند کر کے سب رشتے ناتے چھوڑ کے۔'' وہ جیسے کراہا پھر وہ لالہ رخ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولا۔

''بیٹی.....ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا تمہارا باپ اس دنیا کا بہت برا انسان ثابت ہوا۔'' لالہ رخ تیزی سے بولی۔

''آپ پلیز یہ مت سوچیے۔'' اس پل احتشام نے چونک کر لالہ رخ کو دیکھا' پھر حورین کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

''حور تمہاری بیٹی تمہاری ہی طرح اعلیٰ ظرف ہے۔'' حورین میں احتشام کی دگرگوں حالات دیکھنے کی مزید تاب نہ

ہوئی تو وہ تیزی سے باہر جانے کو پلٹی مگر چند قدم چل کر رکتے ہوئے بولیں۔
''احتشام..... میں نے تمہیں معاف کیا میرا اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔'' حورین کے الفاظ احتشام کے نحیف وجود میں ٹھنڈک ہی ٹھنڈک اتار گئے تھے۔
ماریہ بھی فراز کے ہمراہ احتشام سے ملنے آئی اور اس کے سینے سے لگ کر بے تحاشا رو دی تھی جب کہ خاور نے بھی اس سے معافی مانگی تھی اور اگلے دن سویرے سویرے احتشام دارِفانی سے کوچ کر گیا تھا۔

آنکھ سے دور نہ ہو دل سے اتر جائے گا
وقت کا کیا ہے گزرتا ہے گزر جائے گا
اتنا مانوس نہ ہو خلوت غم سے اپنی
تو کبھی خود کو بھی دیکھے گا تو ڈر جائے گا
زندگی تیری عطا ہے تو یہ جانے والا
تیری بخشش تیری دہلیز پر دھر جائے گا
ڈوبتے ڈوبتے کشتی کو اچھالا دے دوں
میں نہیں کوئی تو ساحل پر اتر جائے گا
ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

❁.....❁.....❁.....❁

احتشام کا سوئم ہو چکا تھا' ہر دل مغموم اور دکھی تھا' ابرام جواب عالیان تھا' اس نے جیکولین کو بھی اطلاع پہنچا دی تھی' جسے سن کر وہ بھی گم صم ہو گئی تھی۔ خاور حیات احساس ندامت سے چور حورین کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
''حورین کک..... کیا تم مجھے معاف کر سکتی ہو پلیز حورین تمہیں اللہ کا واسطہ..... مجھے معاف کر دو میں دوسرا احتشام نہیں بننا چاہتا.....'' بولتے ہوئے وہ بلک بلک کر رونے لگا' جب ہی باسل جونجانے کب کمرے میں آیا تھا خاور حیات کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔
''پلیز ڈیڈ خود کو سنبھالیں۔'' خاور نے بے اختیار مڑ کر دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے باسل کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا جب کہ حورین کی آنکھیں بھی جل تھل ہو گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁.....❁

ماریہ نے فراز کو عالیان (ابرام) کی دل کی حکایت سنا ڈالی تھی تب ہی فراز نے لالہ رخ سے جب اس متعلق پوچھا تو ایک ہی پل میں اس نے لالہ رخ کی آنکھوں میں عالیان کی پرچھائی کو بخوبی دیکھ لیا۔
''یا اللہ لالہ..... یہ کیا احمقانہ پن ہے' تم روک کیوں نہیں لیتیں عالیان کو۔'' وہ سر پکڑ کر بولا تو لالہ رخ کنفیوژ سی ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے کہنے لگی۔
''مگر فراز میں.....''
''افوہ..... اگر مگر کچھ نہیں جاؤ اسے جا کر روک لو بے چارا ٹوٹے دل سے واپس جا رہا ہے۔'' پھر فراز نے اسے اپنے اپارٹمنٹ میں عالیان کے پاس لا چھوڑا' عالیان جو پیکنگ مکمل کر چکا تھا اور کچھ ہی دیر میں ایئر پورٹ کے لیے نکلنے والا تھا اس وقت اسے وہاں دیکھ کر چونکا۔

''وہ.....وہ میں یہ کہنے آئی تھی کہ فراز کہہ رہا تھا کہ آپ جا رہے ہیں۔'' وہ اول فول بولنے لگی' جب ہی عالیان بے حد دلچسپی سے اپنے دونوں بازو سینے پر باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''مم.....میں.....وہ افوہ.....آپ یہیں رک کیوں نہیں جاتے۔'' لالہ رخ اب جھنجلا کر بولی' جب ہی وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کر بولا۔

''دل سے روک رہی ہو؟'' جواباً لالہ رخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا ذرا میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو۔''

''اب آپ پھر اوور ہونے لگے۔'' وہ چڑ کر بولتی جوں ہی مڑی عالیان تیزی سے گھوم کر اس کے سامنے آیا نتیجتاً وہ اس کے سینے سے ٹکرا گئی۔

''آف مجھے فراز کی باتوں میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔'' وہ بے اختیار اپنا سر تھام کر بولی تو عالیان قہقہہ لگا کر ہنس دیا جب کہ لالہ رخ سب کچھ بھول بھال کر اسے دیکھتی رہ گئی جو اس پل ہنستے ہوئے بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ وہ اپنے دونوں کانوں کو پکڑتے ہوئے بولا۔

''اچھا اب میں تنگ نہیں کروں گا' بس ایک بار مجھے پیار سے رک جانے کو کہو۔'' لالہ رخ نے اسے تادیبی نظروں سے دیکھنا چاہا مگر پھر اس کی نگاہوں کی شوخیوں سے گھبرا کر جلدی سے پلکیں جھکا لیں جب کہ عالیان لالہ رخ کے حیا کے رنگوں سے سجے چہرے کو مبہوت سا ہو کر دیکھتا رہ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁.....❁

آج حورین زرتاشہ کی انگلی میں باسل کے نام کی انگوٹھی پہنانے جا رہی تھیں' لالہ رخ تو بے چاری گھن چکر بن گئی تھی دوپہر کو وہ پارس بیگم اور زرتاشہ کے پاس ہوتی اور شام کو وہ یہاں باسل اور حورین کے درمیان پائی جاتی جب کہ ماریہ اور مہرو نے بھی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ماریہ کو بھی اس نے بیٹی کی طرح اپنا لیا تھا' حورین آج اپنی فیملی کو مکمل دیکھ کر بہت آسودہ تھی' رات کی تقریب کی تیاری کرتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے کچھ گنگنا بھی رہی تھیں' جب ہی خاور حیات نے وہاں آ کر اس سے استفسار کیا۔

''کیا سوچ کر مسکرایا جا رہا ہے بیگم صاحبہ؟'' حورین نے مڑ کر خاور کو دیکھا پھر دھیرے سے بولیں۔

''اپنے خوابوں کے بارے میں سوچ رہی تھی خاور ایک ہنستا بستا مکمل گھر میرا خواب تھا' خواب جہاں میری بیٹی کی کھلکھلاہٹیں ہوں بیٹے کی شوخیاں ہوں' آج وہ خواب پورے ہوئے.....میرے خواب زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔'' آخری جملہ جذبات سے بوجھل تھا' جب ہی خاور نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''آمین.....''

''اچھا میڈم.....اب چلیں باہر سب انتظار کر رہے ہیں۔'' تب ہی حورین بے حد مطمئن سی ہو کر خاور کے ہمراہ باہر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

❁

محبت ان کہا قصہ

عائشہ تنویر

اس نے بے تابی سے کتاب کھولی اور پہلے صفحے پر جگمگاتے الفاظ پر نظر ڈالی' ایک بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا نہیں بلکہ پورے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ سرشاری کی کیفیت میں وہ ثوبان احمد کے دستخط پر پیار سے انگلیاں پھیرتی گویا ان کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ اسی بے خودی کے عالم میں اس نے انہیں چوم لیا۔ پھر بے اختیار جھینپ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ ہوتا بھی تو اس کی کتاب دوستی سب پر عیاں تھی۔ یہ اس کے دل کا چور ہی تھا جو اسے شرمندہ کر رہا تھا۔ سیل فون کی بیل بج تھی۔ گھنٹی کی مخصوص آواز سنتے ہی اس نے لپک کر فون اٹھایا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام' پارسل ملا..... کیسے لگے ان کہے قصے؟'' اس کے دھیمے سے کیے گئے سلام کا جواب گرمجوشی سے دیا۔

اس نے ایک نظر کتاب کے سرورق پر ڈالی۔ ثوبان احمد کے افسانوں کا مجموعہ ''ان کہے قصے'' اس کے سامنے تھا۔ یہ دوسرا ایڈیشن تھا' پہلے ایڈیشن کی کامیابی کے بعد جب دوسرے ایڈیشن کا موقع آیا تو صدف نے اسے ہر افسانے کے ساتھ ایک سب ٹائٹل کے اضافے کا مشورہ دیا تھا' یقیناً وہ اسی کی بابت جاننا چاہ رہا تھا لیکن وہ تو اس کے لفظوں میں ہی الجھ کر رہ گئی تھی۔

''محبت ان کہا قصہ ہے۔''

''صدف' کہاں گم ہو؟'' اس کی طویل خاموشی سے اکتا کر ثوبان نے پکارا۔

''جی..... جی بہت اچھے ہیں' میں دیکھ ہی رہی تھی۔'' وہ ایک دم ہوش کی دنیا میں آئی' کیسے بتاتی کہ اس نے اب تک کچھ نہیں دیکھا سوائے اس کے نام کے' وہ آرٹ پیپر پر پرنٹ کی گئی کتاب کتنی ہی خوب صورت کیوں نہ ہوتی لیکن اس کی لکھائی سے زیادہ قیمتی نہ تھی۔

''حد ہے یار' میں تو سمجھا تھا کہ تم سرپرائز دیکھ کر خوشی سے چیخ اٹھو گی لیکن تم نے تو لگتا ہے کہ ڈھنگ سے کتاب دیکھی بھی نہیں۔'' وہ خفگی سے کہنے لگا تو وہ بے ساختہ بولی۔

''کیوں ایسا کیا ہے اس میں؟''

''خود ہی دیکھ لینا۔'' اس نے خفگی سے کال کاٹ دی تو وہ جلدی جلدی صفحے پلٹنے لگی۔ انتساب پر اس کا ہاتھ لمحہ بھر کو رکا۔

''اس دشمن جاں کے نام' جو دوستوں سے عزیز تر ہے۔'' اس نے فہرست دیکھی اور اپنا نام دیکھ کر خوشی سے ساکت رہ گئی۔

ثوبان احمد کی اس کتاب کو ادبی حلقوں میں بہت سراہا گیا۔ اتنے مختصر وقت میں دوسرے ایڈیشن کی اشاعت ہی اس کی کامیابی کی دلیل تھی۔ ایسے میں ثوبان احمد نے اتنے نامی گرامی لوگوں کی آرأ کے ساتھ اس کا کتاب پر مکمل تفصیلی تبصرہ بھی شامل کیا تھا۔ اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ اسے دوست کہتا ہی نہیں مانتا بھی ہے۔

اب وہ اسے کال کر رہی تھی اور یہی ان کی دوستی تھی۔ آمنے سامنے ملنے سے زیادہ تاروں میں دوڑتی' برقی رابطوں سے جڑی۔

صدف علی کے والدین ملک کے نامور ڈاکٹر تھے' صدف کا بچپن سے میڈیکل کی طرف رجحان نہیں تھا' وہ نصابی کتب سے زیادہ غیر نصابی کتب پڑھتی' خود بھی لکھنے کی کوشش کرتی' اس نے سائنس چھوڑ کر ادب کا میدان چنا تو اس کے والدین نے کوئی اعتراض نہ کیا' وہ بس یہ چاہتے تھے کہ وہ زندگی میں کامیابی حاصل کرے۔

ایسے میں ایک دن صدف کی مما ڈاکٹر صائمہ کی ملاقات ثوبان احمد سے ہوئی' وہ شدید فلو کا شکار تھا اور کوئی ایسی دوا چاہتا تھا' جس سے اسے نیند نہ آئے کیونکہ اسے بہت ضروری کام لازمی مکمل کرنا تھا۔ اس کی فرمائش پر ڈاکٹر صائمہ مسکرائیں۔

''کیا کرتے ہیں آپ؟'' نسخہ لکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''لکھتا ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور ان کے دماغ میں کلک ہوا۔ کل کتابوں کی دکان سے صدف بھی تو ثوبان احمد کی کتاب لے رہی تھی۔

''واہ..... اچھی بات ہے' اتنی کم عمری میں اتنی کامیابی۔'' وہ مسکرائیں۔

''آپ نے پڑھا ہے مجھے؟'' ثوبان احمد نے بے ساختہ پوچھا۔

''نہیں' لیکن میری بیٹی آپ کی مداح ہے۔'' انہوں نے نسخہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا' ان کے جواب پر وہ مسکرا دیا۔

''میری آپا بھی آپ کی بہت مداح ہیں' انہوں نے ہی مجھے زبردستی یہاں بھیجا ہے۔'' اپنی بہن کا تعارف کرواتے ہوئے اس نے بتایا' تو انہیں خوش گوار حیرت ہوئی' وہ ان کی پرانی مریضہ کا بھائی تھا۔

پھر آپا کے ذریعے ہی مما نے ثوبان سے صدف کی رہنمائی کرنے کی بات کی تھی' اگر آپا سفارش نہ کرتیں تو شاید ثوبان منع کر دیتا لیکن ایک یہ ہی تو رشتہ تھا اس کی زندگی میں والدین کی وفات کے بعد چچا دولت جائیداد کے لیے بھتیجے' بھتیجی کی محبت بھلا بیٹھے' آپا نے اپنے اور بھائی کے تحفظ کے لیے ان کی بہو بننا منظور کیا لیکن چچا کے بیٹے نے سب کچھ اپنے نام کروا کر دوسری شادی کر لی تھی' ان کے پاس بس والدین کی آخری نشانی وہ بڑا سا گھر تھا' جس کے اخراجات پورے کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ بہرحال مشکل وقت تھا جو گزر رہی گیا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

اب وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر کام کر رہا تھا' ابھرتا ہوا ادیب تھا' ایک نام اور مقام بن گیا تھا اس کا معاشرے میں۔

ابتدا میں کبھی کبھار صدف اپنی تحاریر کی اصلاح لینے آجاتی پھر فون نمبرز' ای میل ایڈریس کا تبادلہ ہوا' آہستہ آہستہ تعلق بڑھتا گیا اور وہ ایک دوسرے سے دل کی بات کرنے لگے۔ ثوبان' صدف کو میری چھوٹی سی دوست کہتا' صدف ثوبان کو سر کہتی تھی' ایک بار ثوبان نے منع کیا۔

''تم مجھے سر مت کہا کرو' تم میری دوست ہو' کوئی عام فین نہیں۔''

''سر نہ کہوں' تو پھر کیا کہوں۔'' صدف متعجب ہوئی اس کے لیے تو وہ استاد ہی تھا۔

''نام لے لو۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''نہیں' میں نام نہیں لے سکتی' بھائی کہہ لوں۔'' صدف نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب اس کے دل میں چور نہ تھا لیکن ثوبان کا چہرہ ایک دم پتھر ہو گیا۔

''نہیں' مجھے نفرت ہے رشتوں سے..... یہی سب سے زیادہ دکھ دیتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں ٹوٹے کانچ سا کرب تھا' پوری زندگی کی کہانی اس جملے میں پوشیدہ تھی' آنکھوں سے جھلکتا دکھ صدف کو بے چین کر گیا تھا۔

وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ ایسا کچھ نہیں' دنیا میں ابھی بھی مخلص رشتے باقی ہیں لیکن اسے تکلیف سے بچانے کو موضوع بدل گئی تھی۔

اب تو صدف بھی اچھا لکھنے لگی تھی' ثوبان جیسی شہرت تو اسے نہیں ملی تھی لیکن لوگ اسے جاننے لگے تھے' ان کا تعلق دن بہ دن مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ زیادہ تر وہ لوگ فون پر ہی رابطہ رکھتے لیکن جب بھی آپا کی ملاقات صدف سے ہوتی' وہ بہت پیار سے ملتیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ ثوبان اب شادی کر لے' انہوں نے صدف کو بھی کئی بار اسے سمجھانے کا کہا۔ صدف جب اس سے بات کرتی' وہ ٹال جاتا۔

''جس دن۔ ''وہ'' مجھے مل گئی' تو کر لوں گا۔''

پھر ایک دن اس نے بتایا۔

''مجھے محبت ہو گئی ہے۔''

''کس سے؟'' اتنا اچانک جملہ صدف کو حیران کر گیا تھا۔

''جو ہمیشہ میرے ساتھ تھی لیکن احساس اب ہوا۔'' اس کا جواب صدف کا دل دھڑکا گیا تھا۔

''آپ نے اسے بتایا؟'' اس نے ڈرتے دل سے پوچھا۔

''ابھی تو خود سے اعتراف کیا ہے' اس سے اظہار کا وقت نہیں آیا ابھی۔'' وہ ہنسا۔

صدف نے اتنے دل سے ہنستے اسے پہلی بار دیکھا تھا' اس کا خوشی سے روشن چہرہ اس کے دل میں اٹھہرا تھا' اس کے لہجے کی سرشاری صدف کے چہرے منعکس ہوئی تھی' وہ اظہار کا انتظار کرنے لگی۔

ثوبان نے کہا تھا۔

''وہ میرا محور ہے' میں اس کے گرد گھومتا ہوں لیکن جانے کیوں محبت ہمیشہ سے میرے لیے ان کہی ہے۔ مجھے لفظوں میں بیان کرنا نہیں آتا۔'' لفظوں سے کھیلنے والے کی یہ بے بسی صدف کو مزہ دے رہی تھی۔

جس کے جملے لوگ اپنی محبت کے اظہار کے لیے استعمال کرتے وہ خود اظہار محبت میں کتنا عاجز تھا۔

❁.....❁.....❁

''جانے کون خوش نصیب ہے وہ؟'' تنہائی میں

وہ اکثر سوچتی، کبھی اسے لگتا کہ جذبوں کی یہ یلغار دوطرفہ ہے، ثوبان اور وہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔ کبھی اسے درمیان میں کسی تیسرے فریق کا گمان ہونے لگتا تھا۔ ثوبان نے وعدہ کیا تھا۔

''ان کہے قصے۔'' کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت پر وہ اپنے دل کی شہزادی کو اپنا حال دل سنا دے گا۔ صدف اسے یاد دلا رہی تھی۔

''ان کہے قصوں کے کہنے کا وقت آ گیا سر۔''

''آج میں کہہ دوں گا سب، رات کو فون کر کے بتاؤں گا تمہیں۔'' ثوبان نے کہا۔

اس سے رات کا انتظار مشکل ہوگیا، لمحہ لمحہ گزرنے میں صدیاں لگ رہی تھی، وقت کاٹنے کو وہ ثوبان کے لیے تحفہ لینے مال آگئی۔ کتنا وقت مال میں گزار کر وہ اس ریسٹورنٹ میں آئی جو ثوبان کا پسندیدہ تھا، وہ اکثر یہاں آتا، وہ آرڈر دے کر بیٹھی ہی تھی۔ جب نظر اٹھی۔ سامنے ثوبان بیٹھا تھا۔

اس کی آنکھوں سے جھلکتی محبت آج سارے قصے بیان کرنے کو بے تاب تھی۔ وہ پیاری سی لڑکی مسکراتے ہوئے اس سے کچھ کہہ رہی تھی اور وہ جی جان سے متوجہ تھا۔ صدف کی محبت کا محل مسمار ہوگیا اور اس کے ملبے تلے محبت کے ان کہے قصے دفن ہوگئے۔ ایسے قصے جواب کسی داستان کا حصہ نہیں بنتے تھے، کبھی بیان نہیں ہونے تھے۔

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی ماہنامہ حجاب کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

8000 روپے

میڈل ایسٹ، ایشیائی، افریقہ، یورپ کے لیے

7000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام، ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاونٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاونٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی......0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

کمرہ نمبر: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔
فون نمبر: 2/35620771-922+

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

زندگی یوں بھی

رشک حبیبہ

نیند سے خواب میں اتر جائے
آدمی خامشی سے مر جائے
اک طرف آگ' اک طرف پانی
آدمی جائے تو کدھر جائے

گہرا اندھیرا دھیرے دھیرے چھٹنے لگا تھا۔ دھندلا منظر واضح ہوتے ہوئے بالکل صاف نظر آنے لگا تھا۔ اس نے وال کلاک پر وقت دیکھا اور کچھ دیر بعد اس کو مس محمود نزدیک آتی نظر آئیں' مایوس و افسردہ وجود افسار محمود کو غم سے دوچار کر گیا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ یہی کرب تو وہ ان کے چہرے پر نہیں دیکھنا چاہتا تھا لیکن سبب وہی بنا تھا۔

''سفی..... کیسی طبیعت ہے اب؟'' وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

بروقت ہاسپٹل پہنچانے کے سبب اس کی جان تو بچ گئی تھی لیکن عجیب سی یاسیت در آئی تھی مزاج میں۔ گزشتہ دو دن سے وہ ہاسپٹل میں موت کا طلب گار تھا' لیکن موت بھی اسے زندگی کی سزا دینے پر مصر تھی۔

❁.....❁.....❁

وہ آفس میں تھا' جب یوسف کا میسج ملا تھا۔ حالات خراب ہوگئے ہیں گھر چلا جا فوراً ممکن ہے کچھ دیر میں صورت حال مزید سنگین ہوجائے۔ کچھ ہی دیر میں مسز محمود کی کال بھی آ گئی تو افسار مجبوراً کام سمیٹتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ کار سڑک پہ لایا تو حالات واقعی کشیدہ معلوم ہورہے تھے۔ سڑک پر جگہ جگہ ٹائرز آتش کیے ہوئے تھے۔ مسلح افراد اور پولیس موبائل کا گشت بھی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ احتیاطاً کار گلی سے نکالنے لگا۔ وہ کوئی لڑکی تھی' براؤن چادر اوڑھے بہت تیز قدم اٹھاتی۔ اس کے پیچھے آوارہ لوفر قسم کے دو تین لڑکے چل رہے تھے جن میں سے ایک موٹر بائیک پر سوار تھا۔ اس وقت کشادہ گلی بالکل سنسان تھی ان سے تھوڑے پیچھے اپنی کار میں بیٹھے افسار محمود کو ونڈ اسکرین سے یہ منظر پوری طرح دکھائی دے رہا تھا۔

''آؤ میری جان..... اکیلی کہاں جارہی ہو' ہم چھوڑ دیتے ہیں۔'' وہ گھٹیا قسم کے لوگ اسے چھیڑ کر ہنس رہے تھے۔

افسار کھول کر رہ گیا۔ ان لوگوں سے الجھنا خطرناک ہوسکتا تھا' وہ ہوش سے کام لیتا ہوا کار سے نکل آیا۔

''میں نے کہا بھی تھا دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ پھر کیوں نکلیں؟'' وہ عین اس لڑکی کے سامنے جا کر یوں بولا جیسے شناسا ہو۔ وہ لڑکی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ افسار نے ایک نگاہ اطراف میں موجود لڑکوں پر ڈالی جن کی نگاہوں سے ناگواری جھلکنے لگی تھی۔ وہ نظر انداز کرتا ہوا لڑکی کی طرف متوجہ ہوا۔

''آؤ میرے ساتھ۔ گھر میں مام ڈیڈ بہت پریشان ہورہے ہیں۔'' وہ نہایت بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھام کر گاڑی تک لے آیا۔ وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ افسار کا ہاتھ بھی نہ جھٹک سکی۔ افسار نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ اب ان لڑکوں کا کیا ردعمل ہے۔ فرنٹ ڈور کھول کر پہلے اس لڑکی کو بٹھایا پھر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ حواس بحال ہوئے تو وہ لڑکی دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ چھپائے سسکنے لگی۔ اس نے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔ محض چند لمحات کے بعد ہی اس لڑکی نے بدک کر سر اٹھایا۔

''کہاں لے کر جارہے ہیں مجھے؟ گاڑی روکیے۔'' وہ خوف زدہ سی چلتی گاڑی سے بھاگتے دوڑتے منظروں کو دیکھتی افسار سے مخاطب ہوئی۔

''گھر چھوڑ دیتا ہوں تمہیں' بتاؤ گھر کہاں ہے تمہارا؟'' افسار نے کار روکی نہیں تھی۔

"مجھے نہیں جانا آپ کی ساتھ کہیں۔ روکیں کار میں خود چلی جاؤں گی۔" لہجے میں خوف ہنوز تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ نظر نہیں آرہا صورت حال کتنی تشویش ناک ہے' گھر کا پتا بتاؤ اپنا میں وہیں چھوڑ آؤں گا۔" افسار کو غصہ آنے لگا۔ اس لڑکی کی بے اعتباری پر۔

"دیکھیے آپ..... پتا نہیں کون ہیں؟ مجھے جانے دیں پلیز....." وہ لڑکی دھواں دھار آنسو بہانے لگی۔ افسار گھبرا گیا۔ گاڑی روکتے ہی بنی۔

"اوکے..... ٹھیک ہے..... دیکھو روک دی کار میں نے۔" افسار اس کی بھیگی متورم سرخ آنکھوں کو دیکھتا بے چارگی سے گویا ہوا۔

"گھر سے کسی کو کال کرکے بلالو۔ یوں اکیلے جانا مناسب نہیں۔" افسار نے اسے مشورہ دیا۔

"مم..... میرا سیل فون گھر پر رہ گیا ہے۔" اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"نمبر بتاؤ....." افسار نے اپنا سیل فون ڈیش بورڈ سے اٹھایا۔ وہ لڑکی چادر کے کونے سے چہرہ خشک کرنے لگی۔

"ہیلو..... میں دل آویز بول رہی ہوں....." وہ لڑکی اب افسار کے فون سے بات کررہی تھی۔ افسار نے ونڈو سے باہر جھانکتے ہوئے اس کا نام زیرلب دہرایا۔

"دل آویز۔" اور مسکرادیا' کتنا خوب صورت اور دلفریب نام ہے بالکل اس کی نیلی آنکھوں کی طرح۔

"تھینک یو۔" اس نے سیل فون واپس کرتے ہوئے افسار سے کہا۔ اب اس کی صورت پہ کسی حد تک اطمینان تھا۔

"مجھے لینے کے لیے کچھ دیر میں گھر سے کوئی آجائے گا۔" وہ ڈور کھول کر کار سے اترنے لگی۔

"بات سنیں دل آویز....." افسار نے اسے پکارا۔ "یہیں انتظار کرلیں۔ میں کچھ دیر رک سکتا ہوں۔" اس کا مطلب کار سے تھا۔

"نہیں شکریہ آپ کو ناحق زحمت ہوگی۔" وہ متذبذب ہوئی۔

"زحمت کی تو کوئی بات نہیں' اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تمہارے کار سے اتر جانے کے بعد میں چلا جاؤں گا تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ جب تک تم گھر چلی نہیں جاتیں میں یہیں ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ براہ راست اس کی حیران نگاہوں میں جھانکتا آخر میں معنی خیزی سے گویا ہوا۔ دل آویز اس کی نگاہوں سے نگاہ چراتی اس کی بات نظرانداز کرکے کار سے اترنے لگی۔ وہ بچی نہیں تھی۔ جو انجانی دستک سے انجان رہتی۔

"میں چلتی ہوں۔" چادر پیشانی پر کھینچتی وہ افسار محمود کی باتیں سرے سے نظرانداز کرگئی تھی۔

"ٹرسٹ می....." (مجھ پر بھروسہ کرو) دل آویز نے سر گھما کر دیکھا' وہ اسٹیئرنگ پر ہتھیلیاں جمائے سیدھا سامنے ونڈ اسکرین سے نظر آتے منظر کو دیکھ رہا تھا۔ دل آویز نے لمحہ بھر سوچا۔

ایک شخص جو مصیبت میں فرشتہ بن کر آئے اس پر اعتبار کرکے اسے اس کی نظر میں سرخرو ہونے دینا چاہیے۔ سو وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ دس منٹ خاموشی بولتی رہی اور دس منٹ بعد خاموشی کا دامن سیل فون کی گھنٹی نے چاک کیا۔

"ہیلو..... جی ماں....." افسار نے کال ریسیو کی۔

"جی..... میں ٹھیک ہوں..... بس آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں..... آپ پریشان نہ ہوں..... آرہا ہوں....." ادھر اس نے فون بند کیا ادھر سامنے ایک کار آکر رکی۔ دل آویز بڑی تیزی سے کار سے نکلی۔ افسار اس کی جلد بازی پر مسکرادیا۔

ایک لڑکا تھا سامنے والی کار سے اترا تھا۔ دل آویز سامنے کھڑی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ اشارہ افسار محمود کی طرف تھا' افسار سیل فون پینٹ کی جیب میں رکھتا کار سے نکل آیا۔ اس لڑکے سے مصافحہ کرنے کے لیے افسار کا بڑھا ہاتھ بڑھا رہ گیا کیونکہ وہ لڑکا افسار کے گلے سے

جالگا۔ حیران پریشان افسار نے اس لڑکے کو غور سے دیکھا۔

"فائق..... کمینے۔" پہچاننے میں لمحہ لگا تھا اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کو بھینچے کھڑے تھے۔ دل آویز خاموش کھڑی دونوں کے جذباتی مظاہرے دیکھ رہی تھی۔

"میں تو اسکول ختم ہونے کے بعد کچھ دنوں کے لیے لاہور گیا تھا۔ واپس آیا تو پتا چلا تو ابرو ڈ چلا گیا پھر تم لوگوں نے رہائش بھی تبدیل کرلی۔ تجھ سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود' پھر میں بھی کام میں مصروف ہوگیا اور اب یہاں اچانک تجھے دیکھ کر کتنی خوشی ہورہی ہے یقین کر سارا بچپن فلیش بیک کی طرح سامنے آ گیا ہو جیسے۔" فائق جذباتی سا ہو کر بول رہا تھا۔ افسار کا چہرہ بھی چمک رہا تھا۔

"ابھی اپنا سیل نمبر دے اور پہلے گھر جا' باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" افسار نے ساتھ کھڑی دل آویز کا خیال کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ ہاں..... آؤ دل آویز میں چلتا ہوں پھر....." فائق پہلے دل آویز اور پھر افسار سے مخاطب ہوا۔ نہایت گرم جوشی سے مصافحہ اور معانقہ کرتے ہوئے فائق نے اس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ لیا۔ افسار تو دل و جان سے تیار تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ دل آویز سے براہ راست مخاطب ہوا۔

"اللہ نگہبان....." وہ ہولے سے زیر لب بولی۔ افسار وہیں کھڑا اس کار کو خود سے دور جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

❁.....❁.....❁

شام کے سائے گہرے ہو کر رات کی چادر میں ستارے ٹانکنے لگے تھے۔ جب وہ فائق کی طرف آیا تھا۔ اندر جاتے ہوئے لان میں چہل قدمی کرتے وجود نے اس کے قدم جکڑ لیے تھے وہ کشاں کشاں اس کے نزدیک چلا آیا۔

"کیسی ہیں آپ؟" پھول کی مخملیں پتی پہ نرم موی انگلیاں مس کرتی دل آویز چونک کر مڑی۔ معمولی سی حیرت اور گھبراہٹ پہ جلد قابو پالیا تھا۔ افسار مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"

"جیسا تمہیں لگ رہا ہوں۔" وہ کچھ نہیں بولی۔ نہ جانے دل آویز افسار سے خائف رہتی تھی یا شاید اس کی بولتی نگاہوں سے' ہمہ وقت راز کھولتی کچھ کہتی' کچھ جتاتی آنکھیں..... وہ محظوظ سا مسکراتا رہا۔

"آئی ایم سوری اگر تمہیں برا لگا....." اس کی سنجیدہ صورت پر افسار محمود کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"بائی داوے' تھینک یو سو مچ' اس دن اگر آپ نہیں آتے تو....." اس نے یک دم یوں سر اٹھایا جیسے ضروری بات یاد آئی ہو۔

"میں کیسے نہیں آتا.....؟" افسار نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی اس کا لہجہ غیر معمولی تھا۔

"میں کیسے نہیں آتا دل' مجھے تو آنا ہی تھا....." جذبات سے بوجھل آواز اس کی حیرانی میں اضافہ کر گئی' کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ سننا بھی ناگزیر تھا لیکن وہ اس کی آنکھوں کے سحر میں مبتلا ہو کر منجمد سی رہ گئی۔

"مجھے ہی تو آنا ہی تھا..... تمہاری زندگی میں....." وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ لمحے خاموشی سے دھڑکنوں کی تال پہ تھرک رہے تھے۔ نگاہیں محو کلام تھیں۔

"چل بھائی میں آ گیا....." فائق کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا' وہ پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

"اوہ..... چل پھر....." وہ بمشکل دل آویز سے توجہ ہٹاتے ہوئے بولا۔

"او کے' دل آویز' مما سے کہہ دیجیے گا کہ میں حسن کی طرف ہوں۔" فائق دل آویز سے مخاطب ہوا۔

"جی بہتر۔" نرم سی آواز افسار نے سماعتوں میں جذب کی۔

اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ فائق کے گھر آ چکا تھا لیکن اس روز کے بعد آج پہلی بار وہ براہ راست اس سے محو کلام رہا تھا گو کہ یہ خوب صورت لمحات بہت مختصر تھے مگر پھر

بھی وہ خوش تھا..... فائق کے ساتھ باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اس نے یوں ہی پلیٹ کر دیکھا..... وہ بہت غور سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے وسعتوں میں کچھ تلاش کر رہی ہو۔

"تمہارے بخت کا ستارہ تو سامنے ہے نادان لڑکی۔" دل ہی دل میں خود سے کہتا وہ ہولے سے مسکرایا۔ گاڑی میں بیٹھتے فائق نے یہ منظر بغور دیکھا۔

"جناب اکیلے اکیلے مسکرا رہے ہیں' طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ چھیڑنے سے بعض نہیں آیا اور افسار دوبارہ الڈ آنے والی بے ساختہ و بھرپور مسکراہٹ روک نہیں سکا۔

"بس یار کچھ دنوں سے نیند نہیں آتی' تارے گنتے گنتے صبح ہو جاتی ہے اور دن کاٹے نہیں کٹتے۔" افسار نے شرارت بھرا جواب دیا۔

"ایسی جان لیوا مسکراہٹ..... معاملہ کچھ زیادہ ہی سنگین معلوم ہوتا ہے۔ اللہ ہی خیر کرے اب تو....." فائق نے اس کی جھینپی مسکراہٹ پر چوٹ کی اور وہ ہنس دیا بے ساختہ۔

❁.....❁.....❁

بلیک جینز پر بلیک ہی بنیان پہنے وہ آنکھیں موندے صوفے سے نیچے کارپٹ پر بیٹھا تھا۔ صوفے پر بیٹھی مسز محمود اس کے سر میں تیل لگا کر اب مساج کرنے میں مصروف تھیں۔

"رات کے کھانے میں چکن شاشلک اور ریمبو رائس بنالیں مما۔" وہ ریموٹ سے ٹی وی آن کرتا بولا۔

"ضرور بنالوں گی اور کچھ؟" مسز محمود نے محبت سے اس کی پیشانی پر بکھرے بال سمیٹے۔

"نہیں بس اتنا ہی کافی ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے؟" داؤد وہیں چلا آیا۔

"کچھ نہیں' میں رات کا مینیو بتا رہا تھا مما کو....."

"ہاں' فرمائشیں کر کے کھانے بنواؤ۔ اتنی توفیق نہیں کہ خود بنا کر مما کو ریسٹ دو۔" داؤد نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ اچک لیا۔

"میں تو سوچ رہا ہوں کیوں نہ مما کے مستقل ریسٹ کا بندوبست کر دیا جائے۔" افسار شرارت سے بولا تو مسز محمود مسکرا دیں۔

"ہاں کیوں نہیں..... سوچتی ہوں داؤد کی دلہن لے ہی آؤں۔" مسز محمود بھی افسار کی ہمنوا ہوئیں۔ داؤد ان کی بات پر لاپروائی سے ہنسا۔ یہ ان دونوں کا دل پسند موضوع تھا جس پر ان تینوں کو ہی لطف آتا تھا۔

"ہائے..... مجھ غریب کے بارے میں تو کوئی سوچتا ہی نہیں ہے۔" افسار نے مصنوعی بے چارگی سے آہ بھری۔ جواباً مسز محمود نے ایک چپت لگائی۔

"تو پھر کیا خیال ہے؟" وہ ہنوز ہنستا ہوا داؤد سے مخاطب ہوا۔

"خیال ویال کچھ نہیں ہے ابھی۔" داؤد نے چینل سرچنگ شروع کر دی۔

"میں اب تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔" مسز محمود ہاتھ دھونے اٹھیں اور داؤد نے ریموٹ افسار کو کھینچ کر مارا جو اس نے کیچ کر لیا۔

"تمہیں مصیبت کیا ہے' بوڑھا ہو جائے گا تو ایسے ہی؟" افسار ٹی وی بند کرتا شرارت سے بولا۔

"او ہیلو..... ابھی تو میں صرف چھبیس سال کا ہوں' مائنڈ اٹ۔" وہ تپ کر بولا۔

"تو کیا چھتیس کا ہو کر شادی کرے گا؟"

"یار سمجھا کرنا وہ بھی تو ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ اس کے ہاؤس جاب کا ایک سال رہتا ہے' سکون سے سے کر لے کمپلیٹ تو کیا برا ہے۔" وہ جھنجلایا۔

"تو شادی کے بعد وہ بے سکون ہو جائیں گی کیا؟ ہمارے گھر میں ہے ہی کون مما' میں اور تو..... اس میں بھی پرابلم ہے یار تو دیکھ لے بھابی صاحبہ تجھے ہم سے الگ نہ کر دیں بعد میں....." افسار سنجیدگی سے بولا لیکن اس کی آنکھوں میں ناچتی شرارت بہت واضح تھی۔

"سفی کمینے....." داؤد نے دانت پیستے ہوئے پاس پڑا کشن رسید کیا' افسار کھلکھلا کر ہنس دیا۔ وہ اچھی طرح جانتا

تھا داؤد اور سفینہ آپس میں کتنے اٹیچ ہیں۔

"بس کرو تم دونوں اب۔" مسز محمود واپس آ گئیں۔

"آئندہ اتوار کو چلنا ہے سفینہ کے گھر اوکے....."

"مما پلیز' بس ایک سال کی تو بات ہے۔" داؤد نے ملتجی لہجے میں کہا۔ وہ سفینہ کے متوقع ردعمل کے پیش نظر آخری کوشش کر رہا تھا۔

"اوہو..... تم فکر مت کرو' سفینہ سمجھدار لڑکی ہے میں اب مزید انتظار نہیں کر سکتی' وہ میری بات سمجھ جائے گی اور پھر یہاں ایسی کون سی حد بندیاں ہوں گی اس پر' جو مرضی آئے کرے۔" مسز محمود داؤد کے شانے تھپتھپا کر کچن کی طرف چلی گئیں۔ داؤد نے فکر مندی سے پلکیں موند کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور افسار گنگناتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اپنا راستہ صاف کرنے کی اس کی کوشش پچاسی فیصد کامیاب رہی تھی۔ داؤد بے شک ایک سال مزید انتظار کر سکتا تھا لیکن افسار محمود کے لیے دل آویز کا انتظار محال تھا۔

"چلو پھر فائنلی داؤد کی نیا تو پار لگی۔" فائق خود پر پرفیوم کی برسات کرتے آئینے میں نظر آتے افسار محمود کو دیکھ کر بولا۔

"ابھی کہاں لگی..... وہ مہینے بعد کی ڈیٹ ہے۔" افسار سیل فون پر میسج چیک کر رہا تھا۔

"دو مہینے..... یوں نکلتے ہیں افسار صاحب۔" فائق نے اس کی جانب گھوم کر چٹکی بجائی۔

"جی جناب' اسی لیے مجھے آپ جیسے گھٹیا انسان کی خدمات درکار ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"ارے بجائے میرا احسان ماننے کے مجھے گھٹیا کہہ رہا ہے۔ توڑ دیا ناں میرا دل۔" فائق مسخرے پن سے کہتا ہوا اس کے پیچھے اپنی کار تک پہنچا۔

"ابھی راستے سے نیا دل خرید کر دوں گا تجھے' بس خوش۔" افسار بھی شریر ہوا۔ بے کار سی گفتگو کو ربر کی طرح کھینچتے ہوئے وہ دونوں ہی کار میں بیٹھ چکے تھے کہ اسی وقت فائق کا سیل گنگنانے لگا۔

"جی مام....." فائق دوسری طرف کی بات سن رہا تھا' افسار اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے اسے دیکھنے لگا۔

"لیکن میں تو افسار کے ساتھ ہوں..... جی اس کے ساتھ کہیں جا رہا ہوں۔"

"اوکے آپ انہیں بھیج دیں۔ پارکنگ میں۔ افسار کی کار میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" وہ سیل فون آف کرتا افسار کی طرف متوجہ ہوا۔

"دل آویز کو کمپیوٹر انسٹیٹیوٹ تک ڈراپ کرنا ہے۔" افسار اثبات میں سر ہلا کر انتظار کرنے لگا۔ مرادیں یوں بھی بر آتی ہیں۔ بڑی مشکل سے وہ اپنے دل سنبھال سکا۔

کاسنی لباس میں ملبوس' کالی چادر گلابی چہرے کے گرد لپیٹے ہوئے وہ پچھلی سیٹ پر آ بیٹھی تھی۔ بیک ویو مرر سے نظر آتی اس کی نیلی آنکھیں باہر بھاگتے دوڑتے منظروں پہ جمی تھیں۔ وہ واضح طور پر گریز برت رہی تھی۔

دل آویز فرقان کے چچا کی بیٹی تھی۔ والدین کی وفات کے بعد فرقان کے والدین نے اسے والدین کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی۔ فرقان بھی اسے بہنوں کی طرح چاہتا تھا اور دل آویز اس زندگی سے بہت مطمئن تھی۔

❁.....❁.....❁

داؤد اور افسار دونوں کمسنی میں باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے تھے۔ مسز صائمہ محمود نے شوہر کی وفات کے بعد دوبارہ گھر بسانے کا ارادہ نہ کیا اور دونوں بیٹوں کی پرورش میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا۔ محمود صاحب ترکے میں اچھی خاصی جائیداد چھوڑ کر گئے تھے جس کی وجہ سے انہیں مالی مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور بچے دیکھتے ہی دیکھتے جوانی کی دہلیز پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

داؤد سمجھ دار ہوا تو افسار کو بڑے بھائی کی محبت کے ساتھ باپ کی پدرانہ شفقت سے بھی نوازنے لگا' دونوں بھائیوں میں محبت اور ذہنی ہم آہنگی کمال کی تھی۔ دونوں بھائی بھی تھے اور دوست بھی' افسار اور داؤد نے اپنی درمیان بڑے چھوٹے کا تکلف نہیں رکھا تھا۔ افسار کی خواہش پر

داؤد نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک بھیج دیا تھا۔ مسز محمود کی تمام امیدیں اور تمنائیں اپنے بچوں سے وابستہ تھیں۔ اس لیے انہوں نے داؤد کی خواہش کے مطابق اسے اپنی نند کی اکلوتی متوقع ڈاکٹر بیٹی سے منسوب کر دیا تھا اور آج کل اسی کو بہو بنانے کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

"سفی یہ دیکھو ذرا....." مسز محمود سرخ شرارہ پھیلائے بیٹھی تھیں اور ابھی ابھی سو کر اٹھے افسار نے جمائی روکتے ہوئے نیند بھری آنکھیں کھولنے کی کوشش کی' داؤد وہیں نیم دراز تھا۔

"اچھا ہے مما....." وہ وہیں کارپٹ پر ڈھیر ہوا۔

"بغیر دیکھے ہی پتا چل گیا تمہیں۔"

"دیکھ لیا ہے بھئی۔" اس نے کشن میز پر رکھا۔

"اب یہ لاپروائی چھوڑ دو سمجھے۔" ان کا اشارہ اس کے حلیے کی طرف تھا۔ میرون ٹراؤزر پہ بنیان پہنے وہ اوندھا لیٹا تھا۔

"گھر میں بھابی آجائے گی کچھ دنوں میں۔" وہ مصروف سے انداز میں شاپرز کے اندر جھانک رہی تھی۔ افسار سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"مما ایک بات تو بتائیں۔" مسز محمود نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ داؤد کی شادی میں میری پریڈیکوں لگ رہی ہے؟" افسار کی بات پر داؤد بے ساختہ مسکرایا۔

"بیٹا جی' اس کی شادی پر آپ کی تنہا پریڈ لگ رہی ہے لیکن آپ کی شادی پر داؤد اور اس کی دلہن دونوں کی پریڈ لگے گی۔" مما کی بات پر افسار منہ بسور کر رہ گیا۔

"پتا نہیں کب وہ دن آئیں گے۔" تصورات کی دنیا میں چھم چھم برستی اس کی نیلی آنکھیں در آئیں۔

"اتنی حسرت تھی تو پہلے آپ ہی کر لیتے شادی۔" داؤد مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں تو کر لیتا لیکن وہ بھی تو مانے۔" بے ساختہ افسار کے منہ سے بات نکل گئی۔ مسز محمود چونکیں اور داؤد معنی خیزی سے کھانسنے لگا۔

"مما..... میرا مطلب ہے کہ....." وہ گڑبڑایا۔ داؤد اور مسز محمود کی آنکھیں افسار پر جمی ہوئی تھیں۔

"اب کچھ بول بھی چکو....." داؤد کوٹو کنا پڑا۔ افسار خجل سا ہو گیا۔

"مما..... وہ اچھی لڑکی ہے۔" بہت گھبراہٹ کے باوجود وہ بولتا ہوا ان کے نزدیک ان کے گھٹنے تھام کر بیٹھ گیا۔

"کون؟" داؤد متجسس ہوا۔

"فائق کی کزن..... دل آویز۔"

"تو.....؟" مسز محمود نے لب کشائی کی۔

افسار نے بہت ڈرتے ہوئے بے چارگی سے چہرہ اٹھا کر مسز محمود کو دیکھا' وہ مسکرا رہی تھیں۔ داؤد بھی شرارتی مسکان چہرے پر سجائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کب چلنا ہے وہاں؟" مسز محمود کی اگلی بات پر افسار کا "ہرے" کا نعرہ بہت بھرپور تھا۔

❁.....❁.....❁

سگریٹ کا دھواں افسار کے لبوں سے آزاد ہو کر فضا میں مرغولے بناتا تحلیل ہو گیا۔ اس نے گلاس ونڈو سے چہرہ ٹکائے رات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ سیاہی بہت گہری تھی۔ اس نے کرب سے پلکیں موند لیں لیکن اگلے ہی پل پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اس دشمن جان کی سرخ ڈوروں میں لپٹی نیلی آنکھیں آج بھی تصور میں روشن' اس کا قرار چھین لیا کرتی تھیں۔

وہ پلٹ کر کمرے میں موجود آرام کرسی پر آ بیٹھا۔ سینے میں جلن بڑھنے لگی تھی۔ اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک اور سگریٹ سلگالی۔

"سفی..... سفی بیٹا....." مسز محمود کمرے میں آئیں۔

"جی۔" ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اس نے خود کو سنبھالا اور حقیقت کی دنیا میں لوٹا آیا۔

"کیا ہوا' طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ اس کی حالتِ زار پر پریشان ہوئیں۔ عجیب لٹا پٹا سا حلیہ تھا۔ سوجے پپوٹے' سوکھے ہونٹ' زرد چہرہ۔

"ہاں' مجھے کیا ہونا ہے؟ بالکل ٹھیک ہوں۔" لہجے میں بشاشت پیدا کرنے کی کوشش بے کار رہی تھی۔

"پھر حالت ایسی کیوں بنائی ہوئی ہے؟" وہ تشویش سے بولیں۔

"کچھ نہیں مام' کل رات دیر تک کام کرتا رہا' آفس میں ایک ضروری میٹنگ تھی دن بھر بھی فرصت نہیں ملی۔ اب سونے لگا تھا' بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے۔" اس نے عذر تراشا۔ پتا نہیں وہ مطمئن ہوئیں یا نہیں۔

"ٹھیک ہے تم سو جاؤ' یوں کرو ایک ٹیبلیٹ لے لو سر درد کی پُرسکون نیند آجائے گی۔ میں بھجواتی ہوں' ٹھیک ہے۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"مما..... آپ کو کوئی کام تھا کیا؟" وہ پیچھے سے پکار بیٹھا۔

"ہاں' دیکھو ذرا تمہاری صورت دیکھ کر بھول ہی گئی۔" وہ پیشانی پر ہاتھ مارتی ہوئی پھر اس کے نزدیک چلی آئیں۔

"کل جیولری لینی ہے۔ سفینہ کو بھی اس کی پسند کی دلوائی تھی تو دل آویز کو بھی اس کی پسند کی دلواؤں گی۔ تم کل آفس سے جلدی آجانا۔" مسز محمود اپنی ہی دھن میں بول رہی تھیں' افسار فرار کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔

"مما' میں نہیں جاسکوں گا۔ پلیز میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ابھی تو کہہ رہے تھے ٹھیک ہے' اب کہہ رہے ہو ٹھیک نہیں ہے۔ طبیعت نہیں ٹھیک تو ڈاکٹر کو دکھاؤ' میڈیسن لو۔" وہ اچھنبے سے بولیں۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے مگر میں بزی ہوں آپ سفینہ بھابی کو لے جائیں۔ وہ دل آویز کی مدد کردیں گی' میں کہیں نہیں جاسکتا پلیز' مجھے فورس مت کریں۔" وہ قطعیت سے کہتا اوندھا ہو کر بیڈ پر دراز ہوا گویا کچھ اور نہیں سننا۔ مسز محمود اس کی بے قراری نوٹ کر کے پریشان سی ہوگئیں۔ جبکہ بیڈ پر ڈھیر ہوئے افسار کے ذہن میں وہ منظر روشن ہوگیا' جب وہ سفینہ بھابی کے ساتھ جیولری شاپ پر گیا تھا اور وہاں وہ..... اس کی آنکھوں کو راحت دینے چلی آئی تھی۔

جیولری شاپ پر افسار بے دلی سے بیٹھا تھا۔ سفینہ اور مسز محمود جیولری پسند کر رہی تھیں۔ داؤد کی آج بہت اہم میٹنگ تھی سو وہ افسار کے سر پر ذمہ داری ڈال کر اسے خوار کرنے کا بندوبست کر گیا تھا۔ شاپنگ سے افسار کو ویسے ہی سخت چڑ تھی پھر وہ تو خواتین کی تھی۔ وہ بے دلی سے ادھر ادھر دیکھ کر وقت گزاری کر رہا تھا جب اس کی نظر دکان میں داخل ہوتی فائق کی امی اور دل آویز پر ٹھہر گئی۔ وہ جوش مسرت سے یک بیک کھڑا ہوا اور اگلے ہی لمحے خجل ہوتا واپس بیٹھ گیا۔ چور نظروں سے ارد گرد دیکھ کر تسلی کی کہ کسی نے اس کی بے اختیاری نوٹ تو نہیں کی۔

"چلو سفی' ادھر کا تو کام ختم ہوگیا۔" مسز محمود ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی تھیں۔ افسار نے شاپنگ بیگز تھام لیے لیکن توجہ ہنوز کہیں اور تھی۔

"ایک منٹ رکیں مما' میں آپ کو اپنے دوست کی مما سے ملواؤں۔" انہیں ساتھ لے کر وہ دل آویز کی طرف چلا آیا۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام! جیتے رہو بیٹا۔" فائق کی امی خوش دلی سے گویا ہوئیں۔

"مما..... یہ فائق کی مما ہیں اور یہ کزن دل آویز۔" افسار نے تعارف کرواتے ہوئے مسز محمود کو بغور دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر دل آویز کو گلے سے لگا کر جواب دیا۔ اس غیر معمولی تپاک نے افسار کو قلبی مسرت سے ہمکنار کیا تھا۔

"یہ میری ہونے والی بہو ہے سفینہ' اس کی شادی کی جیولری کے لیے ہی آج ادھر....." مسز محمود اور فائق کی امی آپس میں محو کلام تھیں۔

"بھابی' یہ دل آویز ہیں۔" افسار نے دل آویز کے نام پر اچھا خاصا زور دیا۔ سفینہ خود کو مسکرانے سے روک نہیں پائی کیونکہ داؤد سے اس بارے میں سن چکی تھی۔

"اور دل آویز..... یہ میری....." وہ اب دل آویز سے

مخاطب ہوا۔

"بھابی ہیں..... سن لیا میں نے....." دل آویز نے اس کی بات اچک کر کسی قدر نخوت سے کہا افسار چپ ہوگیا۔ وہ اب سفینہ سے باتیں کررہی تھی جو اپنی جیولری کی بابت اسے بتارہی تھی۔ دل آویز کے اصرار پر سفینہ جیولری منتخب کرنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔

"یہ بہت خوب صورت ہیں ناں۔" وائٹ گولڈ کی خوب صورت چوڑیاں دل آویز نے اپنی گوری سڈول کلائیوں میں ڈال کر کلائی سفینہ کے آگے لہرائی۔

افسار مبہوت سا سوچ رہا تھا کہ واقعی چوڑیاں پیاری ہیں یا یہ اس کی دمکتی کلائی کا اعجاز ہے کہ چوڑیاں چمک اٹھی ہیں۔ بے خود نظروں کی تپش سے کترا کر دل آویز چوڑیاں اتارنے لگی۔ اس کے چہرے پر ناگواری در آئی تھی۔ افسار نے بمشکل نگاہیں پھیریں۔

"یہ پیک کروادوں؟" سفینہ نے دل آویز کی پسند جان کر پوچھا۔

"نہیں، میں تو ویسے ہی ٹرائی کررہی تھی۔" دل آویز کے فوراً کہنے پر سفینہ نے اسے حیران ہوکر دیکھا کیونکہ جتنے شوق سے اس نے یہ چوڑیاں پہنی تھیں لگتا تھا کہ اسے بھاگئی ہیں۔

"اوکے....." سفینہ رسمی انداز میں مسکرائی۔ دل آویز نے ترچھی نگاہوں سے افسار کو دیکھا جواب سنجیدہ سا باہر کے منظر میں گم ہوگیا تھا۔

اس آدھے گھنٹے کی شناسائی کے بعد سفینہ اور دل آویز اچھی خاصی دوست بن چکی تھیں اور مسز محمود کی طرف سے گرین سگنل پاکر افسار کے قدم ہواؤں پر پڑرہے تھے۔

❁.....❁.....❁

داؤد اور سفینہ کی مشترکہ مایوں کی تقریب تھی۔ ڈارک گرین فراک اور چوڑی دار پاجامے پر بڑا سا ڈوپٹا سنبھالتی نازک اندام دل آویز گویا افسار محمود کے دل پر قدم رکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں جھولتے سلور آویزے چلنے کے سبب اس کے رخساروں سے ٹکرارہے تھے۔

وہ اب مسز محمود سے معانقہ کررہی تھی۔ ہنسنے کے سبب موتیوں جیسے دانت واضح ہورہے تھے چوٹی کے پراندہ میں لگے سلور گھنگروؤں کا رقص افسار کو بے قرار کرگیا۔ اس کے لیے اپنا دل اور اپنا آپ کو سنبھالنا خاصا مشکل لگ رہا تھا۔

"بھابی! آپ سے ایک ضروری کام ہے۔" مایوں کی تمام رسموں کے بعد جب کھانے کا دور شروع ہوا تو افسار داؤد کے برابر میں بیٹھی پیلے سوٹ میں ڈھیر سارے گجرے اور پھولوں سے لدی، مہکتی شرمائی شرمائی سی سفینہ کے نزدیک چلا آیا۔

"اس وقت.....!" سفینہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی۔ داؤد بھی متوجہ ہوا۔

"آپ کا سیل فون کہاں ہے؟" افسار اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"سیل تو مما کے پاس رکھوایا تھا میں نے.....ان کے ہینڈ بیگ میں ہوگا کیوں؟" وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"مجھے دل آویز کا سیل نمبر چاہیے ابھی....." افسار کی بات پر داؤد اور سفینہ کی مسکراہٹ بہت بے ساختہ تھی۔

"اس وقت سیل نمبر لے کر کیا کرے گا تو۔" داؤد نے لب کشائی کی۔

"اس کی تعریفیں کروں گا.....ابھی تیری طرح یہ خوش قسمتی میرے حصے میں نہیں آئی کہ برابر میں بٹھا کر استحقاق سے تعریفیں کروں۔" اس کے ڈھٹائی سے کہنے پر داؤد بہت زور سے ہنسا جبکہ سفینہ جھینپ گئی۔

'تم جو ہنستی ہو تو پھولوں کی ادا لگتی ہو
اور چلتی ہو تو بادِ صبا لگتی ہو
دونوں ہاتھوں میں چھپا لیتی ہو اپنا چہرہ
مشرقی حور سی دلہن کی حیاء لگتی ہو
کچھ نہ کہنا یوں جھکائے ہوئے رکھنا سر کو
کتنی معصوم ہو تصویرِ وفا لگتی ہو
بات کرتی ہو تو ساگر سے کھنک اٹھتے ہیں
لہر کا گیت ہو کوئل کی صدا لگتی ہو

میں نے محسوس کیا تم سے دو باتیں کرکے
تم زمانے میں زمانے سے جدا لگتی ہو۔"

اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑے ریلنگ پر کہنیاں ٹکائے وہ لان میں بیٹھی دل آویز کو نگاہوں میں جکڑے ہوئے تھا اور اس کے سیل پر کال کرکے اپنے احساسات کی ترجمانی اشعار کی صورت کررہا تھا۔ دل آویز کے رخساروں پر پھیلتی سرخی نہ جانے خفت وشرم کے باعث تھی یا غصے کی زیادتی کے سبب..... افسار سمجھ نہیں پایا۔

"کون....." پھاڑ کھانے والا انداز میں وہ بولی۔

افسار اس کی برہمی سے محظوظ ہوا۔ اسی پل غالباً نظروں کی تپش محسوس کرکے دل آویز نے نگاہ اٹھائی۔ ٹیرس پر جھکا افسار کھل کے مسکرادیا۔

"دل یو میری می....." دل آویز کے فون بند کرنے سے قبل وہ معصوم سی شرارت بھری درخواست اس کے گوش گزار کرگیا تھا۔ دل آویز نے بنا کچھ کہے سیل آف کردیا تھا۔ لب یوں بھینچ رکھے تھے گویا علیحدہ ہوئے تو بھونچال آجائے گا۔

افسار پیار بھری نظریں اسی پر ٹکائے کھڑا تھا۔ وہ تپ کے وہاں سے اٹھ گئی لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ ٹیرس پر کھڑا تھا۔ دل آویز اس کی نگاہوں سے دور نہیں جاسکتی تھی۔ تنگ آکر وہ گھر کے اندرونی حصے میں چلی آئی۔ مسز محمود سے سفینہ کے کمرے کی بابت دریافت کرتے وہاں پہنچی تو افسار روم کی سامنے اس کا ہی منتظر کھڑا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ اب یہیں آئے گی۔ دیوار سے ٹیک لگائے سینے پر بازو لپیٹے وہ فرصت سے کھڑا تھا۔ وہ سائیڈ سے نکلنے لگی تھی جب وہ اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہوا۔ اس نے نگاہیں اٹھائیں افسار مسکرادیا۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کے ساتھ؟ میرا راستہ چھوڑیں۔" خائف سی دل آویز کو کہنا پڑا۔

"میں نے کچھ پوچھا تھا تم سے۔" وہ مصر ہوا جواب کے لیے۔

"فضول باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔" تڑخ کر بولتی دل آویز پر افسار کو بے تحاشہ پیار آیا۔

"میرے سچے جذبوں کو آپ فضول سمجھتی ہیں؟" افسار اس کی جانب جھکا۔

"آپ کو شرم نہیں آتی' کسی کو اپنے گھر بلا کر یہ سلوک کرتے ہیں' یہ بات کرنے کا طریقہ کون سا ہے؟" وہ روہانسی ہوکر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے' خطا کی ہے تو سزا بھی بھگتو۔" افسار نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" وہ حیرانی سے دیکھ رہی تھی جو اب نجانے کیا الزام لگانے والا تھا۔

"اپنے ہمدرد چارہ گر کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں جو تم نے کیا؟ میں تمہاری مدد کرنے گیا تھا اور تم....." اس نے پہلی ملاقات کا حوالہ دیا۔

"تم نے مجھ سے قرار چھین لیا' میری نیندیں چرالیں..... اپنا دیوانہ بنادیا..... کسی کے ساتھ ایسا کرتے ہیں....." اس کی آواز' انداز اور جذبات بے اختیاری اور بے خودی کی تصویر تھے۔ دل آویز کی نگاہیں فرش چومنے لگیں۔ وہ سرعت سے پلٹی لیکن کلائی سے افسار کی انگلیاں لپٹ گئیں' اسے ٹھہرنا پڑا۔

"باتیں تو زندگی بھر ہوتی رہیں گی لیکن ایک بات ذہن نشین کرلو دل....." دل آویز کی پلکیں لرزنے لگیں۔

"دل کے دل کی دھڑکن میں ہوں..... فقط میں۔" افسار اس کی کلائی چھوڑ کر باہر نکل گیا اور دل آویز وہیں مجسم کھڑی دل کی دھک دھک پہ افسار محمود کا نام سنتی حیران ہوتی رہی۔

❀.....❀.....❀

شادی کی باقی ماندہ تقریبات میں افسار نے دل آویز کی شرمیلی مسکان سے اس کے دلی جذبات کا اندازہ کرلیا تھا۔ وہ افسار کی پُرشوق نظروں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتی لیکن جہاں کہیں وہ اس کے مقابل ہوتا دل آویز کی پلکیں بوجھل ہوکر لرز اٹھتیں اور افسار اس کے دل کش انداز دلبری سے بے خود ہوا جاتا۔

داؤد کا ولیمہ تھا' داؤد اور سفینہ اسٹیج پر بیٹھے تھے' مسز محمود بھی برابر والی کرسی پر براجمان تصویریں بنوا رہی تھیں۔ معاً انہیں احساس ہوا کہ وہ اپنا ہینڈ بیگ ڈریسنگ روم میں بھول آئی ہیں۔ وہ آس پاس نظر دوڑانے لگیں کہ کسی سے کہہ کر منگوالیں۔ اسی اثناء میں دل آویز نظر آ گئی۔ آواز دے کر اسے قریب بلایا' مدعا بیان کیا اور ڈریسنگ روم کی طرف جاتی دل آویز کو افسار نے دور سے دیکھا اور اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے خود بھی ڈریسنگ روم کی طرف چلا آیا۔ وہ ٹیبل پر رکھا بیگ اٹھا کر مڑی ہی تھی کہ افسار کمرے میں داخل ہوا' دل آویز جھجک سی گئی۔ افسار کی نگاہوں سے کترا کر وہ دروازے کی طرف بڑھی لیکن پھر رکنا پڑا۔ افسار اس کی کلائی تھام چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ احتجاج کرتی' افسار نے وائٹ گولڈ کی وہی نازک اور نفیس سی چوڑیاں اس کی کلائی میں پہنا دیں جو وہ اس دن چھوڑ آئی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ کلائی واپس کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ نازک چوڑیاں بج اٹھیں..... افسار کے لبوں پر دلربا سی مسکان آ ٹھہری۔

"دیکھو یہ چوڑیاں تمہاری کلائی سے لپٹ کر کتنی خوش ہیں۔" وہ مخمور نگاہوں سے اس کی کلائی دیکھ رہا تھا۔

"پلیز....." دبی آواز میں بے بسی کے ساتھ اب کے وہ ملتجی ہوئی۔ افسار نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"یہ میں نہیں لے سکتی۔" اس نے چوڑیاں اتار کر افسار کی طرف بڑھائیں' یہی ردعمل متوقع تھا۔

"کیوں؟" افسار اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا جو نگاہیں نہیں اٹھا رہی تھی۔

"کیوں کیا؟ میں ایسے کیسے۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ایسے نہیں تو پھر کیسے.....؟" افسار نے اسے لب کچلتے دیکھا۔ بے اختیار خواہش جاگی کہ اسے اس ظلم سے روک دے۔

"افسار پلیز....." وہ خفیف سی ہوئی۔

"کیا کہا..... ذرا پھر سے کہنا۔" اس نے گھائل ہونے کے انداز میں سینے پر ہاتھ دھرا۔ دل آویز خائف ہونے کے ساتھ جھینپ بھی گئی۔

"مجھے نہیں چاہیں یہ....." اس نے آگے بڑھ کر چوڑیاں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیں۔

"نہیں چاہیں یا..... ایسے نہیں چاہیں؟" اس نے "ایسے" پر زور دیا۔ ادھ کھلے دروازے سے نکلتی دل آویز نے مڑ کر افسار کو دیکھا' جس کی آنکھوں میں جگنو اتر آئے تھے۔

"ایسے نہیں چاہیں....." شوخی سے کہتی وہ بھی "ایسے" پر زور دے کر باہر نکل گئی اور افسار بالوں میں انگلیاں پھیرتا سرشار ہوا تھا۔ مبہم اقرار اس کے سکون کا باعث بن گیا تھا اسے احساس ہوا کہ اب وہ راہ محبت میں تنہا نہیں ہے ان ہی راستوں پر دل آویز کے قدموں کی چاپ بہت مدھم مدھم سی دوسراہٹ کا احساس دلا رہی تھی۔

❀.....❀.....❀

"سفی..... بات سنو۔" وہ لاؤنج سے نکل رہا تھا جب سفینہ کی پکار پر اس کے نزدیک چلا آیا۔ چہرے پہ چھائی سنجیدگی اور ویرانی شدید تر تھی۔

"توبہ' اتنا خوف ناک منہ کیوں بنا رکھا ہے؟" سفینہ نے اس کی سنجیدہ صورت دیکھ کر چھیڑا۔

"کام بتایئے ذرا جلدی میں ہوں۔" وہ ہنوز سپاٹ تاثرات چہرے پر سجائے کھڑا تھا۔

"کام وام تو نہیں ہے بس یہ دیکھو اور جاؤ' ٹھیک لگ رہا ہے ناں..... ہم نے تو پسند کر لیا میں ڈر ہی رہی تھی کہ پتا نہیں تمہیں پسند آئے گا یا نہیں۔" وہ مزید کہتی ہوئی پلٹ کر شرارے کی تہیں اٹھانے لگی۔

صوفے کے بیک پر پھیلے دوپٹے پر افسار نے ہاتھ پھیرا پھر اگلے ہی پل تیزی سے ہاتھ کھینچ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

"ارے بھئی' بتاتے تو جاؤ....." سفینہ اسے جاتے دیکھ کر چلائی۔

"پتا نہیں کیا ہوگیا ہے اس لڑکے کو کسی چیز میں دلچسپی نہیں لے رہا۔" مسز محمود کچن سے نکل کر وہیں چلی آئیں۔

"جلدی میں تھا شاید..... چلیں کوئی بات نہیں بعد میں دیکھ لے گا۔" سفینہ نے بات سنبھال لی لیکن مسز محمود کو پریشانی لاحق ہو چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

دل آویز کے نرم بستر پر رکھے تکیے کے نیچے موجود موبائل فون وائبریٹ کرنے لگا تو اس نے بے چینی سے کروٹ بدلی' نیند بہت گہری تھی مگر وائبریشن مسلسل ہو رہی تھی۔ اس نے بنا دیکھے سیل آن کر کے کان سے لگایا۔ جانتی تھی وہی ہوگا جس سے ابھی خوابوں میں ملاقات جاری تھی۔

"ہیلو....." نیند بھری آواز افسار کی سماعت سے ٹکرائی۔

"سو رہی تھیں؟" اچھی طرح جاننے کے باوجود بھی یہ سوال کرنا معمول تھا۔

"ہاں....." آنکھیں بند کیے نرمی سے جواب دیا۔ البتہ تمام حسیات جاگ رہی تھیں۔

"میری نیندیں اڑا کر خود نیند میں مست ہو۔ اچھی بات نہیں ہے دل۔"

"افسار' مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔ یہ فضول باتیں بعد میں کر لیجیے گا پلیز۔"

"تم سو جاؤ..... میں ناراض ہو رہا ہوں۔ نیند پوری کر لو تو منا لینا۔" افسار کی خفگی بھری آواز دل آویز کی نیند اُڑانے کے لیے کافی تھی۔

"افسار..... رات کا ایک بج رہا ہے۔" وہ زچ ہوتی اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا۔ اطلاع دینے کا شکریہ۔" اس نے ہنوز اکڑا دیکھائی۔

"صرف ڈیڑھ مہینے بعد ہماری شادی ہے' پھر بھی روز فون پہ بات کرنا ضروری ہے کیا؟" وہ نرم لہجے میں بولی۔

"ضروری تو نہیں ہے' مت کیا کرو کون مجبور کرتا ہے تمہیں؟"

"اچھا..... ابھی ناراض ہونے کی دھمکی کون دے رہا تھا؟"

"تمہیں میری ناراضی کی پروا ہے؟"

"کوئی شک؟"

"فقط خفگی کی پروا کیوں؟ خوشی کا بھی خیال کرو۔"

"آپ کی خوشی آدھی رات کو باتیں کرنے میں ہی کیوں ہے؟"

"دن بھر دُنیا کی غم ستاتے ہیں۔ رات میں بندہ پُرسکون ہو کر سونے کی کوشش کرے تو تمہارا خیال..... تمہارا دلکش خیال سونے نہیں دیتا۔ بتاؤ میں کیا کروں؟" وہ بے چارگی سے بولا۔

"کچھ مت کیا کریں آپ بس یوں ہی مجھے کال کر کے میری نیند بھی غارت کر دیا کریں۔" افسار ہولے سے ہنس دیا۔

"وہ تو میں کرتا ہی ہوں۔ جب تک تم میرے پاس نہیں آ جاتیں نادل' میں تمہارا احساس اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔" گمبھیر لہجہ دل آویز کا دل دھڑکا گیا۔ بوجھل جذبات نے لمحوں کو تابنا کی بخش دی تھی۔

❁.....❁.....❁

نک سک سے تیار افسار سیٹی بجاتا ہوا کھانے کی میز تک آیا جہاں مسز محمود' سفینہ اور داؤد ناشتہ کرتے ہوئے آپس میں محو کلام تھے۔

"صبح بخیر....." با آوازِ بلند کہتے ہوئے وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ مسز محمود نے نظروں ہی نظروں سے اس کی نظر اُتاری۔

"کیسے مزاج ہیں بھائی؟"

"الحمدُ للہ بخیر ہیں۔ تم سناؤ آج بڑے خوش گوار موڈ میں لگ رہے ہو؟" سفینہ نے اس کی کھلی کھلی طبیعت کی طرف اشارہ کیا۔

"میں تو ہمیشہ ہی خوش گوار موڈ میں رہتا ہوں۔ آپ کے مجازی خدا کی طرح سڑیل مزاج نہیں ہوں۔" داؤد

نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے گھورا۔ سفینہ مسکرادی۔

''اچھا بات سنو آج جلدی آجانا سفی۔'' مسز محمود کو یک بہ یک یاد آیا تو بول پڑیں۔

''کیوں؟''

''کیوں کیا؟''

''کتنے دن رہتے ہیں تمہاری شادی میں' داؤد اپنی شادی کی وجہ سے بھی کئی دن سے آفس سے آف کررہا تھا۔ اب تمہاری شادی کے لیے یہ اپنے معمولات مزید ترک نہیں کرسکتا۔''

''دس از ناٹ فیئر مما۔'' وہ احتجاجاً مچلا۔ ''اس کے لیے میں نے اپنی ہڈی پسلی ایک کی تھی۔''

''تجھے کس نے کہا تھا اتنی جلد یہ رولا ڈالنے کو..... فی الحال تو میں کوئی مدد نہیں کرسکتا۔'' داؤد نے ہری جھنڈی دکھائی۔

''بے مروت انسان' بے دید شخص' پورے دو مہینے ہوگئے میری انگیجمنٹ اور تیری شادی کو..... یہ جلدی ہے؟'' افسار مسخرے پن سے صدمانی کیفیت ظاہر کررہا تھا۔

''میں نے تو اس منتھ سے ہی پروپرلی جوائن کیا ہے بھئی۔ ہنی مون کی وجہ سے بھی مہینہ بھر چھٹیاں کی تھیں۔ آئی ایم سوری۔'' داؤد ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہوگیا۔

''دیکھا مما اسے.....'' افسار نے شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھا جو مسکرا رہی تھیں' دونوں بھائیوں کے مزاج اور بے تکلفی سے واقف تھیں۔

''تم فکر کیوں کرتے ہو۔ میں آ گئی ہوں ناں' میں سب کروادوں گی۔'' سفینہ مسکرا کر اس کے شانے تھپکتی داؤد کے پیچھے چلی گئی' جو آفس کے لیے نکل رہا تھا۔

''بھابی زندہ باد.....'' وہ بھی جوس کا آخری گھونٹ بھرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلوں مما اللہ حافظ.....'' مسز محمود سے اجازت لیتا وہ آفس کے لیے نکل گیا۔ کار میں بیٹھ کر اس نے اپنا سیل فون اٹھایا' ڈیکس ٹاپ پہ لگی دل آویز کی تصویر اسے مسکرانے پر مجبور کرگئی۔ بے اختیار اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''خیریت؟'' دل آویز کی سریلی آواز سیل فون کے ایئر پیس سے ابھری' اسٹیئرنگ تھامے افسار کھل کے مسکرادیا۔

''جب سے تم ملی ہو' خیریت کہاں رہی ہے۔'' افسار کا انداز شرارتی ہوا۔

''صبح ہی صبح رومینٹک ہوگئے۔'' اس کی کھنک دار ہنسی افسار کو محظوظ کرگئی۔

''کتنی ظالم ہو تم؟'' مصنوعی بے چارگی اس کے لہجے میں در آئی۔

''کتنے فارغ ہیں آپ؟'' دوبدو جواب آیا۔

''دل.....'' اس نے سرزنش کی' وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

''کیا بات ہے' صبح صبح بڑی خوش لگ رہی ہو؟'' اسے ایک خوش گوار احساس ہوا۔ اس کی دلنشین ہنسی دھڑکنوں کا شور بڑھانے کا سبب بنی تھی۔

''کچھ نہیں' یوں ہی۔'' وہ ٹال گئی' کیسے کہتی کہ کھلے دل اور الفاظ سے کیا جانے والا اظہار واقرار اور اعتراف تو ہر گھڑی سرشار کیے رکھتا ہے۔

''بتاؤ ناں؟'' وہ بضد ہوا۔

''کیا سننا چاہتے ہیں؟'' اس کی آواز میں تبسم کی جھلک در آئی۔

''کیا چھپانا چاہتی ہو؟'' وہ بھی شریر ہوا۔

''میں تو.....''

''دل..... میں تمہیں بعد میں کال کرتا ہوں۔ ایک دوست کی کال آرہی ہے' او کے۔'' افسار نے اسے بات پوری نہیں کرنے دی۔ کال ختم کی اسکرین پہ دوسری کال بلنک کررہی تھی۔

''ہیلو.....'' افسار نے دوسری کال ریسیو کی۔

''ہاں آفس کے راستے میں ہوں' تم سناؤ۔''

''او مائی گاڈ..... کس ہاسپٹل میں؟''

''او کے' میں آتا ہوں۔'' افسار کے دوست یوسف کی

کال تھی۔اس کے بھائی عمر کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔وہ نہایت عجلت میں اسپتال پہنچا۔یہ ایک نجی اسپتال تھا تمام تر سہولیات سے آراستہ۔ وہ استقبالیہ سے عمر کا معلوم کر کے آئی سی یو کی طرف چلا آیا۔ یوسف بھی یہیں مل گیا۔ یوسف اور عمر دونوں بھائی بائیک پر تھے۔عجلت اور توجہ بھٹک جانے کے سبب بڑی گاڑی سے تصادم ہوا تھا۔ یوسف بھی زخمی تھا لیکن عمر کی حالت انتہائی نازک تھی۔ اسے فوری خون کی ضرورت تھی۔افسار کا بلڈ گروپ عمر سے میچ کر رہا تھا سو افسار خون دینے کے لیے بخوشی تیار ہوگیا تھا۔

"یہ جوس پی لو۔" یوسف نے جوس افسار کی طرف بڑھایا' جو کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔خون دینے کے باعث وہ تھوڑی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔یوسف وہیں بیٹھ گیا تھا۔افسار نے اسے دیکھا' اس کی پیشانی اور کہنی پر پٹی بندھی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہوناں؟" افسار نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔اس نے اثبات میں سر ہلایا۔اسی وقت وہاں نرس چلی آئی۔

"مسٹر افسار محمود کون ہیں آپ میں سے؟" وہ ان دونوں کے سامنے آ ٹھہری۔

"جی میں ہوں۔" افسار سیدھا ہو بیٹھا۔

"آپ کو ڈاکٹر صاحب بلا رہے ہیں۔پلیز کم ہیئر۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ یوسف کو تسلی دینے کے انداز میں تھپتھپاتا ہوا نرس کے پیچھے ہولیا۔

"تو آپ ہیں افسار محمود....." ڈاکٹر نے سامنے پڑی فائل کنارے پر کرتے ہوئے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی.....میں ہی ہوں۔" افسار حیران ہوا۔

"بیٹھ جایئے پلیز' آپ نے ابھی پیشنٹ کو بلڈ ڈونیٹ کیا ہے؟" پتا نہیں ڈاکٹر ایسا کیوں کہہ رہا تھا۔افسار اچنبھے میں پڑ گیا۔

"آپ جانتے ہیں آپ ایچ آئی وی پازیٹو ہیں؟"

ڈاکٹر کے اگلے جملے نے اس کے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی' وہ گنگ سا رہ گیا۔اس نے بے حد حیرانی سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ڈاکٹر نے ایک میڈیکل رپورٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"آپ کے تاثرات بتا رہے ہیں کہ آپ اس بارے میں نہیں جانتے۔" ڈاکٹر اپنی کرسی سے اُٹھ کر اس کی نزدیک چلا آیا۔

"دیکھئے افسار صاحب حوصلہ رکھیے۔" ڈاکٹر نے اس کا شانے تھپکتا ہوئے تسلی دی۔

"لیکن.....ڈاکٹر.....مم.....میں نے.....میں نے تو کبھی....." افسار کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہوگئی تھی جیسے۔

"دیکھیے افسار صاحب' ایچ آئی وی پوزیٹو کی وجہ صرف بے احتیاطی ہوتی ہے' چاہے وہ کسی بھی حوالے سے ہو۔ آپ سمجھ رہے ہیں ناں۔" افسار غائب دماغی سے سامنے ٹیبل پر دھری رپورٹ دیکھ رہا تھا' جہاں سرخ رنگ سے لکھا +IIIV بڑا صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ کا بلڈ ٹیسٹ کرتے ہی ہمیں پتا چل گیا تھا۔" افسار نے چونک کر نظریں اُٹھائیں' ڈاکٹر خاموش ہوگیا۔

"ہم نے پیشنٹ کو ہاسپٹل میں موجود لیبارٹری سے بلڈ دے دیا ہے۔" ڈاکٹر کے انکشاف نے اسے ہلنے کے قابل بھی نہیں چھوڑا تھا۔

وہ بے حد پریشانی اور حواس باختگی کے عالم میں اسپتال سے باہر آیا اور اب اپنی کار میں بیٹھا اسٹیئرنگ پر سر رکھے' وہ بے اختیار آنسو بہانے لگا تھا۔کسی سے کچھ کہنا تو درکنار' وہ خود بھی اس برتاؤ کو سوچتے ہوئے لرز رہا تھا' جو ہمارا معاشرہ ایڈز کے مریض کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ہم موت سے اتنا نہیں ڈرتے' جتنا موت کی آہٹ سے ڈرتے ہیں۔موت کی آہٹ پل پل مارتی ہے۔وہ بھی مرنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

افسار محمود نے چوتھی بار دل آویز کی اِن کمنگ کال نظر انداز کی تھی۔رات کے چار بج رہے تھے۔آج پہلی بار دل

آویز خود اسے کال کررہی تھی وگرنہ ہمیشہ وہی پہل کرتا تھا۔ تین' چار دن سے اس نے دل آویز سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ نہ پیغامات بھیجے نہ اس کے پیغام کا جواب دیا تھا۔ پھر معمول کے مطابق رات میں کال کرنا بھی ترک کردیا تھا۔ وہ یقیناً اس کے لیے پریشان ہورہی تھی۔ فون ایک بار پھر اسے پکارنے لگا تھا۔ اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کال ریسیو کی۔

''ہیلو.....'' اس کی آواز نے درد کچھ اور سوا کردیا تھا۔

''ہوں.....'' اس نے لب بھینچ لیے۔

''سو رہے تھے؟''

''ہاں.....'' جھوٹ بولنے میں ہی عافیت تھی۔

''حیرت ہے' تمہیں بنا مجھ سے بات کیے نیند آ گئی؟'' وہ متعجب ہوئی۔

''بندہ بشر ہوں اور بھی کام ہیں مجھے ان فضولیات کے علاوہ۔'' تلخی منہ میں گھلنے لگی۔ وہ ایک لمحہ چپ کرگئی۔

''اچھا..... روز تم میری نیند خراب کرتے ہو' لگتا ہے آج میں تمہاری نیند میں مخل ہوگئی ہوں آئی ایم سوری۔'' وہ خفیف سی ہوئی۔ اس کا نازک سا دل دُکھ گیا تھا۔

''نہیں' اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ طبیعت سیٹ نہیں تھی اس لیے۔ میڈیسن کی وجہ سے نیند آ گئی۔'' اسے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوگیا تھا۔

''خیریت تو ہے' کیا ہوا طبیعت کو؟'' وہ فکرمند ہوئی اور افسار کرب سے پلکیں موند گیا۔ اگلے ہی پل خود کو سنبھال کے بولا۔

''ہاں بس ایسے ہی' میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں' اوکے۔'' اس نے فون بند کیا اور دل آویز حیران رہ گئی۔ افسار ایسے سرد انداز میں کیوں مخاطب تھا؟

❁.....❁.....❁

وہ رائٹنگ ٹیبل پر فائلوں میں گھرا بیٹھا تھا۔ کام میں مصروف ہونے کی کوشش سراسر ناکام ہورہی تھی۔ جھنجھلاتا ہوا وہ فائل پہ پین پٹخ کر سر تھام کر بیٹھ گیا' پھر بے اختیار ہی سامنے رکھے لیپ ٹاپ تصویروں کی فائل کھول کر بیٹھ گیا۔ تصویریں داؤد کی شادی کی' اپنی انگیجمنٹ کی دیکھنے لگا' بس دل آویز کی ہنستی مسکراتی چمکتی تصویروں سے سانس لینے کی تمنا کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

معاً سیل فون گنگنانے لگا۔ افسار نے ٹھہر کر کال ریسیو کرلی۔ جب جدائی نصیب میں ہے تو پھر فرار کیوں۔

''ہیلو.....'' افسار کا لہجہ سرد ہوا۔

''کیسے ہو؟'' وہ بھی سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''ٹھیک ہوں۔ کہو کیسے فون کیا؟''

''کیا مطلب کیسے فون کیا؟ بات کرنی ہے تم سے۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''دل نہیں بھرا تمہارا مجھ سے باتیں کرکر کے ابھی تک۔'' وہ کٹھور پن سے بولا۔

''یہ کس طرح بات کررہے ہو افسار..... اتنے دنوں سے نہ خود کال کررہے ہو' نہ بات ڈھنگ سے کررہے ہو۔ تمہیں پتا ہے تمہارا یہ گریز مجھے کتنا ہرٹ کررہا ہے۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''کیا بچپنا ہے یہ؟'' اشارہ اس کے گلوگیر لہجے کی طرف تھا۔ زمانے بھر کی بے اعتنائی اس کے انداز میں سمٹ آئی تھی۔

''مرد ہوں' ہزار کام ہوتے ہیں' پریشانیاں ہوتی ہیں لیکن تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ بس روز تم سے پیار محبت کی باتیں کروں میٹھے میٹھے بول بولوں..... ورنہ محترمہ ہرٹ ہونے لگیں گی۔'' وہ غضب ناک ہوا۔ اُدھر دل آویز کے نین چھم چھم برسنے لگے۔

''افسار.....'' وہ ضبط کرتی اسے سرزنش کررہی تھی۔

''کیا افسار..... اب رونے بیٹھ جاؤ' شادی ہورہی ہے ناں' اب ان سب حرکتوں کا کیا مطلب ہے؟'' وہ آج اسے خود سے متنفر کرکے ہی فون بند کرنا چاہتا تھا۔

''سچ تو یہ ہے کہ میں تم سے تنگ آچکا ہوں۔ شادی کا ڈھول گلے میں لٹکا لیا ہے سو بجانا مجبوری ہے ورنہ.....''

''ٹوں ٹوں.....'' لائن بے جان ہوچکی تھی۔ افسار تڑپ اُٹھا۔ یقیناً وہ رو رہی ہوگی۔ رُلانے والا بھی تو وہی تھا

لیکن کیا کرتا' اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔

شدید طیش و اضطراب کے عالم میں افسار نے اپنا سیل فون دیوار پہ دے مارا..... فون ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا اور افسار کا ضبط بھی..... اس رات وہ بہت بری طرح رویا تھا۔

❁.....❁.....❁

یک بعد دیگرے بلب روشن ہوئے اور کمرہ روشن کرنوں سے بھر گیا۔ اسی تیزی سے افسار نے تکیہ میں منہ چھپایا۔ سرخ آنکھوں میں چبھن شدید تر تھی۔

''اُف..... پلیز لائٹ آف کر داؤد۔'' بے زاری افسار کے ہر انداز سے عیاں تھی۔

''کیسی طبیعت ہے اب؟'' داؤد اس کی بات نظر انداز کرتا اندر چلا آیا۔

''ٹھیک ہوں میں' مجھے کیا ہوا ہے؟ وہ تو بس تیری تسلی کے لیے میڈیسن لے لی تھیں۔'' بالآخر وہ آنکھیں مسلتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔

''ہاں تجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ درجہ حرارت بتانے والا تھرمامیٹر جھوٹا ہے' تجھے جھوٹ موٹ بخار کا متاثر ظاہر کر رہا ہے۔'' داؤد نے اس کی سرخ آنکھوں کو تشویش سے دیکھا۔

''پلیز یار..... تھک گیا ہوں ایسے ہی کچھ دن ریسٹ کروں گا تو طبیعت فریش ہو جائے گی۔''

''ایسے کون سے پہاڑ توڑے ہیں تُو نے کہ روم روم میں تھکاوٹ اُتر آئی؟''

''پلیز داؤد میری جان چھوڑ دے۔'' وہ زچ ہو کر بیڈ کراؤن سے سر ٹکا گیا۔ داؤد تڑپ کر اس تک آیا۔

''یہ کیا پاگل پن ہے افسار۔''

''مجھے زہر لا دے۔'' وہ پتا نہیں خود ترسی کے کس مقام پر کھڑا' جذباتیت کی کون سے منزل تک آ گیا تھا کہ داؤد کے سامنے اپنا کرب ظاہر کرنے لگا۔

''دماغ صحیح ہے تیرا؟'' داؤد دھم سے اس کی برابر بیٹھا۔

''نہیں۔'' پلکیں موندے وہ نجانے کس جہان میں تھا۔

''افسار..... کیا مسئلہ ہے؟ بتا مجھے۔'' داؤد اس کے شانوں پہ بازو رکھ کر نزدیک ہوا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ یک بہ یک حواسوں میں لوٹا۔

''افسار.....'' داؤد نے پکارا۔ وہ ان سنی کر کے اُٹھنے لگا۔ داؤد نے اسے اُٹھنے نہیں دیا۔

''تجھے پتا ہے ادھر مما تیری وجہ سے کتنی پریشان ہیں۔ اپنا حلیہ دیکھ ذرا' لگ رہا ہے برسوں کا مریض ہے۔ بے زاری ایسی ہے کہ جنگلوں میں نکل جانا چاہ رہا ہو..... مجھے بتا کیا بات ہے؟'' وہ بولتا ہی چلا گیا۔

افسار لب بھینچ کر سنتا رہا۔ دل میں درد کا احساس شدید تر تھا۔ کیسے اپنے پیاروں سے نظریں ملائے گا' جب انہیں حقیقت پتا چلے گی۔

''سفی..... پلیز کچھ تو بتا کیا ٹینشن ہے' کس بات نے اَپ سیٹ کر دیا تجھے.....؟'' افسار نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔

''سفی.....'' داؤد اس کے نزدیک ہوا۔ افسار تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ داؤد نے اس کا گریز واضح طور پر محسوس کیا۔

''کچھ بھی نہیں ہوا' اور نہ میں اَپ سیٹ ہوں۔'' وہ اُٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

''کس سے بھاگ رہا ہے؟'' داؤد بھی اس کے برابر جا کھڑا ہوا۔

''اپنے آپ سے.....'' دل کرلایا۔

''داؤد پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔'' وہ بہت دقتوں سے بولا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے کی خواہش پر جبڑے بھینچ کر ضبط کر گیا۔

''سفی.....!'' داؤد نے کچھ کہنا چاہا' پھر کچھ کہے بنا پلٹ کر باہر نکل گیا۔ احساسِ بے بسی سے افسار نے پلکیں بھینچ لی تھیں۔

❁.....❁.....❁

''مجھے وہ مینٹلی ڈسٹرب لگ رہا ہے داؤد۔'' سفینہ بیڈ پر داؤد کے نزدیک آ بیٹھی' جو خود پریشان تھا۔

"پتا نہیں کیا ماجرا ہے؟ وہ کچھ بتا بھی تو نہیں رہا ناں۔"
"دل آویز سے تو کوئی بات نہیں ہوئی؟" سفینہ کو ایک دم خیال آیا۔
"اس بے چاری سے ایک مہینہ پہلے بات ہوئی ہے اس کی۔ پوچھا تھا میں نے اس سے بھی وہ تو خود پریشان تھی کہ افسار نے ایک دم ہی کال وغیرہ کرنی چھوڑ دی۔ سیل بھی اکثر آف رکھتا ہے۔ مجھے لگتا ہے اس سے بھی کوئی بات تو ضرور ہوئی ہے۔ بہت بجھی بجھی سے تھی وہ کل....." داؤد دل آویز کی بابت بتاتے ہوئے از حد فکر مند تھا۔
"چند دنوں میں شادی ہے اس کی اور آدم بے زار بنا بیٹھا ہے۔ کوئی انٹرسٹ نہیں کسی معاملے میں اس کا جیسے کچھ لینا دینا ہی نہیں اس شادی سے....." داؤد تفکرات میں گھرا ہوا تھا۔
اور وہ اگلا ہی دن تھا جب اتنے دنوں سے افسار محمود کے دل میں پلتا لاوا پھٹ پڑا تھا۔ جینز پر مسلی ہوئی شرٹ پہنے وہ صبح ہی صبح لان کی کرسی پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو' سرخ متورم آنکھیں' سیاہی مائل ہونٹوں پر جمی پپڑیاں سوکھ کر اینٹھ گئی تھیں۔ اُتری زرد صورت..... یہ وہ خوبرو وجیہہ افسار محمود تو نہیں تھا' جس کی آنکھوں میں زندگی چمکتی تھی' جس کی باتوں میں زندگی کھنکتی تھی..... یہ اُجڑی' لٹی پٹی ویران سی صورت تو کسی اور ہی شخص کی تھی۔ مسز محمود اس کی حالت پر کڑھتی تھیں تو ٹھیک ہی تو تھا۔
"صفی....." مسز محمود کی پکار پر اس نے موندی آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ وہ قریب کھڑی نارمل سے انداز میں مسکرا رہی تھیں۔ شاید افسار کی تلخ کیفیت کو زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
"کیا ہوا..... آفس نہیں جانا کیا؟" وہ بھی دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں۔ افسار کے غیر معمولی رویے نے انہیں بھی تشویش میں مبتلا کر دیا تھا لیکن وہ حتی الامکان خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ افسار نے ایش ٹرے میں سگریٹ مسل دی۔
"جاؤں گا ادھر بیٹھنے کا دل چاہا تو چلا آیا۔" انگوٹھوں کی مدد سے دونوں آنکھوں کے پپوٹے دبانے لگا۔
"اچھا..... تم بیٹھو میں کافی بھجواتی ہوں۔" وہ اُٹھ کر جانے لگیں۔
"مما....."
"ہاں بولو۔" وہ پلٹ آئیں۔
"میں دو چار روز کے لیے اسلام آباد جا رہا ہوں۔" اس کا انداز لاتعلق سا تھا۔
"کیوں؟" وہ حیران ہوئیں۔
"کچھ کام ہے وہاں آفس....."
"تمہاری شادی ہے دس دن بعد اور تم یہ بچپنا دکھا رہے ہو۔" وہ اس کی بات کاٹ کر خفگی سے بولیں۔
"مما پلیز..... امپورٹنٹ کام ہے میں جلدی آ جاؤں گا۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی داؤد سے کہا ہے میں نے' آج تم جاؤ اس کے ساتھ باقی ماندہ شاپنگ مکمل کرو۔ شیو بڑھا رکھی ہے' کھانا پینا ترک کر رکھا ہے' میں پوچھتی ہوں افسار یہ سب کیا ہے؟" وہ لب بھینچے سر جھکائے بیٹھا سنتا رہا۔
"اور ہاں..... جیولر کی شاپ سے زیورات بھی لیتے ہوئے آنا۔" وہ جاتے ہوئے پھر پلٹیں اور افسار کی برداشت یہیں جواب دے گئی۔
"نہیں کرنی مجھے کوئی شاپنگ اور نہ کوئی جیولری لینے جاؤں گا میں۔" وہ دھاڑ کر کھڑا ہوا۔ مسز محمود گنگ رہ گئیں۔
"جب دیکھو شادی' شادی' شادی..... کپڑے' جیولری' شاپنگ..... نہیں کرنا مجھے کچھ بھی' نہیں کرنی مجھے کوئی شادی وادی' جان چھوڑ دیں میری۔" وہ تن فن کرتا اندر چلا گیا اور مسز محمود وہیں کھڑی خوف زدہ نظروں سے داؤد کو دیکھنے لگی تھیں جو حیران پریشان ابھی وہاں آ کر کھڑا ہوا تھا اور یقیناً افسار کا کھلا انکار اس نے سن لیا تھا۔
"میں ان کی زندگیوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاؤں گا۔" اس نے کمرے میں پہنچ کر اپنا سامان پیک کرنا

شروع کیا۔ چار کپڑے چھوٹے سے بیگ میں ٹھونس کر چند ضروری چیزیں رکھیں اور واش روم میں بند ہو گیا منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے۔

"میں انہیں خود سے نفرت کرتا نہیں دیکھ سکتا۔ ان لوگوں کو یہ بات کبھی معلوم نہیں ہوگی۔ ورنہ میں ان سے نظریں نہیں ملا سکوں گا..... نہیں کبھی نہیں۔" وہ کپڑے چینج کر کے باہر آیا۔ بیگ اُٹھا کر باہر نکلتے ہوئے وہ ایک دم ٹھٹھک کر رُکا' کچھ یاد آیا تھا۔

بیگ وہیں رکھ کر واپس پلٹا' بیڈ کا فوم اُٹھا کر نیچے سے اپنی میڈیکل رپورٹ نکالی' جیب ٹٹول کر لائٹر نکالا' ابھی لائٹر جلا کر وہ کاغذ کو آگ لگانے والا تھا کہ دروازہ دھکیلتی سفینہ حواس باختہ سی اندر آئی۔

"سفی..... سفی..... جلدی آؤ' مما کی طبیعت بگڑ گئی ہے۔ کم فاسٹ۔" وہ بنا سمجھے کاغذ اور لائٹر وہیں پھینک کر اُڑتا ہوا کمرے سے نکلا۔

سفینہ نے اچنبھے سے کارپٹ پر گری چیزوں کو دیکھا' میڈیکل رپورٹ نے اس کی توجہ کھینچ لی تو اس نے وہ رپورٹ اٹھالیں' کچھ لمحات کے بعد گاڑی چلنے کی آواز آئی' افسار اور داؤد مسز محمود کو اسپتال لے گئے تھے۔ ادھر سفینہ بھی صدمے کے زیر اثر بیٹھی رہ گئی تھی۔ سفینہ کے ہاتھ افسار کے غیر معمولی رویے کی وجہ آ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

"تو یہ وجہ تھی....." وہ داؤد کے سامنے بیٹھا تھا۔

"داؤد میں نہیں جانتا کیسے' لیکن میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ بے ربطگی سے بولا۔ داؤد متاسفانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے کے سوا کچھ نہیں کر پایا۔

"میرا یقین کرے گا ناں داؤد..... تو مجھے جانتا ہے ناں میں..... میں کیا کروں؟ میں....." وہ بے تحاشا رو رہا تھا۔ داؤد نے ایک دم اس کے نزدیک آ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور افسار جو اتنے دنوں سے دل میں درد پال رہا تھا' اب اس کے سینے سے لگا پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ داؤد اسے تسلی دینے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈتا ہی رہ گیا۔

"مجھے بتایا تو ہوتا..... کیسے اکیلے اکیلے گھلتا رہا تو....." داؤد اس کی پشت تھپک رہا تھا۔

"میں تیرا علاج کرواؤں گا۔ تو پریشان مت ہو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مجھے پتا ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔" وہ اس سے الگ ہو کر خود اذیتی سے بولا۔

"اور ایک بات یاد رکھنا داؤد..... یہ بات اگر کسی چوتھے کو پتا چلی تو میں خود اپنی جان لے لوں گا۔" وہ وحشت زدہ ہو رہا تھا۔

"پاگل پن مت دکھا سمجھا' تجھے لگتا ہے میں تجھے اس طرح گھٹ گھٹ کر مرنے کے لیے چھوڑ دوں گا۔" داؤد بھی طیش میں آ گیا۔

"میں کیا کروں داؤد؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اس نے اپنے بال نوچے۔

"جو میں کہہ رہا ہوں۔ میری بات مان کچھ نہیں ہوگا تجھے۔"

"نہیں....." افسار کی آنکھوں میں بے یقینی' خوف تھا' بے انتہا خوف۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تو کل چلے گا میرے ساتھ چیک اَپ کروانے۔ امی کی طبیعت اب بہتر ہے۔ پلیز سفی' انہیں مزید پریشان مت کر کل کی اپائنٹمنٹ لے رہا ہوں میں ڈاکٹر سے' سمجھا مایوس مت ہو۔ اللہ بہت رحم کرنے والا ہے' دعا کر۔" داؤد اسے تسلی دے کر چلا گیا۔

"داؤد..... تو اچھا نہیں کر رہا۔ میرے راز کو سب کے سامنے لا کر تو مجھے کسی کے سامنے سر اُٹھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ یہی لوگ مجھے دھتکار دیں گے۔ مجھ سے گھن کھائیں گے نہیں' کبھی نہیں..... ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" خود ترسی اور خود اذیتی کے عالم میں اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے نیند کی گولیاں نکالیں اور ایک گلاس پانی کے ساتھ مٹھی بھر گولیاں پھانک لیں۔

❁.....❁.....❁

کتنے دن گزر گئے تھے افسار نے اپنے رویے پر شرمندہ ہونا تو درکنار اس کا حال تک پوچھنا گوارہ نہ کیا تھا۔ دل آویز تشویش میں مبتلا تھی۔ پھر اس نے سفینہ بھابی سے سنا کہ سفی کی طبیعت ٹھیک نہیں اسپتال میں داخل تھا۔ دل تڑپ کر رہ گیا کہ کسی طرح حال معلوم ہو جائے لیکن انا نے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ پھر اس نے بھی تو دوبارہ اس سے رابطہ کرنا گوارہ نہ کیا تھا۔ سفینہ بھابی سے پوچھا تو انہوں نے سرسری سا بتایا جیسے بہت معمولی بات ہو کوئی سیریس مسئلہ ہوتا تو وہ خود تذکرہ کر دیتیں۔

وہ خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی تھی کہ ان چاہی ہو کر بھی کسی کی زندگی میں شامل ہونے سے انکار کر دے۔ ادھر بھی کئی لوگ تھے جن کی عزت کا پاس رکھنا اس کی مجبوری تھی۔

❁.....❁.....❁

ابھی کچھ دیر پہلے وہ ڈسچارج ہو کر گھر آیا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹا ہی تھا کہ داؤد تنتناتا ہوا آندھی طوفان کی طرح کمرے میں آیا۔ افسار نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتا۔

''کیا ہے یہ.....؟'' داؤد نے ہاتھ میں پکڑا پیپر افسار محمود کے منہ پر دے مارا۔ افسار بھونچکا رہ گیا۔

''کیا ہے یہ؟'' داؤد بہت غصے میں تھا۔

''مجھے کیا پتا.....؟'' افسار نے حیرت سے کہتے ہوئے پیپر اٹھایا لیکن اگلے ہی پل ٹھٹک کر رہ گیا۔ وہ افسار کی میڈیکل رپورٹس تھیں، جس میں ایچ آئی وی پوزیٹو کا نام و نشان تک نہ تھا۔

''داؤد یہ.....!'' وہ حیرت کی زیادتی سے گنگ رہ گیا۔

''تجھے کہا تھا ناں میں نے کہ چیک اپ کرا لے لیکن تو ساری دُنیا سے چھپ کر کمرے میں بیٹھا تھا اور مزید بے ہودگی دکھاتے ہوئے مرنے چلا تھا ایڈیٹ.....'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خوب مارے افسار کو۔

''مم..... میں نے..... وہ تو ڈاکٹر نے.....'' وہ بے ربط سے الفاظ میں بولا۔

''چپ رہ..... ذلیل آدمی کتنے لوگوں کو کب سے پریشان کر رکھا ہے تو نے۔'' داؤد نے دانت کچکچائے۔

''داؤد.....!'' افسار اس کے سینے سے جا لگا۔ داؤد نے اسے بھینچ لیا۔

''لیکن وہ..... وہ میڈیکل رپورٹ؟'' وہ خوف زدہ سا علیحدہ ہو کر داؤد کو دیکھنے لگا۔

''غلط تھیں..... پیسوں کے پجاری فقط تھوڑے سے پیسوں کے عوض کسی قیمتی جان کی بھی پروا نہیں کرتے۔'' داؤد نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''کیا مطلب.....؟'' افسار نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''وہ ایک نجی اسپتال ہے افسار، جہاں تیری طرح کسی بھی صحت مند جوان خون کی بوتلیں مہنگے داموں فروخت کی جاتی ہیں۔ تو نے بلڈ عمر کو ڈونیٹ کیا تھا لیکن اس نجی اسپتال کے بے رحم ہوس پرست ڈاکٹر کو پیسے بھی تو کمانے تھے۔ اس لیے اس نے عمر کو اپنے پاس سے بلڈ دے دیا اور تو چونکہ ایڈز جیسی مہلک بیماری میں مبتلا تھا سو تیرا خون بقول اس ڈاکٹر کے ضائع کر دیا گیا۔ لیکن درحقیقت اس نے عمر کو اپنے پاس سے بلڈ دے کر اپنا بل چڑھایا اور دوسری طرف تیرا صاف ستھرا صحت مند خون مہنگی قیمت میں دوسرے بلڈ بینک کو فروخت کر دیا۔'' داؤد حقیقت سے پردہ اُٹھا رہا تھا اور افسار ہلکا پھلکا ہوتا جا رہا تھا۔

''دونوں طرف سے اپنا مفاد دیکھتے ہوئے وہ بھول گیا کہ تھوڑے سے پیسوں کے لیے جس شخص کو اس نے مہلک بیماری کا مریض بتایا ہے، کہیں وہ شخص موت کے خوف سے قبل از موت ہی نہ مر جائے۔'' افسار کے اعصاب پر سے کوئی بھاری سل سرک گئی تھی۔ وہ بے اختیار ہی سجدہ شکر بجا لایا۔

''اس ڈاکٹر کو تو میں چھوڑوں گا نہیں، تم دیکھنا سفی ایڈووکیٹ کمال ہمدانی سے بات کر لی ہے میں نے جلد ہی اسے نوٹس مل جائے گا میں اس پر کیس دائر کر رہا ہوں جان بچانے والے ہی جان لینے پر تل جائیں تو پھر چارہ گری

کون کرے گا۔" افسار چارہ گری کے لفظ پر چونکا..... چھم سے تصور میں نیلی سرخ ڈوروں میں لپٹی آنکھیں اتر آئیں۔ سماعت میں کسی کی دردانگیز سسکیاں ابھرنے لگیں۔

"اف....." وہ دونوں ہاتھ سر پہ رکھتا بستر پر ڈھے گیا۔

"کیا ہوا؟" داؤد اس کے یک بہ یک پریشان ہونے پر بول اُٹھا۔

"یار وہ دل آویز..... اسے تو میری....." وہ بولتے ہوئے رکا۔ اپنی بدتمیزی کا پرچار داؤد کے سامنے کرکے اس سے اور ڈانٹ کھانے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ داؤد سوالیہ نگاہیں جمائے کھڑا رہا۔

"وہ ناراض ہے' میں نے کئی دنوں سے بات نہیں کی اس سے۔" اس نے بات بنائی۔

"اچھا ہے..... تیرے جیسے ذلیل آدمی سے ناراض ہی ہونا چاہیے اسے۔" داؤد شرارتاً کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ ادھر افسار اپنی پرانی سم تلاش کرنے لگا۔ پتا نہیں یاسیت کے عالم میں کس کونے میں پھینک دی تھی۔ رائٹنگ ٹیبل کی سب سے آخری دراز اُلٹنے پر ٹوٹے ہوئے موبائل کے ساتھ سم بھی مل گئی اور افسار دوسرے سیٹ میں سم لگانے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

سیل فون کی روشن اسکرین نے اس کے اندر بھی چراغاں کردیا تھا۔ کتنے دنوں بعد اس کے سیل فون میں وہ عزیز نمبر بلنک کررہا تھا۔ پہلی گھنٹی پر وہ حیران ہوئی' دوسری پر دل بلیوں اُچھلنے لگا اور تیسری پر اس کا بے رحم سنگدلانہ رویہ یاد آیا تو اس نے بے دلی سے موبائل پرے کردیا۔ لاکھ اس کی کال کی منتظر سہی مگر تھوڑی بہت ناراضی تو اس کا حق بنتا تھا۔ اتنے دن اذیت کی بھٹی میں جلی تھی' اس کے دکھائے خواب سے آنکھیں لہوروئی تھیں' محبت کے خاردار راستوں پر پیروں کے چھالے پھوڑے تھے اب تھوڑی سزا دینا تو بنتا ہی تھا۔

بار بار کال کرنے پر بھی کوئی جواب نہ ملا تو افسار بے قرار سا ہوکر کچن کی طرف چلا آیا۔ سفینہ ٹرے میں رکھے کپ میں چائے اُنڈیلتے ہوئے اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"افسار چائے پیو گے؟" وہ اندر آیا۔

"نہیں..... وہ....." وہ متذبذب کھڑا تھا۔

"کیا ہوا' کوئی پرابلم ہے؟" سفینہ نے اس کی کیفیت نوٹ کی۔

"وہ بھابی..... دل آویز میرا نمبر دیکھ کر کال ریسیو نہیں کررہی۔ مجھ سے بہت ناراض ہے....." وہ شرمساری سے کہتا' جیسے اپنے جرم کا اقرار کرگیا تھا۔ سفینہ نے چہرے پر اُمڈتی مسکان روکی' وہ خاصا سنجیدہ اور پریشان لگ رہا تھا۔

"کیوں؟" اس نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"بس وہ..... ٹینشن میں اس سے اُلٹا سیدھا بول گیا تھا بعد میں منایا بھی نہیں' اب اتنے دنوں بعد سر سے بوجھ اُترا ہے تو یہ نئی مصیبت سوار ہوگئی۔" وہ جھنجلایا۔

"تو اب.....؟" سفینہ نے گھوم کر چائے کی ٹرے اُٹھائی۔ گویا جانے کا ارادہ ہو۔

"اپنا سیل فون دیں گی پلیز..... وہ ریسیو تو کرے ایٹ لیسٹ۔" اس نے فٹافٹ مدعا بیان کیا۔ لہجے میں بے قراری سی بے قراری تھی۔

"یہ لو....." سفینہ نے کاؤنٹر پر رکھا اپنا سیل فون اس کی طرف سرکایا اور وہاں سے نکل آئی۔ افسار بے تابی سے اس کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"پلیز دل..... میری بات تو سن لو۔" اس کے ہیلو کے جواب میں وہ لجاجت سے بولا۔

"اس دن دل نہیں بھرا....." زہرخند آواز دل آویز کی تھی۔

افسار کے سینے پر ٹھنڈی پھوار پڑی۔ وہ کم از کم بات کرنے پر تو راضی ہوئی۔ بات کرلینے سے بھڑاس نکل جاتی ہے اور بھڑاس ناراضی بھی ختم کردیتی ہے۔

"اب بھی سننے سنانے کو کچھ باقی ہے؟" وہ مزید بولی تو افسار مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ اس کا غصے کے باعث سرخ ہوا چہرہ دیکھنے کی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوئی۔ وہ اپنی اس

معصوم خواہش سے محظوظ ہوا۔

''کتاب دل کا باب ''حیاتِ ہجراں'' پورا کا پورا باقی ہے سنانے کو۔ تم سننے پر آمادہ ہو تو شروع کروں؟'' وہ شوخ ہوا۔

''اسی کتاب میں ''باب فرقت'' رقم کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟'' وہ ہنوز روٹھی ہوئی تھی۔

''اللہ نہ کرے دل کہ ہماری زندگی میں فرقت کا کوئی موڑ آئے۔'' افسار مچل اُٹھا۔

''آمین۔'' دل آویز نے بے ساختہ کہا۔

''کیا کہا؟'' وہ چونکا۔

''آمین کہا ہے میں نے۔'' خفا خفا آواز ایئر پیس سے اُبھری۔

''آئی ایم سوری دل..... وہ میں.....'' وہ معذرت کرنے سے قبل ساری باتیں اس کے گوش گزار کرنے والا تھا۔

''اٹس اوکے..... بھابی نے بتادیا مجھے سب کچھ۔''

دل آویز کے ہلکے پھلکے انداز پر وہ شکر کا کلمہ پڑھنے لگا۔

''تم ناراض تو نہیں ہو۔'' وہ اب بھی الجھن میں تھا۔

''بہت ناراض ہوں۔'' وہ اٹھلائی۔

''کیسے مانو گی؟'' وہ اس کی اندازِ دلبری پر فدا ہوا۔

''ہر بات میں بتاؤں تو تم کیا کرو گے؟''

''محبت.....'' ایک لفظی جواب پر دل آویز جھینپ گئی۔

''محبت کروں گا تم سے ہمیشہ بے انتہا' بے حد و حساب' بے شمار.....'' وہ جذب کے عالم میں بول رہا تھا۔ دل آویز گھبرائی۔

''ہم سفینہ بھابی کے سیل فون سے بات کر رہے ہیں۔ ان کا بیلنس اتنی بے فکری سے یوز مت کرو تم' اوکے اللہ حافظ!'' وہ بھاگنے کے چکر میں تھی۔

''بات سنو دل..... بہت دنوں کی بے قراری ہے۔ کچھ دیر تو اور گفتگو ہو سکتی ہے ناں۔'' وہ جذبات سے بوجھل لہجے میں بولا۔ دل آویز کی شرم انتہا پر پہنچ گئی۔

''شادی ہو رہی ہے ناں ہماری' پھر ان سب حرکتوں کا کیا فائدہ؟'' افسار کے ہی ٹون میں اس کی بات اسی کو لوٹاتی دل آویز کھلکھلا کر ہنس دی' ساتھ افسار بھی خجالت سے ہنسا۔

''ابھی بھی ناراض ہو؟''

''نہیں' پتا ہے افسار' پہلے میں نے بہت سوچا تھا کہ بہت تنگ کروں گی تمہاری بات بالکل نہیں سنوں گی' تم سے بالکل بات نہیں کروں گی۔'' وہ معصومیت سے کہتی ٹھہر گئی۔

''اچھا پھر.....'' افسار نے اشتیاق بھرے انداز میں پوچھا۔

''پھر یہ کہ.....''

''لاکھ ضبطِ خواہش کے
بے شمار دعوے ہوں
اس کو بھول جانے کے
بے پناہ ارادے ہوں''

ادھر افسار اس نظم میں رچی بے بس محبت کی سرشار کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے جھوم اُٹھا۔ دل آویز اس کے جیون میں مست جھونکا بن کر آنے والی تھی' وہ سرشار کیسے نہ ہوتا..... زندگی ویسے بھی تھی..... زندگی یوں بھی تھی.....

قسط نمبر 10

عشق دی بازی

ریحانہ آفتاب

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

چودھری حشمت شاہ زر شمعون اور شنائیہ کی نسبت طے کرنے کے بعد سب سے رضامندی پوچھتے ہیں۔ چودھری بخت خوشی کا اظہار کرتے ہیں چودھری بخت کی نظر میں شنائیہ کو شاہ زر شمعون کی صورت اچھا بر ملا تھا۔ سمہان اس فیصلے پر حیران ہوتا ہے اسے شک گزرتا ہے کہ اس فیصلے کی تبدیلی میں ضرور عیشال کا ہاتھ ہے دوسری طرف عیشال جہانگیر شنائیہ کو تنگ کرتی اس سے بدلہ لیتی ہے۔ ماورایحییٰ منزہ کی رپورٹ لے کر اسپتال جاتی ہے وہ کسی اور ڈاکٹر سے بھی مشورہ کرتے منزہ کی بیماری کا علاج کروانا چاہتی ہے ڈاکٹر جنید اسے رپورٹس ڈاکٹر چودھری بخت کو دکھانے کا مشورہ دیتے ہیں ماورا ریسپشن سے ڈاکٹر چودھری بخت کا معلوم کرتی ہے چودھری بخت ان دنوں چھٹی پر تھے لہذا ماورایحییٰ مایوس ہو جاتی ہے۔ شنائیہ چودھری بخت اور دیا کے سامنے اس رشتے سے انکاری ہو جاتی ہے۔ چودھری بخت پہلے شنائیہ کو نرمی سے سمجھاتے ہیں پھر سختی سے دیا کو اسے سمجھانے کا کہتے کمرے سے نکل جاتے ہیں، دیا بھی اس رشتے پر خوش ہوتی ہیں جب ہی وہ شنائیہ کو اس ماحول میں ایڈجسٹ ہونے کا کہتی ہیں۔ ایشان جاہ یونیورسٹی میں ماورایحییٰ کو اداس و پریشان دیکھتا ہے تو از راہ ہمدردی اس سے اداسی کی وجہ پوچھتا ہے جس پر ماورایحییٰ اسے غصہ سے سناتی ششدر کر جاتی ہے ایشان جاہ ماورایحییٰ سے بدظن ہوتا بدلا لینے کا سوچتا ہے۔ شنائیہ چودھری شاہ زر شمعون سے مدد مانگتی اسے رشتے سے انکار کرنے کا کہتی ہے جس پر شاہ زر شمعون برہم ہوتا ہے اسے خود ہی رشتے سے انکار کرنے کا کہتا ہے۔ منزہ ماورایحییٰ سے رپورٹس لے لیتی ہیں ان کے خیال میں اگر یہ رپورٹس انوشا نے دیکھ لیں تو شادی سے ہی انکار کر دیتی جبکہ وہ اپنی موت کی خبر پا کر ہی اس کی شادی جلدی کرنا چاہ رہی ہوتی ہیں ماورا منزہ سے ڈاکٹر چودھری بخت کا ذکر کرتی ہے جس پر وہ چونکنے کے ساتھ علاج سے انکاری ہو جاتی ہے۔ چودھری حشمت چودھری جہانگیر کو عیشال کے نکاح نہ ہونے کا بتا کر انہیں حویلی آنے کا کہتے ہیں جس پر وہ انکار کر دیتے ہیں چودھری حشمت سختی سے انہیں ہر حال میں شنائیہ اور شاہ زر شمعون کے نکاح میں شامل ہونے کا کہتے ہیں۔ منزہ باہر کام سے جاتی ہے ایسے میں دروازے پر ہونے والی دستک پر ماورا دروازہ کھولتی ہے سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ بھکاری سمجھ کر ٹالنا چاہتی ہے لیکن جب وہ منزہ کا پوچھ کر اپنا نام بتاتا ہے تو ماورا چونک جاتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

❀.....❀.....❀

''تم دروازے پر کھڑی کیا کر رہی ہو؟'' گلی کے نکڑ سے ہی منزہ کی نظریں اپنے گیٹ کی طرف تھیں اور دروازے پر کھڑے اس شخص کو دیکھ کر جہاں ان کا دل ماورا کو گھر میں اکیلا سوچ کے لرزا وہیں انہوں نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔ ان کا خدشہ سامنے کھڑا تھا۔ ماورا دروازے پر کھڑی تھی اور جانے وہ بدبخت کیا کچھ کہہ گیا تھا۔

ماورا جو اجنبی کی باتیں سن رہی تھی آندھی طوفان کی طرح اچانک نازل ہونے والی منزہ کو دیکھ کر اسے کسی قدر تقویت ہوئی' ورنہ سنسان گلی اور اجنبی کی پراسرار آمد نے خوف زدہ کرنے کے ساتھ ساتھ تجسس کے ہاتھوں اسے وہیں جمار ہنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کا اجنبی سے مخاطب ہونا منزہ کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا تب ہی وہ آتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔

''ہزار بار کہا ہے کسی ایرے غیرے بھکاری کے لیے بھی دروازہ نہ کھولنا مگر..... سبزی لے کر جاؤ' میں آتی ہوں۔'' ایک نظر ماورا پر ڈال کر یحییٰ کو سخت نظروں سے گھورتی منزہ کی سانس تیز تیز چلنے لگی تھیں۔ بھاگم بھاگ آنے کی وجہ سے ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے مگر انہوں نے دروازے کا سہارا لے کر خود کو سنبھال رکھا تھا۔

''اماں' یہ.....!'' ماورا نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا' شاید نام کی مماثلت بتانا چاہ رہی تھی' تب ہی منزہ نے سرد نظر ڈالی تو ماورا نظروں کا مفہوم سمجھ کر سبزی کا شاپر تھامے دروازے سے پلٹ گئی۔

''بڑا رعب ہے بیٹیوں پر.....'' وہ ہنسا' ماورا کچن میں جا چکی تھی۔ یہ تسلی کرتے کہ وہ صحن میں کھڑی ہو کر ان کی باتیں نہیں سن رہی' منزہ نے دروازہ بھیڑ دیا۔

''میں نے منع کیا تھا یہاں آنے سے۔'' منزہ دھیمی آواز سے غرائیں۔

''تو نے پیسے نہیں پہنچائے تو مجھے آنا ہی پڑا۔'' معصومیت سے جواب دیا۔

''پیسے پیڑ پر نہیں لگے ہوئے کہ توڑ توڑ کر تمہیں بھرتی رہوں اور میری بیٹیاں محنت کرتی ہیں تب اس گھر کا چولہا جلتا ہے اور اوپر سے تم آ گئے' ہماری زندگی خراب کرنے.....''

''پیسے نہیں دے سکتی تو دونوں بیٹیاں مجھے دے دے وہی کما کر مجھے پال لیں گی۔'' اس درجہ بے غیرتی پر منزہ نے بپھر کر زمین پر پڑا پتھر اٹھا لیا۔

''چلا جا یہاں سے' دفع ہو جا..... ورنہ تیرا سر پھاڑ دوں گی..... خبردار جو اپنی گندی زبان سے پھر میری بیٹیوں کا نام بھی لیا۔'' منزہ کے سر پر خون سوار ہو گیا تھا۔ آواز حتی الامکان دھیمی رکھی تھی تاکہ دیوار کے اس پار نہ جا سکے اور ماورا کچھ سن لے..... دوسری طرف گلی میں کسی کے دیکھ لیے جانے کا خطرہ بھی موجود تھا۔

''اگر ایسی ویسی بات برداشت نہیں تو پہلے دے دیا کر۔'' وہ تول مول کے گر سکھا رہا تھا۔ پتھر نیچے پھینک کر منزہ نے مٹھی میں دبے چھوٹے سے بٹوے کی زپ کھولی اور اس میں سے اکلوتا سو کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''بس یہی ہے میرے پاس لے اور دفع ہو جا تیری کہیں کوئی عزت ہو یا نہ ہو مگر میری اور میری بیٹیوں کی ہے۔'' وہ اسے دھتکارنے لگیں۔

''یہ تو کیا مجھے بھکاریوں کی طرح سو پچاس پکڑا دیتی ہے۔'' نوٹ جھپٹتے ہوئے وہ انہیں گھورنے لگا۔

''ویسے تو نے بیٹیوں کو ان کے باپ یعنی میری تصویر تک نہیں دکھائی.....؟'' باپ کا لفظ سن کر چونکی' ماورا لہجہ بدل کے چڑانے لگا تو منزہ نے ایک نفرت بھری نظر اس پر ڈالی۔

''تو باپ کہلانے کے لائق ہے؟ اگر جو خوف الٰہی نہ ہوتا تو تیرا نام ہی کاٹ دیتی ولدیت کے خانے سے.....'' وہ غضب ناک ہوئیں۔

''اچھا' اچھا..... زیادہ اکڑ مت دکھا..... مزید پیسے کب دے گی یہ بتا؟'' وہ بحث سے بے زار ہوا۔

''چند روز میں کمیٹی مل جائے گی..... پھر میں تجھے موٹی رقم دے دوں گی لیکن اس وعدے کے ساتھ کہ تو آئندہ یہاں آ کر ہماری زندگی میں کوئی تماشا نہیں کرے گا۔'' منزہ کو یہی حل مناسب لگا کہ دس بیس ہزار پکڑا کر اس سے جان چھڑا لیں۔

''چل' جب پیسے دے گی تب بات کرنا..... ابھی شربت دے اندر جا کے' بہت گرمی ہے۔'' وہ آرام سے گویا ہوا۔

''میں تجھ جیسے کو زہر پلانا پسند نہ کروں..... چل جا یہاں سے۔'' اسے دھتکار کر منزہ دروازے کے اندر قدم رکھ رہی تھیں اور اسے خبر تھی کہ وہ زبان کی کٹنی پکی ہے۔

❁.....❁.....❁

''کیا کروں.....؟ کس سے کہوں کہ مجھے اس ہٹلر سے نکاح نہیں کرنا۔'' سوچ سوچ کر اس کا سر پھٹنے لگا تھا۔ چودھری بخت اور دیا تو اس بارے میں کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھے' اس ہٹلر کے منہ پر بھی انکار کر کے دیکھ چکی تھی مگر وہ الٹا ضد میں آ گیا تھا' اس کی باتوں سے وہ اتنی ہراساں ہوئی کہ رات کو جب بھی آنکھ کھلتی نظر بار بار دروازے تک جاتی اور دروازے کو مقفل دیکھ کر ہر بار کسی قدر تسلی ہوتی۔

ماہم کی صبح جلدی ہو گئی تھی' وہ فریش ہو کر کمرے سے باہر چلی گئی تو شنائیہ چودھری نے دوڑ کے دروازہ مقفل کر لیا تھا۔

''اتنے خطرناک انسان سے نکاح کروں.....؟ جس کے ڈر سے سکون کی نیند اڑ گئی۔'' منہ چڑھا کے' کشن گود میں دبوچ کر آنکھیں موند کر سوچنے لگی۔

''کس سے مدد لوں..... کس سے.....؟ دی جان..... نہیں۔'' سوچتے ہوئے وہ کچھ مطمئن ہوئی لیکن اگلے ہی پل اپنے خیال کی خود ہی نفی کی۔

''نہیں..... وہ دا جان کے خلاف کبھی نہیں جائیں گی..... پھر کون..... سمہان.....؟'' اس کا خیال آتے ہی وہ ایک دم پُرجوش ہو گئی۔

''ہاں' اس سے کہتی ہوں۔'' اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ جھٹ سیل فون کی تلاش میں نظر دوڑانے لگی لیکن اسی وقت دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''اکیلا پا کر کہیں گن لے کر تو نہیں آ گیا ہلاکو.....'' اس نے دروازہ تھوڑا سا کھولا۔

''بی بی جی ناشتا لگ گیا ہے' آ جائیں سب انتظار کر رہے ہیں آپ کا۔'' ملازمہ پیغام لیے حاضر ہوئی تھی۔

''تم چلو میں آتی ہوں۔'' ملازمہ سے کہہ کر وہ اندر آ گئی۔

''فون کرنے کے بجائے روبرو بات کر کے زور دوں گی تاکہ سمہان اس جلاد سے میرا پیچھا چھڑا دے۔'' یہ حتمی بات سوچ کر وہ جلدی سے فریش ہونے چلی گئی۔

اس نے ڈائننگ ہال میں قدم رکھا تو فریال اور فائزہ کو ملازموں کو ہدایت دیتے پایا' دونوں سب کی پسند کا ناشتہ ان کے آگے رکھتی ملازماؤں کو ہدایت دے رہی تھیں' نکاح کی تیاری کے سلسلے میں لڑکیوں نے آج کالج سے چھٹی کی تھی۔ مردوں میں اس وقت صرف سمہان آفندی ہی اسے میز پر براجمان نظر آیا تھا۔ موقع پا کے وہ اس کے برابر والی کرسی خالی دیکھ کر فوراً بیٹھ گئی۔

''صبح بخیر۔'' سیب کی قاش کھاتے انگریزی اخبار پر نظریں جمائے وہ اس میں مگن تھا' جب اس نے آہستگی سے وش کیا۔

''صبح بخیر.....'' ایک نظر اس پر ڈال کر' خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتے وہ دوبارہ اخبار کی جانب متوجہ ہوا۔ تو شنائیہ چودھری طائرانہ نگاہ ڈال کر ہال کا جائزہ لینے لگی کہ آیا یہ مقام بات کرنے کے لحاظ سے موزوں ہے بھی یا نہیں کہ سارے مرد تقریباً آگے پیچھے آتے دکھائی دیے۔

سب سے آگے دا جان تھے۔ جو چودھری بخت سے کچھ کہتے ہوئے آ رہے تھے پھر انہوں نے گردن موڑ کر کسی کو اشارہ کیا اور شاہ زر شمعون کو ایک دم آتے دیکھ کر اس نے سراسیمگی سے سر جھکا لیا تھا۔ سب کو آتے دیکھ کر عورتیں بھی محتاط ہو گئی تھیں' سمہان آفندی اخبار پر سے نظریں ہٹا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''سمہان..... ناشتے کے بعد مجھے اکیلے میں تم سے بات کرنی ہے' اٹ از ویری ارجنٹ اینڈ امپورٹنٹ فار می۔'' اس نے

سر جھکائے نقل کرنے والے بچوں کی طرح دھیمی آواز سے سرگوشی کی اپنا نام سن کر سمہان کی نگاہ اس پر گئی لیکن وہ سر جھکائے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ رہی دیکھنے والے کو محسوس ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ ابھی اس نے کوئی سرگوشی کی ہے لیکن سمہان آفندی سن چکا تھا اور اسی لمحے ناشتہ لیے اندر آتی ان کے پیچھے سے گزرتی عیشال جہانگیر نے شنائیہ کا سرگوشی میں کہا جملہ بغور سن لیا تھا۔ ہال میں داخل ہوتے ہی سمہان آفندی کو اس کے برابر بیٹھے دیکھ کر رہی وہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی اور اب شنائیہ کا سرگوشی کرتا لہجہ اس کے اندر برق دوڑا گیا' اس نے رفتار دانستہ دھیمی کر لی تاکہ سمہان آفندی کا جواب بھی سن لے مگر اس کی طرف سے خاموشی رہی تو خالی کرسی پر بیٹھ گئی جوان دونوں سے خاصی دور لیکن نظروں کے سامنے تھی۔ شاہ زر شمعون کی نگاہ شنائیہ پر پڑی جو اپنے مزاج کے برخلاف سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی رات کی فون پر کی گئی بکواس یاد آئی تو لب ایک بار پھر بھنچ گئے۔

''السلام علیکم!'' خواتین نے سر پر دوپٹا درست کرتے ہوئے سب پر مشترکہ سلامتی بھیجی' کسی نے باآواز بلند تو کسی نے سر ہلا کر جواب دیا پھر سب نے اپنی اپنی کرسی سنبھالی' شاہ زر شمعون کو عین اپنے سامنے براجمان ہوتے دیکھ کر شنائیہ چودھری مزید سٹپٹائی۔

لمبی چوڑی میز پر یہاں سے وہاں تک ناشتہ سجا ہوا تھا' پائے' نہاری' مرغ چھولے' روغنی نان' آلو کے پراٹھے' کچوری اور حلوہ بھی موجود تھا تو ساتھ ہی شہری مہمانوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے بریڈ' بٹر' جیم' کارن فلیکس کا ناشتا بھی موجود تھا۔

❁.....❁.....❁

''ہزار بار سمجھایا ہے کہ کسی بھی اجنبی کے لیے دروازہ مت کھولا کرو مگر تمہاری سمجھ میں نہیں آتا اور اس سے باتیں بھی کرنے لگیں۔'' منزہ کے حکم کی تکمیل میں وہ کچن میں آ تو گئی تھی مگر سبزی بناتے ہوئے اس کا سارا دھیان باہر کی طرف تھا کچھ منزہ کی تربیت آڑے آ رہی تھی جو وہ صحن میں کھڑی ہو کر سن گن نہ لے سکی' منزہ کا ردعمل نیا نہیں تھا' نہ ہی ان کی ڈانٹ ڈپٹ نئی تھی' ان کی زندگی کے کچھ اصول تھے جن پر وہ خود بھی سختی سے عمل کرتی اور بیٹیوں کو بھی خاص ہدایت تھی اس لیے ماورا کو ان کے انداز پر حیرانی نہیں ہوئی لیکن حیرانی کا باعث تو وہ شخص تھا اور اس کا نام۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں شلجم کاٹ رہی تھی جب منزہ آ کر برسنے لگیں' ان کے غصے کو دیکھ کر وہ بدحواس ہو گئی۔

''میں نے صائمہ آنٹی کے دھوکے میں گیٹ کھولا تھا اماں اور سامنے یہ شخص آ گئے۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''میں دروازہ بند کرنے لگی تھی لیکن جب وہ آپ کا پوچھ کر اپنا نام بتانے لگے تو میں حیرت میں گھر گئی تھی۔'' ماورا نے سادگی سے کہا اور منزہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ جانے وہ کیا کیا بول گیا تھا..... منزہ سپاٹ نظروں سے اس کے چہرے کو ٹٹول رہی تھیں۔

''یحییٰ سرفراز..... یہ نام تو ہمارے بابا کا ہے ناں؟ پھر یہ آدمی کون تھا' آپ کا کیوں پوچھ رہا تھا؟'' چھری ہاتھ میں لیے سبزی کاٹنا بھول کر وہ الجھن بھرے انداز میں سوال کر رہی تھی' ایک سکون کی لہر منزہ کے اندر تیزی سے پھیل گئی تھی یعنی اس نے زیادہ کچھ نہیں بتایا تھا۔

''یحییٰ سرفراز..... اب ایک اول و آخر تمہارے ابا کا تو نام ہونے سے رہا..... دنیا میں ہزاروں لوگ ایک نام لیے گھوم رہے ہیں..... اب کیا تم ہر اجنبی کے نام پر حیران ہو کر اس کا منہ تکنے لگو گی؟ اور وہ پوچھے گا کیوں نہیں..... اکثر پیسے مانگنے آتا ہے..... دے دیتی ہوں کچھ نہ کچھ..... جس در سے ملنے کی آس ہو' ضرورت مند سارے در چھوڑ کر اسی کے آگے کھڑا صدا لگاتا ہے۔'' اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے منزہ نے سبزی کی ٹوکری اپنے آگے گھسیٹ کر ماورا کے ہاتھ سے چھری لے لی لہجہ نارمل ہی رکھا' حالانکہ دل سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

''میں سبزی بنا رہی ہوں' تم آٹا گوندھ لو انوشا بھی اسکول سے آنے والی ہوگی' آج دیر ہو گئی ہانڈی پکانے میں۔'' منزہ نے

کی طرف متوجہ کر کے اس کا دھیان بھٹکنے کی کوشش کی..... وہ سر ہلا کر آٹے کے کنستر سے آٹا نکال کر چھاننے لگی لیکن چہرے پر سوچ کی لکیریں واضح تھیں۔ منزہ کا دل اندر ہی اندر کانپ رہا تھا۔ وہ دزدیدہ نظروں سے بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''آپ ان کی مدد کرتی ہیں..... لیکن وہ تو کہہ رہے تھے وہ بھکاری نہیں ہیں۔'' آٹے میں نمک ڈالتے ہوئے ماورا جیسے پوری کہانی میں کوئی سرا ڈھونڈ رہی تھی۔

''کچھ بھکاریوں کو اپنی انا بڑی عزیز ہوتی ہے' وہ کب مانتے ہیں کہ بھیک مانگ رہے ہیں' وہ تو اسے ضرورت کا نام ہی دیتے ہیں اور ہم پر بھی فرض ہے کہ ہم ان کی انا کا خیال کرتے رہیں انہیں بھکاری نہ سمجھیں۔'' منزہ یقیناً بہت برا پھنسی تھیں' بمشکل آواز کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پا کر وہ اس کے ذہن میں اٹھنے والے سوالوں کے تسلی بخش جواب دینا چاہ رہی تھیں تاکہ کوئی کمزور پہلو اسے تجسس میں نہ ڈال دے۔

''کہیں بابا کا ہم شکل نظر آتا ہے تو کہیں ہم نام سامنے آجاتے ہیں تو مکمل ہمارے بابا..... افسوس.....!'' ماورا دکھی ہوگئی۔

''قبر سے اٹھالاؤ باپ کی ہڈیوں کو..... ماں کی بات کا تو تمہیں یوں بھی یقین نہیں.....'' منزہ چھری' سبزی کی ٹوکری میں پھینک کر اٹھنے لگیں۔

''اماں..... میں نے ایسا تو نہیں..... بس ہم نام بندے کو دیکھ کر افسوس ہوا کہ کاش ہمارے بابا بھی زندہ ہوتے..... ہمارے ساتھ ہوتے۔'' اس نے جھٹ منزہ کا ہاتھ تھام کر انہیں اٹھنے سے روک کر دلی خواہش بیان کی' اس کے چہرے کی حسرت و محرومی دیکھ کر منزہ کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔

''یہ حسرت بھری روئی اور آرزوؤں بھری سبزی سے کسی کا پیٹ نہیں بھرے گا' بہتر ہے ہاتھ ذرا تیز چلاؤ۔'' سرزنش کرتے ہوئے منزہ نے آٹے کی طرف دھیان دلایا جس میں وہ پانی کچھ زیادہ ڈال گئی تھی اور احساس ہوتے ہی افسوس سے ہونٹوں کو دانتوں تلے کچلا' اس شخص کی دوبارہ آمد یقیناً ان کے لیے خطرے کی گھنٹی بن سکتی تھی' وہ جلد سے جلد اس خبیث انسان سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

چودھری جہانگیر ناشتے میں مصروف تھے۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا مگر رات اہم آپریشن کے باعث ان کی واپسی صبح ہی ہوئی تھی' یوں تو ان کے پیشے میں کوئی وقت مقرر نہیں تھا سو ان کے سونے' جاگنے' کھانے' پینے کے الگ ہی معمولات تھے۔ اس وقت طرح دار سی صہبا اسٹائلش کپڑوں میں مناسب میک اپ کیے' شوہر کے روبرو بیٹھی انہیں کمپنی دے رہی تھیں۔

''ارے..... ایشان آج جلدی آگئے یونی سے؟''

ماورا سے ہوئی جھڑپ کے باعث موڈ اتنا خراب تھا کہ وہ دوستوں کو بناء بتائے ہی لوٹ آیا تھا..... راستے میں دوستوں کی کال آئی تو اس نے غیر تسلی بخش جواب دے کر فون بند کر دیا تھا۔ اسے دیکھ کر صہبا نے حیرانی کا اظہار کیا تو وہ ان دونوں کے پاس آ کر رک گیا۔

''ہائے ڈیڈ.....''

''بیٹھو..... کچھ منگواؤں تمہارے لیے.....؟'' کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صہبا نے پاس بیٹھنے کو کہا۔

''ابھی موڈ نہیں..... آرام کروں گا..... آئی ایم سو ٹائرڈ۔'' ایشان جاہ نے بے زاری سے کہا تو ناشتے کرتے چودھری جہانگیر نے عزیز از جان بیٹے کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا چیمپ؟ بڑے بورنگ لگ رہے ہو' بیٹھ جاؤ تھوڑی دیر باپ کے پاس۔'' چودھری جہانگیر نے بھی کہا تو وہ منہ

بسورتا ہوا بیٹھ گیا۔

"بس کچھ دل نہیں چاہ رہا ڈیڈ....."

"کیوں نہیں چاہ رہا؟" چودھری جہانگیر نے نوالہ بنا کر ایشان جاہ کے منہ کی طرف بڑھایا تو باپ کی محبت میں اس نے بے ساختہ منہ کھولا..... چودھری جہانگیر نے نوالہ منہ میں ڈالا ساتھ ہی ایشان جاہ نے ہاتھ اٹھا کر بس کا اشارہ کرتے ہوئے دوسرے نوالے سے منع کیا۔

"جب سے کلاس اسٹارٹ ہوئی ہے کم و بیش روز ہی اس کا موڈ خراب رہتا ہے اور یقیناً یہ سب اسی لڑکی کی وجہ سے ہو رہا ہوگا۔" صہبا نے اندازہ لگاتے ہوئے سوال کیا تو ایک بار پھر ماورا کا انداز یاد کرتے ہوئے ایشان جاہ کا جہاں حلق کڑوا ہوا وہیں چودھری جہانگیر چونکے۔

"کون لڑکی..... کیا معاملہ ہے؟" چودھری جہانگیر نے استفسار کیا۔

"جانے کون لڑکی ہے جس نے انٹری ٹیسٹ میں ٹاپ کر کے ہمارے بیٹے کو نیچا دکھایا اور مسلسل ٹینشن کا باعث بنی ہوئی ہے۔" صہبا نے اجنبی لڑکی کے متعلق ناگواری سے بتایا تو چودھری جہانگیر کی نظریں ایشان جاہ کی طرف اٹھ گئیں۔

"اگر زیادہ اری ٹیٹ کر رہی ہے تو نام اور حلیہ بتاؤ مجھے..... پھر کراچی تو کیا پورے پاکستان میں کسی یونیورسٹی میں داخلہ نہیں ملے گا اسے۔" چودھری جہانگیر کے اثر و رسوخ سے وہ اچھی طرح واقف تھا' اسے بس بتانے کی دیر تھی مگر آج والے واقعے کے بعد سے اسے مزید چڑ ہو گئی تھی۔ اس ماورا سے جسے جانے کس بات کا گھمنڈ تھا۔ وہ چودھری جہانگیر کی مدد سے نہیں بلکہ خود اس کا غرور توڑنا چاہ رہا تھا جس کا اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں کرنا ڈیڈ..... ورنہ میں پہلے ہی آپ سے کہہ دیتا..... مجھے اسے صحت مندانہ مقابلے میں مات دینی ہے..... جو جیت کی بساط وہ بچھائے بیٹھی ہے میں اسے اس کی ہار کی بازی بنا دوں گا۔" اس کے چہرے سے عزم جھلک رہا تھا۔

"گڈ..... یہ تو شیروں والی بات کی ہے تم نے۔" ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے' ناشتا ختم کرنے کا سگنل دیتے ہوئے چودھری جہانگیر اسے سراہا۔

"آج اتفاق سے آپ دونوں ایک ساتھ ہیں تو چلیں میں بھی لگے ہاتھوں بات ہی کر لوں۔" انہیں اکٹھا دیکھ کر صہبا کو اپنی بات یاد آ گئی۔

"ایسی کیا بات ہے' جس کے لیے ہم دونوں کا ساتھ ہونا ضروری تھا؟" کرسی تھوڑا پیچھے کیے وہ آرام دہ حالت میں بیٹھ گئے۔

"ضیاء کا اصرار ہے کہ ہم ایشان اور انشراح کی منگنی جلد کر دیں' میں سوچ رہی ہوں' ہم نکاح میں گاؤں تو جا ہی رہے ہیں..... وہیں سب کو ایشان اور انشراح کی منگنی کے لیے مدعو کر لیں گے اور وہاں سے واپسی پر منگنی....."

"ایک منٹ مما..... یہ آپ سے کس نے کہا کہ میں انشراح سے شادی کروں گا؟" صہبا کی پٹر پٹر چلتی زبان پر چودھری جہانگیر کے ماتھے پر لکیریں پڑنے لگیں تو ایشان جاہ بھی بری طرح چونکا تھا۔

"لو کہنا کس نے ہے..... میں نے عرصہ سے ضیاء سے خواہش ظاہر کر رکھی تھی' انشراح کے لیے..... صبح سے رات تک تم لوگ ساتھ ہوتے ہو' غضب کی انڈر اسٹینڈنگ ہے دونوں میں..... کیا ہمیں نظر نہیں آتا؟" صہبا کو ایشان جاہ کا ردعمل عجیب لگا' ان کا تو خیال تھا ایشان جاہ ہاں ہی کرے گا مگر خلاف توقع اس کا چونکنا ان کی سمجھ سے بالاتر تھا' چودھری جہانگیر کہنا تو بہت کچھ چاہتے تھے مگر ان سے پہلے ایشان جاہ بول پڑا تھا۔

"سارے دن ساتھ رہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس سے شادی کر لوں..... وہ میرے لیے جسٹ ایک فرینڈ اور کزن

ہے اور اس سے زیادہ میں اسے اور کوئی مقام نہیں دے سکتا۔ دیٹس اٹ..... آپ پہلی فرصت میں ضیاء انکل کے ذہن میں یہ بات ڈال دیں تاکہ وہ کسی آس میں نہ رہیں۔" بنا لگی لپٹی رکھے اس نے صفاچٹ انکار ان کے منہ پر دے مارا تو صہبا کا منہ کھلا رہ گیا..... چودھری جہانگیر دونوں ماں بیٹے کی باتیں سنتے ہوئے چائے کی چسکی لے رہے تھے۔

"اور انشراح..... اس کا کیا ہوگا؟ وہ تو تمہیں ہی اپنا لائف پارٹنر سمجھے بیٹھی ہے۔" صہبا کو اس کا انکار انتہائی ناگوار گزرا تھا۔

"شی از اے اسمارٹ گرل..... وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہے اگر اس نے ایسی کوئی خوش فہمی پال رکھی ہے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں ہمارے درمیان آج تک اس حوالے سے کوئی بات نہیں ہوئی..... انشراح خود اس بات کی گواہ ہے۔" وہ چڑا۔

کچھ دیر پہلے ایک لڑکی کے ذکر پر اس کے چہرے کا رنگ کچھ اور تھا..... تیور کچھ اور تھے وہ جو بظاہر اس کی حریف تھی اجنبی تھی لیکن اب ذکر کزن کا تھا..... دوست کا تھا مگر انداز لب و لہجے میں بلا کی اجنبیت تھی۔

"آپ بھی کچھ کہیں.....؟" ایشان جاہ کی طرف سے ناکام ہونے پر صہبا نے پریشانی سے چودھری جہانگیر کو دیکھا۔

"ویل..... میں کیا کہوں..... ایشان جاہ کی طرح تم نے مجھے بھی سرپرائز کر دیا ہے۔" چودھری جہانگیر کا گمبھیر لہجہ بھی ایشان جاہ کے بگڑے موڈ کو ٹھیک نہ کر سکا۔

"سرپرائز کی کیا بات ہے جہانگیر..... انشراح میری بھانجی ہے بچپن سے آنا جانا ہے..... وہ اپنے گھر میں کم اور یہاں زیادہ پائی جاتی ہے آپ انجان تو ہیں نہیں جو آپ سرپرائز ڈ ہوگئے اور آپ کا بیٹا منہ پر انکار کر رہا ہے۔" صہبا برامان گئیں۔

"تم نے کسی کو پسند کر رکھا ہے..... کوئی آئیڈیل وغیرہ کا چکر.....؟" صہبا کے گلے کو نظر انداز کرتے چودھری جہانگیر نے ایشان جاہ کی طرف دیکھا تو وہ ایک ثانیے کو چپ سارہ گیا اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت در آئی۔ جسے وہ کوئی نام نہیں دے سکا۔

"نو....." جواب قطعیت سے دینا چاہا مگر جانے اندر سے زوردار قہقہے کی آواز کیوں آئی تھی۔

"صہبا بیگم..... آپ یہاں بڑے آرام سے اپنے بیٹے کا رشتہ جوڑے بیٹھی ہیں اور بیٹے نے انکار کر دیا..... جانے ایشان کی پسند کا معیار کیا ہے لیکن میں یہاں آپ دونوں کو یاد دلا دوں کہ بچوں کی شادی کا فیصلہ بابا جان ہی کرتے ہیں اس بارے میں نہیں سوچا آپ دونوں نے.....؟" چودھری جہانگیر کے سوال پر ایک لمحے کو دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کم آن ڈیڈ..... میری پسند کا کھلونا یورپ سے لا کر دینے والے ڈیڈ کے منہ سے یہ انیس سو اسی کے ڈائیلاگ کم از کم میں نہیں سن سکتا..... شادی میں اپنی مرضی سے کروں گا..... دا جان کو ہینڈل کرنا آپ کا کام ہے..... ایکسکیوز می۔" اپنی بات واضح انداز میں جتا کے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ چودھری جہانگیر کا دیا ہوا مان ہی تھا جو غرور بن کر ایشان جاہ کے لہجے سے جھلکنے لگا تھا۔

"آپ نے بھی تو کبھی اپنے والد کی مانی نہیں..... اب میرے بچوں کو مت پھنسائیں..... گاؤں کے دقیانوسی ماحول کے گھٹے ہوئے فیصلوں میں اگر بابا جان گاؤں کی کسی جاہل گنوار مٹیارن یا حویلی کی کسی لڑکی کا رشتہ میرے چاند سے بیٹے سے جوڑیں گے تو کیا وہ آپ کے اور میرے لیے قابل قبول ہوگا؟ جب آپ حویلی میں وہاں کی ان پڑھ عورتوں میں نہ رہ سکے تو میرا ایشان کیسے رہے گا؟" نفرت و نخوت کے اظہار میں سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتے ہوئے ڈگری یافتہ دیورانیوں جٹھانیوں کو بھی جاہلوں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔

"کہہ تو ٹھیک رہی ہو....." انہوں نے مطمئن انداز میں کرسی پر بازو پھیلائے۔

"لیکن اس خوش فہمی میں تم بھی نہ رہو کہ انشراح کے لیے وہ مان جائے گا..... اپنے بیٹے کے لیے میں زبردستی کا رشتہ کبھی پسند نہیں کروں گا..... اس کے باپ نے بھگت لیا زبردستی کا رشتہ یہی بہت ہے۔" یکایک ان کا لہجہ بدلا صہبا کو بھی کوئی آس

نہیں تھی' تب ہی دکھی ہوگئیں۔

''جانے کیسی پسند ہوگی اس کی؟'' انہیں تشویش نے آلیا۔

''وہ لڑکی کون ہے' جس کی وجہ سے ایشان ڈسٹرب ہے..... کوئی نام پتا؟'' چودھری جہانگیر جیسا زیرک انسان شاید سوچ پڑھنے میں بھی کمال رکھتا تھا' جس کیفیت کو ایشان جاہ کوئی نام نہیں دے پارہا تھا' چودھری جہانگیر اس کی تھاہ کو چھو آئے تھے۔

''اب اس لڑکی کا کہاں سے ذکر آ گیا..... یقیناً بیٹے کا خلجان دور کریں گے' لڑکی کو سبق سکھا کر۔'' صہبا کو ان سے یہی امید تھی' تب ہی حیرانی کا اظہار کر کے ذہن پر زور دینے لگیں' چودھری جہانگیر نے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔

''انشراح نے نام تو بتایا تھا شاید..... ہاں ماورا.....'' وہ اپنی یادداشت سے نام نکال لینے پر خوش ہوئیں۔

''ماورا.....'' چودھری جہانگیر دھوئیں کے مرغولے میں نام دہرانے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

سب اِدھر اُدھر ہوئے تو شنائیہ چودھری سب سے نظر بچا کر حویلی کے پچھلے حصے کی طرف آ گئی۔ گھنے پیڑ کے نیچے نسب بنچ پر بیٹھتے شنائیہ چودھری کو یہ مقام خاصا معقول لگا جہاں وہ آرام سے بات کر سکتی تھی۔

''سمہان' میں حویلی کے پیچھے باغ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' جلدی آؤ مجھے ضروری بات کرنی ہے۔'' سمہان آفندی کا نمبر ملا کے اس نے ایک ہی سانس میں کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ سمہان آفندی ایک لمحے کو سوچتا رہا کہ آیا اسے جانا چاہیے یا نہیں۔

لیکن اگلے ہی لمحے اپنی فطرت سے مجبور' شنائیہ چودھری کی پریشانی کا احساس کرتے ہوئے اس کے قدم باغ کی طرف اٹھے' جانے ایسی کیا بات تھی جو ضروری تھی' ناشتے کی میز پر بھی وہ ذکر کر چکی تھی اور اب وہاں منتظر تھی۔

''تھینکس ٹو اللہ تم حویلی میں تھے..... خدشہ تھا کسی نہ کسی کام سے حویلی سے باہر نہ نکل گئے ہو۔'' بلو جینز پر ڈھیلی ڈھالی وہائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس' شنائیہ چودھری اسے دیکھتے ہی شکر ادا کرنے لگی۔

''خیر ہے' شنائیہ جی..... اتنی چلچلاتی دھوپ میں آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ بات تو اندر بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے۔'' اسے بہت عجیب لگ رہا تھا اس بلاوے پر یہاں آتے ہوئے ساتھ ہی گرم تھپیڑوں نے گرمی کا شدت سے احساس دلایا' لیکن گھنے پیڑوں کی چھاؤں اس وقت کسی نعمت سے کم محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

''اندر سب جو موجود ہیں' مجھے تم سے اکیلے میں بات کرنا تھی..... میرا خیال ہے' یہ مناسب جگہ ہے بات کرنے کے لیے۔'' لہجے میں اطمینان تھا' اس جگہ کا انتخاب کرنے پر اس نے جیسے خود کو شاباشی دی۔

''ایسی کیا بات ہے' جو سب کے سامنے نہیں ہو سکتی؟'' وہ آزاد ماحول میں پلی بڑھی تھی اسے شاید ان نزاکتوں کا اتنا احساس نہیں تھا' جتنا اس گھڑی وہ کر رہا تھا کوئی بھی انہیں اس طرح دیکھ کر کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔ بنچ پر شنائیہ چودھری سے فاصلہ رکھ کر بیٹھنے کے بجائے وہ مضبوط پیڑ سے ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔

''ہے ناں.....'' شنائیہ چودھری نے منہ بنایا۔

''فرمایئے آپ کے کیا کام آ سکتا ہوں؟'' اسے خبر تھی اس وقت یہاں کسی کا بھی آنا تقریباً ناممکن تھا لیکن وہ بھی پھر بھی اس کی پریشانی سن کر جلد سے جلد جانے کے موڈ میں تھا یوں تنہائی میں باتیں کرنا اسے کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ عزت تو وہ پہلے بھی شنائیہ چودھری کی بہت کرتا تھا اور اب شاہ زر شمعون کی نسبت سے اس کا مقام مزید بلند ہو گیا تھا۔

''پلیز کسی طرح یہ نکاح رکوا دو.....'' وہ بے دھڑک کہہ گئی تو وہ چونکا۔

''لیکن کیوں.....؟'' انداز میں حیرت تھی۔

"مجھے شاہ زر شمعون بالکل پسند نہیں..... اتنا مغرور' گھمنڈی انسان..... میرا لائف پارٹنر..... میں کبھی تصور میں بھی نہیں سوچ سکتی۔"

"آپ نے یہ بات کسی سے کی..... میرا مطلب ہے' کسی کے سامنے انکار کیا؟" وہ کوئی بھی جواب دینے سے پہلے مکمل معلومات لینے کے حق میں تھا۔ شنائیہ چودھری منہ بسور کر رہ گئی۔

"مما' پپا سے کہہ کر دیکھ لیا' انہوں نے انکار کو موت سے تشبیہ دی' شاہ زر شمعون سے بھی کہا..... مجھے لگا تھا کہ وہ میری ناپسندیدگی جان کر خود انکار کر دے گا مگر وہ الٹا اڑ گیا کہنے لگا کہ خود ہی انکار کرو....." سمہان آفندی کے چہرے پر تردد چھایا' گویا وہ ہر حربہ آزما لینے کے بعد اس سے مدد کی خواہاں تھی۔

"ہٹلر نے عیشال کے لیے منہ پھاڑ کے انکار کر دیا تھا..... ریزن دیا' بہن ہے..... میں اسے اپنے چاچا کی بیٹی لگتی ہوں ناں.....!" وہ یوں چڑ کے بولی کہ ضبط کے باوجود بھی سمہان آفندی کے لبوں پر تبسم پھیل گیا جسے اس نے جلدی سے چھپا لیا۔

"معاف کیجیے گا تھوڑا پرسنل سوال کر رہا ہوں..... آپ کے انکار کے پیچھے کیا وجہ ہے' آئے مین' آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں..... کوئی کمٹ منٹ وغیرہ.....؟" اس نے جھجک کے سوال کیا۔ شنائیہ چودھری کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سرخی جھلکی پھر وہ نارمل ہو گئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" سمہان آفندی نے سوال تو کر لیا تھا مگر اس کے جواب آنے تک ایک عجیب سی سوچ نے اسے گھیر لیا تھا' اگر جو وہ ہاں کہتی تو اسے شاہ زر شمعون کے لیے بے حد دکھ ہوتا لیکن اس کا انکار سن کر کسی قدر خوشی ملی۔

"جب ایسی کوئی بات ہی نہیں تو بلاوجہ اس رشتے سے انکار..... شاہ بہت اچھا ہے شنائیہ جی..... بھائی کے متعلق کوئی مجھے حلف اٹھا کر بھی اسے برا کہے تو میں اس کا یقین نہیں کروں گا' پھر آپ اتنے اچھے انسان کو اپنانے سے کیوں منع کر رہی ہیں..... آپ نے بھائی کا سخت روپ دیکھا ہے بس..... وہ اندر سے بہت نرم ہے' اپنوں سے بے حد محبت کرتا ہے..... یہ آپ سب کی فکر ہی تھی جو اتنی دور سے بیٹھ کر اس نے آپ سب کی رکھوالی کے انتظامات کیے۔"

"تم چاہے جتنی تعریف کرو لیکن مجھے شاہ کا حاکمانہ انداز پسند نہیں..... میں ساری زندگی اس کے ماتحت نہیں گزار سکتی' مجھے شاہ کا مان سخت ناپسند ہے اگر تم جیسے مزاج کا ہوتا سوفٹ لائیٹ..... تو بے دھڑک ہاں کر دیتی....." شنائیہ چودھری شاید روانی میں ایسا کہہ گئی تھی مگر سمہان آفندی یک دم چونکا اور جب بولا تو لہجہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

"جہاں محبت ہوتی ہے' وہاں کوئی حاکم اور محکوم نہیں ہوتا' شنائیہ جی..... بالفرض ایسا ہوتا بھی ہے تو دونوں فریقین ہمیشہ ایک منصب پر براجمان نہیں رہتے' مرد حاکم ہوتا ہے تو کبھی محکوم بننا بھی گوارا کر لیتا ہے کیونکہ نکاح جیسے رشتے کی خوب صورتی ہی یہی ہے..... رہی میرے مزاج کی بات تو میرا اصل مزاج تو صرف اس بندی پر کھلے گا جو میری زندگی میں آئے گی..... اسی طرح شاہ کے سخت روپ کے پیچھے جو حساس دل ہے اس کی خبر بھی صرف ہماری بھابی یعنی آپ کو ہو گی..... ایک بات واضح کر دوں..... مرد جیسا نظر آتا ہے ویسا ہوتا نہیں..... اس کا اصل روپ وہی عورت جان سکتی ہے جو اس کے اندر اتر چکی ہو....." اس نے بڑے سبھاؤ سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں مدد کے لیے بلایا ہے اور الٹا تم مجھے قائل کرنے کے لیے دلیلیں دے رہے ہو....." وہ چڑ سی گئی۔ بھابی سن کے تو منہ ہی بن گیا..... حوالہ جو شاہ زر شمعون کا تھا۔

"آپ کے انکار کی کوئی معقول وجہ ہوتی تو میں یقیناً کوشش کرتا لیکن اس بچکانہ سوچ پر کیا کہوں سوائے اس کے کہ آپ کی سوچ غلط ہے..... آپ حویلی میں نہیں رہتیں لیکن حویلی کے اصولوں سے واقف تو ہیں کہ داجان کے فیصلے پتھر کی لکیر ہوا کرتے ہیں اور ہمیں انحراف کی اجازت نہیں۔"

''کل کو دا جان تمہاری شادی ایسی ویسی لڑکی سے کردیں گے تو کیا تم اپنی باری میں بھی چپ رہو گے.....؟'' شنائیہ چودھری کو یہی لگا کہ وہ اس کی مدد کرنا نہیں چاہتا تب ہی باتیں گھڑ رہا ہے اور اسی لیے اس نے تنک کے گیند اس کی طرف اچھال دی۔

شنائیہ چودھری کے سوال پر ایک لمحہ کو دل رکا..... اس کی تو نہیں لیکن عیشال کی شادی کا سن کر اس پر جس طرح افسردگی سی چھا گئی تھی..... جانے اپنی باری میں کیا ہوتا؟

''اور میرا جواب ہے' شاید ہاں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو شنائیہ اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

حقیقت جان کر ایسی حماقت کون کرتا ہے؟
بھلا بے فیض لوگوں سے محبت کون کرتا ہے؟
بتاؤ جس تجارت میں خسارہ ہی خسارہ ہو
بنا سوچے خسارے کی تجارت کون کرتا ہے؟
ہمیں ہی غلط فہمی تھی کسی کے واسطے ورنہ
زمانے' کے رواجوں سے بغاوت کون کرتا ہے؟
خدا نے صبر کرنے کی مجھے توفیق بخشی ہے
ارے! جی بھر کے تڑپاؤ' شکایت کون کرتا ہے؟
زمانے کی نگاہوں سے ہیں دلوں کے بھید پوشیدہ
خلوص دل سے رب جانے' محبت کون کرتا ہے؟
کسی کے دل کے زخموں پر مرہم رکھنا ضروری ہے
مگر اس دور میں محسن یہ زحمت کون کرتا ہے؟

کمرے میں آ کر وہ جل بھن رہی تھی سارے منظر نے موڈ غارت کر دیا تھا۔

شنائیہ چودھری کا سمہان آفندی سے حد سے زیادہ فری ہونا اسے سخت ناگوار گزرتا تھا یوں تو حویلی میں ساری لڑکیاں ہی اس سے فری تھیں۔ وہ اچھا بھائی اور اچھا کزن تھا سب کے کام آتا تھا پر شنائیہ سے اسے ہمیشہ سے ایک چڑ سی محسوس ہوتی تھی' شاید اس لیے کہ وہ شہری ماحول کی پروردہ تھی' چودھری جہانگیر کے شہر سے تھی' جس طرح چودھری جہانگیر کو اس کی گنوار ماں سے نفرت تھی اسی طرح اسے شہری لوگوں سے..... شنائیہ چودھری سے چڑنے کی دوسری وجہ سمہان آفندی بھی تھا۔ اس کی خوش خلقی کے تو سارے پنڈ میں چرچے تھے مگر جب وہ ہنس ہنس کر صنف مخالف سے بھی خوش اخلاقی جھاڑنے لگتا تو اسے سخت زہر لگتا تھا۔

''وہ شخص اس قابل ہی نہیں ہے کہ میں اسے سوچوں..... بھاڑ میں جائے' مجھے اب اس سے کوئی امید ہی نہیں رکھنی۔'' بے دردی سے آنسو ہاتھوں کی پشت سے رگڑتی وہ خود ترسی کے سمندر میں ڈوبتی جا رہی تھی..... نہ قول و قرار تھے' نہ دلی کیفیات کبھی بیاں ہوئی تھی' بس کہی ان کہی کے بیچ ایک بے نام سا رشتہ تھا جسے وہ پہلے بھی رد چکا تھا' غلط فہمی سے تشبیہ دے چکا تھا' پھر کس زعم میں وہ خود کو اہم گردانتی..... اپنے جذبوں پر نہال ہوتی۔

ناشتا نہ کرنے کے باعث اس کے قدم کچن کی طرف اٹھے تھے لیکن باغ کی طرف سے پہلے شنائیہ چودھری اور پھر سمہان آفندی کو نکلتے دیکھ کر اس کے صدمے میں اضافہ ہو گیا تھا' شنائیہ چودھری تو تیزی سے گزر گئی مگر ہر گھڑی چوکنا رہنے والے

سہمان آفندی نے اردگرد کا بھرپور جائزہ لیا اور عیشال جہانگیر کو قہر برساتی نظروں سے اپنی طرف دیکھتے پا کر ٹھٹک گیا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا عیشال پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی اور اب خود ترسی کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''میرا وجود بے کار ہے اس حویلی میں..... سب اپنی دنیا میں مگن ہیں..... میرا کوئی نہیں..... جس سے امید تھی وہ بھی اجنبی بن کے ہنسی اڑاتا ہے..... سب جان کے انجان بن کے میرے درد کا تماشا دیکھتا ہے..... اس کی اپنی دنیا ہے..... جس میں میں کہیں بھی نہیں ہوں..... وہ بھی حویلی کے ظالموں میں سے ہے..... نجانے میں نے کیوں اسے اوروں سے مختلف سمجھنے کی غلطی کر رکھی ہے اور یہ غلطی میں مسلسل کر رہی ہوں.....'' خود اذیتی میں گھری وہ خود ہی بول رہی تھی..... آنسو بے دردی سے رگڑ رہی تھی اور جس کے لیے یہ سب کر رہی تھی وہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

''تمہیں کیا ہوا..... اتنی چپ چپ کیوں ہو؟ کئی دنوں سے نوٹس کر رہی ہوں کچھ پریشان ہو..... کیا پھر کوئی حرکت کی ایشان جاہ یا اس کے گروپ نے؟'' وہ کوچنگ سینٹر جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی چند دن ہی ہوئے تھے اسے کوچنگ سینٹر میں پڑھاتے ہوئے۔ چند گھنٹوں کا اچھا معاوضہ مل رہا تھا تو اسے کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا۔ اس کی غائب دماغی اور پُرسوچ انداز کو تشویش بھری نظروں سے دیکھتی انوشا نے سوال کیا تو وہ اپنے خیالوں سے چونک گئی۔

کوئی ایک بات ہوتی تو وہ اسے بتاتی بھی منزہ کی بیماری کا دھچکا ہی سب سے بڑا تھا اس پر اس ڈاکٹر بخت کی مسلسل چھیڑوں نے اسے افسردہ کر رکھا تھا تو ایشان جاہ سے جھڑپ اور پھر یحییٰ سرفراز نامی بندے سے متعارف ہو کر وہ بہت الجھی رہی تھی۔

اس نے دانستہ انوشا سے اپنے باپ کے ہم نام شخص کی آمد چھپائی تھی وہ نہیں چاہتی تھی وہ جس قدر پریشان ہو رہی ہے انوشا بھی ہو اور اس پر ستم یہ کہ منزہ سن لیتیں تو ان کی ناراضی الگ سہنی پڑتی۔

''بتک تو نہیں کیا لیکن.....'' ماورا نے سنبھل کر صبح کی گفتگو اور ایشان جاہ سے مڈبھیڑ کا احوال کہہ سنایا تو مارے حیرت کے انوشا کی آنکھیں ابل پڑیں۔

''ہیں..... واقعی..... یہ تو بڑا اپوزیٹو سائیڈ دکھا رہی ہو اس کا..... مجھے یقین نہیں آ رہا کہ وہ واقعی تمہاری مدد کرنا چاہ رہا ہے امیزنگ..... تم بھی ناں..... بتا دینا تھا اسے شاید وہ کوئی مدد ہی کر دیتا جب اس کے تایا اور تائی جان اسی ہاسپٹل میں ہوتے ہیں تو..... جانے کیوں رپورٹس ٹھیک آنے کے باوجود اماں کی طبیعت میں بہتری نہیں آ رہی..... تم نے ٹھیک کہا جو دوسرے ڈاکٹر کا پتا کرنے لگیں۔'' انوشا سن کر ازحد متاثر ہوئی کہ ایشان جاہ نے مدد کی پیشکش کی ماورا نے حقیقت چھپا کر ہی کہانی سنائی تھی۔

''اب کے وہ مدد کرنا چاہے تو سن لینا۔'' انوشا لہجہ بدل کے نصیحت کرنے لگی۔

''چھوڑو..... اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی چال ہو..... جب اکڑ سے دال نہ گلی تو روپ بدل کے مددگار بن کے آ گیا۔'' نخوت سے سر جھٹکا۔

''ایک تو تم ہر بات کا منفی پہلو دیکھتی ہو..... ضروری تھوڑی ہے کہ ایک بندہ ہر بار غلط ہو۔'' انوشا نے اس کی طرف داری کی۔

''جب ایک چیز کی بنیاد ہی غلط ہے تو وہ آگے جا کر اچھی کیسے ہو سکتی ہے؟ کل تک مجھے نیچا دکھانے والا آج مہربانی کے موڈ میں ہے تو کوئی تو بات ہو گی ناں۔'' ماورا ماننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے مت مانو..... لیکن آئندہ وہ کوئی اچھی بات کرے تو تم بھی لڑنے نہ کھڑی ہو جانا۔'' انوشا کی بات پر ماورا اسے گھورتی رہی۔

''اچھا تو تم کیوں اس کی سائیڈ لے رہی ہو؟ ایک ذرا سی چیز سے کیا وہ ہیرو بن گیا؟'' وہ سخت برا مان گئی۔

''توبہ ہے' تم تو مجھ سے بھی لڑنے لگیں..... ہے کیا یہ ایشان جاہ' جس کا نام سنتے ہی تم توے پر جا بیٹھتی ہو؟ اس چڑ کی وجہ ڈھونڈو گر ہو سکے۔'' انوشا نے ہنستے ہوئے ہاتھ جوڑے آخر میں لہجہ شرارتی ہو گیا تھا۔

''اماں نے تمہاری یہ سطحی باتیں سن لیں ناں تو مجھ سے زیادہ بہتر کلاس لیں گی تمہاری اور مجھ سے تعاون کی امید نہ رکھنا کیوں کہ اس وقت تم مجھے ڈیزرونگ لگ رہی ہو۔'' وہ منہ پھلا کر تن کر بولی تو انوشا کھلکھلا کے ہنس دی تھی۔

❁.....❁.....❁

نکاح کی تیاری کے سلسلے میں سب کو بازار جانا تھا فائزہ نے زمرد بیگم سے شہر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے چودھری حشمت سے اجازت لے لی فائزہ نے سب کو تیار ہونے کو کہا تو لڑکیوں میں کھلبلی مچ گئی۔

شنائیہ چودھری نے تو سنتے ہی صاف منع کر دیا تھا البتہ دیا اور ماہم جا رہی تھیں' اس کے بے زاری سے منع کرنے پر دیا سب کی سامنے گھور کے رہ گئیں اور سر درد کا بہانہ بنا کر دوا دینے کے بہانے اس کی ٹھیک ٹھاک کلاس لے لی تھی۔

عیشال جہانگیر کا موڈ بے حد خراب تھا ندا کے اصرار پر وہ راضی ہو گئی کہ حویلی میں بیٹھ کر وہ کر بھی تو کیا؟ روتے رہنے سے کون سا اس کے مسئلے حل ہو جاتے اور جس کے لیے یہ رونا دھونا تھا وہ جانے کہاں کی خاک چھان رہا تھا۔

چونکہ نکاح کی تقریب بڑے پیمانے پر تھی تو اسے بھی اپنی تیاری کرنا تھی' پہلے تو بے دلی کی وجہ زبردستی نکاح تھی لیکن اب کوئی قدغن نہیں تھی وہ بڑی اچھی طرح اس تقریب کو انجوائے کر سکتی تھی۔

وہ تیار ہو کر آئی تو دونوں گاڑیاں روانگی کے لیے تیار تھیں چونکہ شنائیہ چودھری اور زمرد بیگم کو چھوڑ کے تقریباً تمام ہی خواتین تھیں اس لیے دو گاڑیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ پہلی گاڑی تقریباً بھر چکی تھی جس میں فریال' فائزہ اور دیا کے ساتھ زرش براجمان تھی' جب کہ دوسری گاڑی میں لڑکیوں نے ہلہ بول دیا تھا جس میں ندا' شازمہ' یمنیٰ اور ماہم ٹھنس کے بیٹھی تھیں۔ دونوں گاڑیوں کو بھرا دیکھ کر عیشال جہانگیر کا منہ بن گیا تھا۔

''مجھے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنے کی کوئی خواہش نہیں..... تم آجاؤ فرنٹ سیٹ پہ.....'' وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑی تھی جبکہ چاروں پیچھے ٹھنس ٹھنسا کے بیٹھی تھیں۔

''ڈرائیور اپنا ہی ہوگا عیشال' ڈرنے کی کیا بات ہے۔'' یمنیٰ نے سوچا کہ وہ گلاب خان (ڈرائیور) کے ساتھ بیٹھنے سے گھبرا رہی ہے تو دلاسا دینے لگی اور ڈر کی بات غالباً عیشال کے دل پر تازیانہ بن کے لگی تھی تب ہی وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے لگی۔

''ڈرائیور اپنا ہو یا پرایا آگے بیٹھنے میں کیا حرج ہے؟ جب گاڑی حویلی کی ہے تو.....'' تردد کو ایک طرف رکھ کے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرنے ہی لگی تھی جب ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولتے سمہان آفندی کو دیکھ کر سب ہنسنے لگیں۔

''کیوں عیشال..... ڈرائیور تو اپنا ہے ناں.....؟'' اسے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان ہوتا دیکھ کر اور سب کے جملوں اور ہنسی پر وہ جز بز ہونے لگی..... سمہان آفندی نے اچنبھے سے ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کی اسے فرنٹ سیٹ پر دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگیں' صد شکر جو گلاسز کے باعث کسی کو نظر نہ آ سکیں..... عیشال جہانگیر کھسک کے تقریباً دروازے سے جا لگی تھی۔

''تم ساتھ جا رہے ہو سمہان؟'' ندا کو بھی حیرت ہوئی۔

''جی..... گلاب خان کو ایمرجنسی میں گھر جانا پڑ گیا اس کے بچے کی طبیعت خراب ہے اس لیے داجان نے میری ڈیوٹی لگا دی اگر زیادہ برا لگ رہا ہوں تو کہہ دیں میں دوسرے ڈرائیور کو یہاں بھیج دیتا ہوں اور میں دوسری گاڑی میں چلا جاتا ہوں۔'' دزدیدہ نظروں سے دروازے سے لگی عیشال جہانگیر کو دیکھتے ہوئے وہ ندا سے بولا' درحقیقت اسے سنا گیا تھا..... بڑی دلچسپ

صورت حال ہوگئی تھی کہاں وہ اسے دیکھتے ہی پیر پٹخ کے بھاگ رہی تھی اور کہاں اب برابر میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے..... نہیں' نہیں..... تم ہی ٹھیک ہو..... عیشال فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہی تھی کہ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا تم ہو تو تسلی ہے اب۔'' ندا نے فوراً کہا تو عیشال جہانگیر' ندا کے بیچ اگل دینے پر منہ باہر کی طرف کر کے رخ پھیر گئی' تب ہی زرش دوسری گاڑی سے نکل کر بھاگتی ہوئی ان کی گاڑی تک آئی اور پیچھے ایک نظر ڈال کر کھٹ سے عیشال کی طرف کا دروازہ کھلا' عیشال جہانگیر جو دروازے سے چپکی بیٹھی تھی گرتے گرتے بچی..... بچی نہیں..... بازو تھام کر اسے بچایا گیا تھا بڑی سی سیاہ چادر میں اس نے خود کو چھپا رکھا تھا۔ عیشال جہانگیر نے بایاں ہاتھ ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے سرعت سے اپنے بازو پہ اس کی گرفت کو دیکھا وہ سب زرش کی طرف متوجہ تھیں ان کی نظر سے یہ منظر اوجھل رہا تھا۔ اسے سنبھلتے دیکھ کر سمہان آفندی نے سرعت سے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

''بڑی بے مروت لڑکیاں ہو تم سب..... یہاں سب مزے سے گھسی بیٹھی ہو اور مجھے مما اور دونوں تائیوں کے ساتھ بور ہونے کو اکیلا چھوڑ دیا میرے لیے بھی جگہ بناؤ اس میں۔'' زرش کھڑکی پر جھکی سب کو لعنت ملامت کر رہی تھی۔

''ہم تو خود پھنس کے بیٹھے ہیں' سانس بھی مشکل سے آ رہا ہے۔'' شاذمہ نے ہری جھنڈی دکھائی۔

''عیشال چلو آگے کھسکو شاباش۔'' پیچھے سے ناامید ہو کر زرش نے اسے آگے دھکیلتے ہوئے سیٹ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو مجبوراً عیشال جہانگیر کو آگے کھسکنا پڑا۔

''دروازہ ہی بند نہیں ہو رہا اور آگے تو ہو کون سا اسی' نوے کلو وزن ہے تمہارا' جو پوری سیٹ پر پھیل کر بیٹھی ہو۔'' زرش نے مزید آگے نہ کھسکنے پر کلاس لی تو وہ مزید آگے ہوتی چڑ گئی۔

''اب کیا گیئر پر چڑھ جاؤں؟'' جھنجلائے انداز پر سمہان آفندی نے ہاتھ لبوں پر رکھ کر مسکراہٹ چھپائی۔

سمہان آفندی کے اتنے قریب بیٹھنے پر وہ پہلے ہی حواس باختہ ہو رہی تھی' آنکھوں پر چڑھے بلیک گلاسز کے پیچھے چھپی آنکھیں مسکراتی محسوس ہو رہی تھیں' گرے جینز' بلیک ٹی شرٹ میں گلاسز چڑھائے وہ ہینڈسم دل کی دنیا کو زیروزبر کر رہا تھا۔

''میرا بھائی کھا نہیں جائے گا تجھے..... کھسک.....'' زرش نے بھی ادھار نہ رکھا تو مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ گیئر کے مزید قریب ہوئی تو زرش نے کھٹ سے دروازہ بند کر لیا۔

''اگر سیٹ ایڈجسٹمنٹ ہو گئی ہے تو چلوں؟'' اس نے مسکراتی نظروں سے سوال کیا۔ عیشال جہانگیر نے تو جل کر منہ پھیر لیا کہ صبح کے دونوں منظر بھولی نہیں تھی' سب نے ہاں میں جواب دیا تو اس نے بھی اگنیشن میں چابی گھمائی۔

''سمہان..... طویل سفر ہے' اچھا سا سونگ ہی لگا دو۔'' پیچھے سے ندا نے ہانک لگائی تو سب کی کھی کھی پر عیشال جہانگیر لب بھینچ گئی' سمہان آفندی نے لب دبا کر فرمائش پوری کی۔

ساکوں ڈھول منانوناں ایں
ساکوں یار منانوں ناں ایں
بھانویں سردی بازی لگ جاوے

گانا لگتے ہی سب پُرجوش ہو گئیں' سمہان آفندی نے چہرہ بے ساختہ کھڑکی سے باہر کر کے سائیڈ مرر دیکھنے کے بہانے اپنے تاثرات چھپائے' جز بز ہوتی عیشال نے کھا جانے والی نظر ڈال کر بے ساختہ اسے گھورا تھا۔

❁.....❁.....❁

سب چلے گئے تو حویلی میں سناٹا بولنے لگا تھا' اکیلے پن کے خیال سے زمرد بیگم کافی دیر اس کے پاس بیٹھی رہیں گاؤں کی عورتیں ان کے پاس آنے لگیں تو وہ شکر ادا کرتی اپنے کمرے میں آ گئی..... ذہن اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کسی کے روبرو مسکرا کر

ہوں ہاں کرنا بھی مشکل لگ رہا تھا۔
سمہان آفندی کا آسرا بھی ختم ہوگیا تھا وہ بھی ناصح بن گیا تھا' جس پر وہ مزید بددل ہوگئی تھی' ایسے میں سب نے بازار جانے کا شور مچایا تو اس نے منع کردیا جس کے نتیجے میں دیا نے خاصی عزت افزائی بھی کی...... دیا نے سب کے سامنے سر درد کا بہانہ بنایا اور اب واقعی سوچ سوچ کے اس کا سر پھٹنے لگا تھا لیکن مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آرہا تھا۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی' مرد حضرات اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے' چودھری بخت' چودھری فیروز اور چودھری اسفند کے ساتھ اپنی بزرگوں کی زمینوں اور کھیتوں کی سیر کو نکلے ہوئے تھے۔
دستک یقیناً ملازمہ دے رہی تھی زمرد بیگم نے کہا تھا کہ وہ چائے کے ساتھ شام کا مینیو ملازمہ کو بتادے اس کا کچھ کھانے پینے کا موڈ نہیں تھا' تب ہی نظر انداز کردیا تھا اور اب دستک نے احساس دلایا کہ خواہ وہ نظر انداز کردے مگر حویلی کی خدمت پر مامور وفادار ملازم اپنے فرائض تن دہی سے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی رہی کہ ملازمہ خود ہی تھک کر چلی جائے گی مگر جب دستک نہ رکی اور آواز کی شدت بڑھنے لگی تو غصے سے کھولتے ہوئے اس نے تیزی سے دروازہ کھولا بری طرح دھکیلنے کے باعث دروازہ زوردار آواز سے دیوار سے جالگا تھا' توقع کے عین مطابق ملازمہ کھڑی تھی جو اس کے جارحانہ انداز اور غصیلے تیور کے ساتھ دروازہ پٹخنے پر سہم کر دوقدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔
''کیا تکلیف ہے تمہیں؟ ذرا مینرز نہیں تم جاہل گنوار لوگوں میں کہ دروازہ نہیں کھل رہا تو کوئی وجہ ہوگی مینرز نہیں تو کسی کی پرائیویسی کا ہی خیال کرلو لیکن نہیں...... میں بھی کس کے منہ لگ رہی ہوں' جسے مینرز اور پرائیویسی کے مفہوم و معنی تک نہیں آتے ہوں گے...... حویلی والوں نے بس بھیڑ' بکریوں کی طرح نوکروں کی فوج جمع کررکھی ہے کسی کو ایجوکیٹ نہیں کیا......''
ملازمہ تو اس کے غصیلے چہرے کو دیکھ کر پہلے ہی سراسیمہ ہوگئی تھی اور جب شنائیہ چودھری بری طرح پھٹ پڑی تو وہ بھاگنے کے لیے پرتولنے لگی۔
''وہ میں...... آپ کے لیے چائے......''
''زہر ڈال کے لے آؤ اس چائے میں......'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تو ملازمہ ہکلا کے رہ گئی۔
راہداری سے گزرتے' شاہ زرشمعون نے دروازہ کھلنے سے لے کر اس کے سارے جملے پورے سیاق وسباق کے ساتھ سننے کا شرف حاصل کیا اور اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کرکے اس کے کمرے تک آیا جہاں ملازمہ بے چاری اس ''حکم'' پر اسے ''تشویش'' سے دیکھ رہی تھی۔ شاہ زرشمعون کو دیکھ کر جہاں اس کی زبان رکی وہیں ملازمہ نے سکون کا سانس لیا۔
''تم جاؤ'' اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں...... شاہ زرشمعون کا اشارہ پاتے ہی ملازمہ سرپٹ دوڑی' ایک پل کو اسے مزا بھی آیا کہ کیسے صاحب کے سامنے آنے پر بی بی جی کی آواز بند ہوگئی تھی۔ ملازمہ راہدی میں غائب ہوئی تو شاہ زرشمعون اس کی طرف متوجہ ہوا۔
''سب سے پہلے تو اپنی آواز آہستہ رکھنا سیکھیں...... یہ آپ کا محل نہیں' حویلی ہے اور یہاں کسی کو اونچی آواز میں بولنے کی قطعاً اجازت نہیں۔'' سرد لہجے میں باور کراتے وہ اسے لب بھینچنے پر مجبور کرگیا۔
''خدمت پہ مامور لوگ آپ کے لیے ملازم ہوں گے لیکن حویلی میں نسل درنسل لوگ یہ فرائض ادا کرتے ہیں' ان کی وفاداری اور جاں نثاری پر ہم نے کبھی انہیں ملازم نہیں سمجھا وہ اس حویلی کا حصہ تصور کیے جاتے ہیں۔'' اس کے سرد لیکن کڑے لہجے پر شنائیہ چودھری دوسری طرف دیکھنے لگی۔
''زہر کھانے کا شوق چرایا ہے تو شہر جاکر کھالیجیے گا' امپورٹڈ زہر ہوگا...... یہاں تو شاید آپ کو زہر کا ٹیسٹ بھی پسند نہ آئے......'' جوتا مخمل میں لپیٹ کے مارنے پر شنائیہ چودھری کے ماتھے پر لکیریں پڑنے لگیں۔

"ہم ملازم کی خدمت کے عوض انہیں پے کرتے ہیں..... ان کی عزت نفس مجروح کرنے اور اپنا غصہ معصوم لوگوں پر اتارنے کا آپ کوئی حق نہیں رکھتیں..... خیال رکھیے گا آئندہ کبھی کسی ملازمہ سے بدتمیزی سے پہلے سوچ لیجیے گا" تنبیہہ کرکے وہ پلٹا ہی تھا کہ اسے رکنا پڑا۔

"ایک منٹ..... یہ ورنہ..... لیکن..... آئندہ..... آپ دھمکی کس بات کی دے رہے ہیں پہ کر کیا لیں گے آپ میرا.....؟" ایک تو وہ پہلے ہی چڑی بیٹھی تھی سونے پر سہاگہ وہ آکر بھاشن دینے لگا اور جس کی وجہ سے اس کا سکون غارت ہوا' وہی اس پر برسے یہ اس سے زیادہ دیر برداشت نہ ہوسکا تو سارے ڈرایک طرف رکھ کے وہ بھڑک اٹھی۔

"آپ کا کون کیا بگاڑ سکتا ہے..... چھید والا گھڑا بھی کبھی کارآمد ثابت ہوا ہے؟" استہزائیہ انداز سے گھورتے ہوئے وہ اسے مزید سلگا گیا۔

"جب اتنی ہی برائیاں ہیں مجھ میں تو کیوں خوشی خوشی نکاح کررہے ہیں..... جایئے جاکر منع کردیجیے دادجان کو تاکہ وہ آپ کے لیے آرڈر پر عقل مند پری تیار کروالیں۔" موقع پر چوکا لگاتے اس نے رگیدنا مناسب خیال کیا تاکہ وہ بلبلا کر پیچھے ہٹ جائے مگر اس کی کوشش پر وہ مسکرادیا' اس کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنے کی چاہ تھی لیکن اپنا مذاق اڑتے دیکھ کر مزید آگ بگولہ ہونے لگی۔

"محترمہ..... اگر آپ سوچ رہی ہیں کہ یوں تیلی دکھا کر مجھے بھڑکا سکیں گی تو آپ کی عقل کو سلام' ٹھیک ہے آپ سے شادی کرنا میری خواہش نہیں لیکن اب ضد بن گئی ہے..... لگالیں ایڑی چوٹی کا زور یہ نکاح تو اب ہوکر ہی رہے گا چاہے آپ پنکھے سے لٹک جائیں یا حویلی کی چھت سے کود جائیں....." اس کے ہٹیلے لہجے پر وہ جھلس ہی تو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

شاپنگ سینٹر آکر تو سب اِدھر اُدھر ہوگئی تھیں فائزہ' فریال' دیا سامان دیکھتے ہوئے صلاح مشورے سے کام لے رہی تھیں تو لڑکیاں من پسند چیزیں دیکھ کر پُرجوش ہورہی تھیں' ڈرائیور پارکنگ میں ہی بیٹھا ہوا تھا لیکن سمہان آفندی ان کی حفاظت کے خیال سے ان سب سے فاصلہ رکھے ان کے پیچھے چل رہا تھا' اس کی نظریں عیشال جہانگیر پر تھیں' لڑکیاں آگے نکل کر دائیں بائیں دکانوں میں گھس گئیں اور وہ ایک جگہ رک گئی تھی' چند قدم آگے آکر سمہان آفندی نے اس کی نظروں کا مرکز دیکھا فیملی ڈمی لگی ہوئی تھی' میل اور فی میل ڈمی کے ساتھ چھوٹا سا بابا ڈمی بھی موجود تھا اور تینوں ہی ڈریسز کمال کے تھے۔

"ڈریس پسند آیا؟" اس کی محویت نوٹ کرکے اس نے یہی اخذ کیا کہ سوٹ پسند آرہا ہے..... ایک دم قریب سے آواز سن کر اس نے بے ساختہ گردن موڑی' وہ ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"یہ فیملی پسند آئی ہے۔" سر جھٹک کر ارد گرد نظر ڈالتی وہ سست روی سے آگے بڑھنے لگی۔

"ناراض ہو؟" وہ ہم قدم ہوا' پلکوں پر چمکتے آنسو جنہیں وہ بڑی مہارت سے سب سے چھپا گئی تھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

"میں کیوں ناراض ہونے لگی بھلا۔" وہ نخوت سے جھٹلانے لگی' وہ اس کے انداز پر مسکرادیا' ناراض بھی تھی اور جھٹلا بھی رہی تھی۔

"شنائیہ جی' اس نکاح کی وجہ سے تھوڑی ڈسٹرب ہیں' اتنی عجلت میں اعلان ہوا شاید اسی لیے وہ اسے قبول نہیں کرپا رہیں..... انہوں نے اسی سلسلے میں بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔"

"تو مجھے کیوں بتا رہے ہو..... میں نے کون سا تمہاری ڈاڑھی کے تنکے تلاش کرلیے....." اس کے تازہ شیو پر چوٹ کی تو وہ اس کے جلے بھنے لفظوں پر مسکرادیا۔

''میں نے تو اس لیے بتایا ہے کہ شاید تمہاری ٹینشن کچھ کم ہو جائے۔'' اس نے چھیڑا۔

''مجھے کیوں ٹینشن ہونے لگی؟'' جھٹلاتے ہوئے اس کا نروٹھا انداز ہوا' وہ بے ساختہ دیکھنے لگی۔

''جب سمندر میں اترتے ہیں تو چھوٹی موٹی لہروں کی پروا نہیں کرتے پیراک کی نگاہ تو تھاہ میں موجود سیپ کے اندر موجود موتی پر ہوتی ہے کیوں کہ اس موتی کی اہمیت اس کی نظر میں ان لہروں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔'' ساتھ چلتے وہ دھیمے سروں میں گویا ہوا' عیشال جہانگیر نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

وہ کیا سمجھانا چاہ رہا تھا؟ کیا وہ جان گیا تھا کہ وہ جلن محسوس کر رہی ہے.....؟ اس کی بے گانگی پر کلس رہی ہے.....؟ آیا کیا یہ اظہار تھا.....؟ اس کے ہونق چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ ہولے سے مسکرایا۔ سیاہ لباس میں ملبوس اس روشنیوں سے بھرے ماحول اور طرح دار بے حجاب حسیناؤں کے آگے' وہ اپنے وجود کے گرد لپٹی چادر کو تھوڑی کی طرف انگلیوں سے پکڑے اتنی معصوم لگ رہی تھی کہ سمہان آفندی اسے دیکھتا ہی رہا۔

''پریشان نہ ہو..... صبر سے انتظار کرو..... میری پوری کوشش ہے کہ وہی ہو جو تم چاہتی ہو لیکن اس کے لیے تمہیں موجودہ روش چھوڑنا ہوگی..... اچھی لڑکی بن کے سب کو دکھانا ہوگا جو جان جانے پر بھی اف نہیں کرتی.....'' جانے وہ کیا سمجھانا چاہ رہا تھا' عیشال جہانگیر نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''حاصل ولا حاصل کو قسمت کی گھٹی میں ڈال کر کوشش کیے بنا قربان ہو جانا' میری نظر میں بڑا کارنامہ نہیں..... اپنے مفاد کے لیے آواز اٹھانا اور باقی پر سانوں کی کابور ڈ لگانا میرا شیوہ نہیں..... کنڈیشنل چیزیں میرے پاس نہیں رہتیں اور افسوس میں ڈمی نہیں بن سکتی۔'' اس کے دوٹوک انداز پر سمہان آفندی نے گہرا سانس لیا' اگر وہ حویلی کا وفادار نہ ہوتا تو اس کی جرأت کو سلام ضرور پیش کرتا۔

❁.....❁.....❁

کمیٹی والی نے کمیٹی لے جانے کی نوید دی تو منزہ کو از حد خوشی ہوئی' انوشا کے سسرالی شادی کی تاریخ طے کر گئے تھے اور اب وہ جلد سے جلد سارے انتظامات کرنا چاہ رہی تھیں' اوپر سے اس خبیث کے آنے کا ڈر بھی بار بار ستا رہا تھا۔ کمیٹی ملنے کی خوشخبری ملی تو اس کا دیا کارڈ وہ بٹوے میں دبا گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ دروازے پر آ کر ان کی پریشانی میں اضافہ کرتا وہی اس کے منہ پر پیسے مار آنے کا سوچ رہی تھیں۔

وہ ایک گنجان علاقے میں کھڑی تھیں' تنگ و تاریک گلیاں' جگہ جگہ چائے خانے اور پان کے کھوکھے اور اس پر عجیب و غریب لوگوں کا رش اور ان کی لپکتی نظریں دیکھ کر منزہ نے چادر سے چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ تھوڑی کوشش سے انہیں فلیٹ مل گیا' اندھیرے میں ڈوبی تنگ سیڑھیاں دیکھ کے انہیں ہول اٹھنے لگے' ایک بار تو دل میں سمایا کہ واپس لوٹ جائیں مگر پھر دل کڑا کر کے باقی کی سیڑھیاں طے کر کے انہوں نے دروازے پر دستک دے ہی دی۔

''اوہو..... میری رانی آئی ہے.....!'' چند ثانیے بعد دروازہ کھل گیا اور یحییٰ سرفراز انہیں دیکھتے ہی چہکنے لگا' اس کا چہکنا منزہ کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

''میں پیسے دینے آئی تھی..... یہ رکھو دس ہزار اور آج کے بعد پھر کبھی میرے گھر کا دروازہ نہ بجانا ورنہ پولیس کو یہاں لانے میں مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی۔'' پرس کھولتی منزہ نے دھونکنی کی طرح چلتی سانس کے باوجود ایک ہی سانس میں سب کہہ دیا۔

''ارے' ایسی بھی کیا بے رخی؟ ٹھیک ہے تو کہہ رہی ہے تو پھر نہیں آؤں گا تیرے دروازے پر لیکن مجھے تیری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی' بیٹھ جا تھوڑی دیر اندر آ کر۔'' دس ہزار کا سن کر وہ اندر آنے کی دعوت دینے لگا۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔'' منزہ اپنے پرس کو کھنگال رہی تھیں لیکن الگ سے رکھا لفافہ جانے کہاں جا چھپا تھا' انہیں

چکر آنے لگے تو توازن برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے دیوار کو تھامنے کی کوشش کی۔

''دیکھ گر جائے گی اندر آ کر پانی پی لے..... تو' تو مجھے دھتکار کے بھگا دیتی ہے لیکن میں ایسا نہیں کروں گا آ جا اندر..... کون سا نامحرم ہوں جو مجھ سے ڈر رہی ہے۔'' اس کی قینچی کی طرح زبان چل رہی تھی' منزہ کو کھڑے کھڑے واقعی چکر آ رہے تھے کچھ بعید نہ تھا وہ اس اجنبی علاقے میں' اس خبیث کے سامنے بے ہوش ہو جاتیں..... دل کڑا کر کے وہ اندر آ ہی گئیں۔

''تو بیٹھ' میں تیرے لیے پانی لاتا ہوں۔'' وہ لنگڑاتا ہوا ایک طرف کو بنے کچن کی طرف چلا گیا تو منزہ لکڑی کی کرسی پر بیٹھ گئیں کہ وہی اس کمرے میں قدرے صاف ستھری تھی۔

گھر کیا تھا کباڑ خانہ تھا کوئی چیز ترتیب سے نہیں تھی..... میلا کچیلا بستر' کھڑکیوں پر ٹنگے غلیظ پردے' گندے برتنوں پر چلتے کاکروچ اور ناخوش گوار بو سے انہیں ابکائی آنے لگی۔

''چائے پی میرے ہاتھ کی' اپنے لیے بنا رہا تھا' زیادہ بن گئی شاید دل کو پتا تھا' تو آئے گی۔'' وہ پانی کے ساتھ چائے کے دو کپ بھی لے آیا تھا۔ اس کی بکواس پر منزہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا بیٹھنے کے باعث حواس قدرے بحال ہونے لگے تھے' مگر انہوں نے اس گھر کا پانی تک پینا گوارا نہیں کیا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے..... میں یہ پیسے دینے آئی تھی۔'' لفافہ مل گیا تھا' اپنی محنت کی کمائی دیتے ہوئے دل ضرور دکھا تھا مگر اس سے جان چھڑانے کے لیے یہ تکلیف بھی برداشت کرنا تھی۔ لفافہ اس کی طرف بڑھاتے' پرس اٹھا کر جانے کی نیت سے کندھے پر ڈالنے لگیں تو اس نے پرس کھینچ لیا۔

''چلی جانا' اتنی جلدی کیا ہے بیٹھ جا تھوڑی دیر..... تیری ناراضی ختم نہیں ہوئی اب تک معاف کر دے مجھے..... ایک موقع دے میں سدھر جاؤں گا..... اپنی دونوں بچیوں کے ساتھ' ہم ساتھ رہیں گے۔'' وہ جانے کون سے سہانے سپنے دکھا رہا تھا' وہ نفرت سے منہ پھیر گئیں' لبوں پر تلخ مسکراہٹ سج گئی۔

''خواب دیکھنا چھوڑ دو یحییٰ سرفراز..... تمہیں تو میں نے اپنی زندگی سے اسی دن نکال پھینکا تھا' جس دن تمہارے گھر سے بھاگی تھی اور اب اتنے سالوں بعد تم نظر آئے تو مجھے خوشی ہوئی کہ برسوں پہلے میں نے بہت اچھا فیصلہ کیا تھا' میں تمہاری کسی بات میں نہیں آؤں گی..... یہ پکڑو دس ہزار اور میری بات پر سنجیدگی سے غور کرنا یہ نہ ہو مجھے سختی سے عمل کرنا پڑے۔'' لفافہ اس کی گود میں پھینکتے ہوئے نفرت و نخوت سے کہہ کر انہوں نے اپنا پرس کھینچا جو وہ دبوچے بیٹھا تھا تاکہ منزہ اٹھ کر نہ جا سکیں اس کے بت بنے رہنے پر منزہ نے پرس کھینچ کر نکالا اور تیزی سے نکل گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

سعید کی منگنی تھی ان کا سارا گروپ پیش پیش تھا' سعید نے پوری کلاس کو مدعو کیا تھا' کلاس فیلوز کو دیکھ کر جانے کیوں ایشان جاہ کو یہ گمان ہونے لگا کہ ماورا بھی آئے گی گو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیسے ان کے گروپ سے بدکتی ہے لیکن جانے کیوں کلاس کے لڑکے لڑکیوں سے مل کے اس کا خیال بار بار آ رہا تھا۔

چوہدری جہانگیر نے جب آئیڈیل کا پوچھا تو جانے کیوں وہ ایک لمحے کو رک گیا تھا' اس کے لیے بے حد حیران کن تھا کہ اس کے ذہن و دل میں ماورا کا نام آیا تھا۔

''اس مغرور لڑکی نے اتنا زچ کر دیا ہے کہ چوبیس گھنٹے مجھے صرف اسی کا دھیان رہنے لگا ہے۔'' خود کو بہلاتے ہوئے وہ قدرے الگ تھلگ گوشے کی طرف آ گیا' باقی سب وہیں اسٹیج پر چڑھے رسم کے بعد ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا..... تم انجوائے نہیں کر رہے' ہمارے ساتھ؟'' انشراح اسے ڈھونڈتی ہوئی آئی' ریڈ گاؤن میں دوپٹے کے تکلف سے آزاد نفاست سے کیے گئے میک اپ میں خاصی خوب صورت لگ رہی تھی۔

''نہیں.....موڈ نہیں ہو رہا۔'' اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر وہ کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھرتے ہوئے ارد گرد نظر دوڑانے لگا' سیاہ سوٹ میں وہ معمول کے حلیے سے خاصا مختلف اور متین لگ رہا تھا۔

''بہت موڈی ہوتے جا رہے ہو.....الگ تھلگ رہنے لگے ہو' کچھ عرصہ سے بہت چینج محسوس کر رہی ہوں میں تمہارے اندر۔'' شکایتی نظروں سے دیکھتی انشراح سامنے براجمان ہوئی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔'' ایشان جاہ کو اس کا گلہ بے تکا لگا۔

''شاید یہ تبدیلی تم نے خود بھی محسوس نہیں کی لیکن میں کم و بیش اٹھارہ بیس گھنٹے تمہارے ساتھ ہوتی ہوں اور مجھے تم بہت بدلے بدلے لگ رہے ہو۔'' وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

''میچور ہو رہا ہوں شاید۔'' اس نے ہنس کر ٹالنا چاہا' انشراح کئی ثانیے اسے سنجیدگی سے دیکھتی رہی۔

''صبا آنٹی کا مما کو فون آیا تھا کہ تم مجھ سے شادی کے لیے راضی نہیں ہو.....وجہ پوچھ سکتی ہوں؟'' اس نے بے دھڑک سوال کیا' لہجہ سنجیدگی لیے ہوئے تھا' ایشان جاہ نے بے ساختہ اسے دیکھا شاید وہ جواب لینے ہی بیٹھی تھی۔

''وجہ کیا ہونی ہے.....مجھے نہیں لگتا کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اور ہمیں شادی کر لینا چاہیے بس.....'' اس نے لاپروائی سے کہا۔

''کون ہے وہ' جسے دیکھ کر تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہارے لیے بنی ہے.....کون سی کمی ہے مجھ میں جو تمہیں کسی اور کو ڈھونڈنا پڑ رہا ہے؟'' انکار سن کر انشراح کو بے حد برا لگا' اس لیے جب بولی تو لہجہ کسی قدر تیکھا تھا۔

''کون ہے.....کہاں ہے.....کب ملے گی.....؟ یہ تو ٹھیک سے میں بھی نہیں جانتا لیکن ملے گی ضرور' اتنا پتا ہے۔'' وہ مطمئن تھا اور اس کا اطمینان انشراح کو سلگا گیا۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' انشراح نے بلا جھجک اپنی خواہش ظاہر کی۔

''کم آن انشراح' ہم اچھے دوست ہیں' ایک دوسرے کے موڈ مزاج کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں.....دوستی کا رشتہ اور شادی کرنا' دو الگ باتیں ہیں بھلے میں تمہارے لائف پارٹنر کی امیج پر پورا اترتا ہوں.....لیکن میرے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے تو میں کیا کروں؟'' اس نے نرمی سے اسے سمجھایا' انشراح کے آنسو بہہ نکلے تو ایشان جاہ نے لب بھینچ لیے۔

''اگر تم حقیقت کو قبول کیے بناء اسی طرح ری ایکٹ کرتی رہو گی تو شاید ہماری دوستی بھی نہ رہے۔'' اس کے سنجیدہ لہجے پر انشراح اس کی صورت تکنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

''اب طبیعت کیسی ہے اماں؟'' سستی سے لیٹی منزہ کو وہ دونوں تشویش سے دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے کیا ہونا ہے.....ٹھیک ہوں.....بس تھک گئی ہوں سفر کی عادت جو نہیں رہی۔'' منزہ نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے انہیں بہلایا۔

یحییٰ' سرفراز کو پیسے دینے کے چکر میں انہیں بڑی خواری اٹھانا پڑی تھی اور واپس آ کر وہ بستر پر ڈھے گئی تھیں' سفر کی طوالت نے الگ ہڈیوں کو دکھا دیا تھا۔

''کہا بھی تھا' آپ نہ جائیں' ہم دونوں لے آتے جا کر۔'' انوشا نے فکرمندی سے ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو منزہ مسکرا دیں۔

''زمانہ ظالم دیو جیسا ہے اور میری بیٹیاں پریوں سی.....مجھے تو تم لوگوں کو درگاہوں تک بھیجتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے.....تم لوگ باہر نکلتے ہوئے چہرہ کور کر کے رکھا کرو.....کسی کی نظر دنیت کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔'' منزہ کی ذہنی رو بھٹکنے لگی' ان کی

بیٹیاں ان کا پرتو تھیں' خصوصاً ماورا تو ان کی جوانی کی تصویر تھی اور جب سے ماضی کے چہرے سامنے آنے لگے تھے وہ اس درجہ مماثلت پر ڈرنے لگی تھیں۔

''آپ بے فکر رہیں اماں ہم اچھی طرح کور کر کے رکھتے ہیں۔'' انوشا نے دلاسا دیا۔

''کمیٹی مل گئی ہے لیکن دس ہزار کم ہیں' کمیٹی والی نے بعد میں دینے کا کہا ہے۔ ہم چالیس ہزار میں ہی بجٹ بنانے کی کوشش کریں گے..... باقی کے دس ہزار شادی کے موقع پر لے لوں گی۔'' اب دس ہزار کی کمی پر منزہ کو کوئی نہ کوئی کہانی تو سنانا ہی تھی' دونوں سر ہلانے لگیں۔

''ماورا..... میرے پرس سے چالیس ہزار نکال کر کہیں اچھی طرح سنبھال کے رکھ دو..... مجھے بھولنے کی بیماری ہے۔'' انوشا نے قریب رکھا پرس اٹھا کر ماورا کی طرف بڑھایا۔

''ٹھیک ہے اماں..... ہم پہلے انوشا کی شاپنگ شروع کر دیتے ہیں؟'' ماورا پرس کی زپ کھولتے ہوئے گویا ہوئی۔

''ہاں' یہی مناسب ہے' شکر ہے یاسر اور لڑکوں سے مختلف ہے..... اس نے صاف منع کر دیا کہ نا اس کی شاپنگ کی جائے اور نہ ہی وہ پیسے لے گا' اپنی ساری تیاری خود کرے گا..... ورنہ اس کی شاپنگ کے لیے پیسے کہاں سے آتے؟'' منزہ کو تسلی ہوئی' انوشا ہونے والے شوہر کی تعریف اور افکار پر مسکرانے لگی۔

''اماں پیسے کہاں رکھے ہیں؟'' ماورا نے پورا پرس دیکھ کر پوچھا۔

''لاؤ مجھے دو۔'' منزہ یہی سمجھیں کہ اسے نہیں مل رہا تب ہی پرس لے کر خود دیکھنے لگیں لیکن جیسے جیسے پرس کی چیزیں چھان رہی تھیں ان کے چہرے پر تشویش کے آثار بڑھنے لگے تھے۔

''آرام سے اماں..... مل جائیں گے۔'' ماورا کو بھی ان کے انداز پر تشویش ہوئی' منزہ نے سارا پرس پلنگ پر الٹ دیا' وہ ایک ایک چیز کو دیوانوں کی طرح دیکھ رہی تھیں' سب کچھ تھا کچھ نہیں تھا تو پیسوں کا لفافہ۔

''کیا ہوا اماں..... آپ نے پرس میں ہی رکھا تھا ناں؟'' ان کی غیر ہوتی حالت پر دونوں کو تشویش ہوئی۔

منزہ سر پر ہاتھ رکھ کر دیوار سے جا لگیں' سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آ گیا تھا پرس دبوچے رکھنے کے بہانے وہ ہاتھ کی صفائی دکھا گیا تھا۔ پیسوں کی گمشدگی پر ان کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

یہ عالم شوق کا

ایس اے نقوی

آج سے پندرہ سال پہلے کی بات ہے جب میری عمر تقریباً دس سال تھی تب میں بھی اس عمر کے دوسرے بچوں کی طرح عجیب وغریب سوال سوچا کرتی تھی جن میں سے ایک سوال تو یہ تھا کہ میں بھدی اور بدصورت کس طرح ہوں؟ نہ میری تب سمجھ میں آیا کہ خوب صورتی کا پیمانہ کیا ہوتا ہے اور نہ ہی آج' بس اتنا ہی جانتی ہوں کہ لوگ مجھے بھدو، چڑیل یا ڈائن کہہ کر بلاتے تھے۔

میں گھنٹوں اپنے سامنے ایک چھوٹا سا شیشہ لیے بیٹھی رہتی تھی جو مالکن کے گھر سے مجھے کوڑے کرکٹ میں پڑا ملا تھا' میں اپنا ایک ایک نقش دیکھتی اور سوچتی کہ بدصورتی کہاں ہے؟ اگر میری ناک تھوڑی موٹی تھی تو اس میں کیا بڑی بات تھی' وہ تو مالکن کی چوتھے نمبر والی بیٹی کی بھی موٹی تھی مگر اسے تو سب پری اور شہزادی پکارتے تھے۔ اگر میرا رنگ سانولے سے کچھ سیاہ تھا تو اس میں بھی کیا حرج تھا مالکن کے شوہر یعنی ہمارے مالک بھی تو میرے جیسی رنگت ہی رکھتے تھے پھر بھی مالکن ان کے آگے پیچھے سائیں سائیں کرتے نہ تھکتی تھیں..... تب میری نظر اپنے ہونٹوں پہ پڑی تو شاید یہ کچھ ضرورت سے زیادہ موٹے تھے مگر مجھے یاد ہے کہ مالکن کے گھر پر ایک دن صفائی کرتے ہوئے میں نے ٹی وی پر ایک شو دیکھا تھا جس میں کوئی ہیروئین آئی ہوئی تھی جس کے حسن کے قصیدے پڑھتے ہوئے میزبان تھکتی ہی نہ تھی' مجھے اچھی طرح سے یاد ہے' اس ہیروئن کے ہونٹ مجھ سے بھی زیادہ موٹے تھے اور آج کل تو باقاعدہ لوگ سائنسی طریقے سے ہونٹ موٹے کرواتے پھرتے ہیں پھر میں شکر کیوں نہ کروں کہ بغیر کسی انجیکشن اور سرجری کے میرے ہونٹ بلا کے موٹے ہیں۔

ساری عمر پتا ہی نہ چلا کہ خوب صورتی ہے کس میں اور اس کا پیمانہ کیا ہے' بڑوں سے سنا تھا کہ بڑی موٹی آنکھوں کو حسین کہا جاتا ہے مگر میری بڑی موٹی آنکھوں کو تو میری سکھیاں بھینس کی آنکھوں سے ملاتی تھیں' ایک بار اماں جی (دادی) سے سنا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دانتوں کو موتی جیسے دانت کہتے ہیں مگر مجھے تو سب نے بھدی بنا دیا۔ خیر یہ تو ہوگئی میری شکل وصورت کی بات جن میں گھونگھریالے بال اور چھوٹا قد بھی شامل ہے۔

ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی۔ پندرہ سال پہلے ایک اور سوال جو میرے ذہن میں آتا تھا' وہ یہ تھا کہ میرے حصے میں اسکول کالج کیوں نہیں؟ میں ہر روز مالکن کے بچوں کو تیار ہوتا دیکھتی یونیفارم پہنے' ہاتھ میں ٹفن اور پانی کی بوتل اٹھائے' تو دل کرتا میں بھی اسکول جاؤں' میرا بھی دل چاہتا کہ میری ماں بڑے ناز سے مجھے صبح سویرے اٹھائے جب تک میں نہا کر یونیفارم پہن کر آؤں تب تک میز پر میرے لیے ناشتہ تیار ہو اور ناشتے میں ڈبل روٹی کے ساتھ کبھی جام، کبھی انڈا تو کبھی مکھن ہو جیسے مالکن کے بچے کھاتے تھے اور دودھ کا گرما گرم بھرا گلاس بھی ساتھ مل جاتا تو کیا ہی بات تھی۔

جب مالکن کے بچے اسکول سے آتے تھے تو مالکن ان کا ایسے خیال کرتی جیسے بچے بڑی مشقت کر کے آئے ہوں جبکہ میں جو سارا دن کام کاج کرتی تھی' میری تھکن کا تو کسی کو احساس ہی نہ ہوتا تھا نہ مالکن کو نہ ماں کو شام میں جب مالکن کے بچے اپنے اسکول کا ہوم ورک کیا کرتے تھے تب میرا دل للچاتا کہ میں بھی رنگ برنگی پینسل سے کچھ نہ کچھ بناؤں تصویروں سے بھری ہوئی کتابیں پڑھوں اور جب امتحان ہوں تب تو بس رولا ہی ڈال دوں کہ ہائے میرے پیپر ہیں مجھے یہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا کیونکہ میرے پیپر ہیں۔

ایک دن جانے مجھے کیا سوجھی کہ میں ماں کے پاس جا کر رونے پیٹنے لگی' میری ماں دس بچوں کی ماں تھی اس

لیے وہ کسی کے بھی رونے کی پروانہ کیا کرتی تھی' ایک آدھ بچے کی ہڈی بھی ٹوٹ جائے تو بھی اسے زیادہ فرق نہ پڑتا تھا' بہرحال میں نے گھر میں اپنے رونے سے ہنگامہ مچادیا تھا۔

میری ماں آخر تنگ آگئی' اس نے مجھ سے رونے کی وجہ پوچھ ہی لی' اسے میرے رونے کی فکر اتنی زیادہ نہ تھی گھر میں شور کی وجہ سے ہونے والے سر درد کی وجہ سے اسے مجھ سے میرا مطالبہ پوچھنا ہی پڑا تھا۔

میں نے بھی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکول جانے کی فرمائش کردی' بس پھر کیا تھا' ماں نے اتاری جوتی اور میرے بدصورت چہرے کو مزید بدصورت کردیا تین روز تک میں اپنا سوجا ہوا ہونٹ اور آنکھوں سے ذرا اوپر نیلے رنگ کے نشان کو ہی دیکھتی رہی..... مگر میں نے بھی طے کرلیا تھا کہ اب اسکول جا کر ہی دم لوں گی' میں ہر روز اسی طرح سے رونا ڈال کر بیٹھ جاتی اور ماں تنگ آ کر مجھے مارنے لگتی' وہ ہر بار بس یہی کہتی کہ یہاں تجھے کما کر کھلانے میں میری ہڈیاں گھستی جارہی ہیں اور تجھے اسکول کا جن چڑھا ہے۔ میں بھی کہاں چپ چاپ سنتی تھی تنک کر کہتی۔

''ماں تو کب مجھے کما کر کھلاتی ہے' میں خود جھاڑو پوچا کرتی ہوں اور اپنی پڑھائی کے لیے بھی میں خود ہی کما لوں گی چاہے میری بھی ہڈیاں کیوں نہ گھس جائیں۔''

تین ماہ کی ضد اور روز روز کی مار کے بعد بالآخر میری ماں نے مالکن کے سامنے رونا ڈال دیا کہ وہ مجھے سمجھائیں کہ میں اپنی ضد چھوڑ دوں مالکن پڑھی لکھی سمجھدار خاتون تھیں' انہوں نے مجھے تو کچھ نہ سمجھایا البتہ میری ماں سے کہا کہ مجھے سرکاری اسکول میں داخل کروادے یوں ان کا خرچ بھی کم ہوگا اور میرا شوق بھی پورا ہوجائے گا۔

میری ماں جو میری ضد کی وجہ سے پہلے ہی تنگ تھی اسے مالکن کا مشورہ غنیمت لگا مگر اسکول داخل کروانے سے پہلے اس نے مجھ سے پہلے ہی مک مکا کرلیا کہ میں اپنا کوئی کام نہیں چھوڑوں گی' آدھا کام صبح سویرے اٹھ کر اسکول جانے سے پہلے کروں گی اور باقی کا اسکول سے آتے ہی' میں بھی اتنی خوش تھی کہ مجھ سے اگر ماں کہتی کہ اسکول کے بدلے سارا دن اور ساری رات کام کرمیں تب بھی کرتی۔

❁.....❁.....❁

میرا داخلہ اسکول میں میری ماں نے کروا دیا تھا اور اسکول جانے سے ایک دن پہلے ہی میں نے اپنی تمام چیزیں بھی پوری کرلی تھیں مالکن کی بیٹی سے اس کا پرانا پھٹا ہوا اسکول بیگ لیا ایک آدھ پینسل بھی لے لی پھر ان کے کچن میں گھس کر پرانا سامان کھنگالنے لگی۔ مجھے یاد تھا کہ ایک دفعہ مالکن نے اپنے بیٹے کی ٹوٹی ہوئی پانی کی بوتل اور ٹفن کا ڈبہ مجھے کچرے میں پھینکنے کے لیے دیا تھا جسے میں نے ان کے کچن کی ہی ایک الماری میں پرانے برتنوں کے ساتھ سنبھال کر رکھ دیا تھا تاکہ جب میں اسکول جانے لگوں تو ان کو ساتھ لے جاؤں' اپنے گھر اس لیے نہ لے گئی کہ مجھ سے چھوٹے چار بہن بھائی ان ٹوٹی چیزوں کو مزید توڑ دیتے' اسی طرح ادھر اُدھر سے جیسے تیسے کرکے کتابیں، یونیفارم اور جوتوں کا بھی بندوبست ہوگیا تھا کچھ چیزیں سرکاری اسکول والے خود بھی فراہم کردیتے تھے۔

بہر حال ساری رات میں اپنے اسکول جانے کی خوشی میں سو نہ سکی' جانے کیا کیا خواب بنتی رہی اور صبح چار بجے مرغے کی پہلی بانگ پر اٹھ بیٹھی کہ مجھے اپنا آدھا کام پہلے ہی نمٹانا تھا۔ جیسے تیسے میں نے اپنے کام نمٹائے اور پھر بڑے شان سے اسکول کی تیاری کرنے لگی' اپنے تیل لگے بالوں کی دو چوٹیاں بنائیں پانی کی بوتل میں پانی بھرا جس سے پانی کے قطرے گرنے لگے مگر میں نے پروا نہ کی معمولی قطرے گرنے کی خیر تھی' ٹفن جو پوری طرح سے بند نہ ہوتا تھا کہ اس کا لاک ہی آدھا ٹوٹا ہوا تھا اس میں' میں نے رات کی بچی آدھی روٹی پر مالکن سے لیے ہوئے اچار کی ایک پھانک رکھی اور اسے بیگ کے اندر کی سب سے چھوٹی زپ کھول کر اندر گھسا دیا تا کہ ٹفن بند رہے اسے کھلنے کے لیے جگہ ہی نہ ملے' اپنی اس سمجھداری پر میں شاد بھی ہوئی تھی۔ دل میں خیال آیا تھا کہ واہ..... واہ ساجدہ ابھی تو تو اسکول گئی بھی نہیں اور دیکھ کتنی ذہین ہوگئی ہے۔

بہر حال اپنی تیاری مکمل کرتے کمر پر بستہ لٹکائے بالکل ویسے ہی جیسے مالکن کی بیٹی لیتی تھی' میں پیدل اسکول کے لیے نکلی' سارے راستے خوشی کے مارے میرے چھوٹے چھوٹے پیلے دانت اندر ہی نہ گئے تھے' ویسے تو میں نے انگلی سے رگڑ رگڑ کر صبح ہی اپنے دانتوں کو صاف کیا تھا مگر برسوں کی پیلاہٹ ایک دن میں کہاں دور ہوتی۔

جب اسکول میں قدم رکھا تو نہال ہی ہوگئی' اتنا بڑا میدان دیکھ کر تو میرا دل بلیوں اچھلنے لگا' سوچا کہ پڑھائی کے بعد میدان میں خوب کھیلوں گی۔ مجھے پڑھائی کے لیے کہاں بیٹھنا ہے یہ تو پتا ہی نہ تھا' نہ مجھے کسی نے بتایا ہاں مالکن نے کہا تھا کہ جو پوچھنا ہو مس سے پوچھنا' اسکول میں مس کو پہچاننا مشکل نہ تھا' ہاتھ میں ایک کتاب اور ڈنڈا لیے' اچھے کپڑے پہنے ہوئی عورت کو مس کہتے ہیں اتنا تو مجھے پتا ہی تھا اب میں اتنی بھی گنوار نہ تھی کہ مس کو نہ پہچانوں۔

بس پھر کیا تھا' مجھے جو مس نظر آتی میں اس سے پوچھتی وہ آگے سے مجھے جھڑک دیتی' جب کافی دیر مجھے یونہی جھڑکیاں کھاتے گزر گئی تو ایک عورت مجھے میری ماں سے کچھ ملتی جلتی نظر آئی' پرانے کپڑے اور سانولے رنگ والی۔ میں نے اس کی منت شروع کردی کہ مجھے بتاؤ مجھے کہاں بیٹھنا ہے' مالک کے گھر میں ٹی وی دیکھنے سے مجھے یہ بھی پتا تھا کہ کلاس کیا ہوتا ہے مگر مجھے یہ نہیں پتا تھا کہ میری کلاس کون سی ہے۔

اس نے بھی مجھے دور کونے کی طرف اشارہ کر کے بھیج دیا کہ وہاں چلی جاؤ' وہاں گئی تو سب کو اپنی عمر سے بڑا پایا' میں اگر دس سال کی تھی تو وہ سب چودہ سال کی تو تھیں۔

استانی آئیں تو ان کو معلوم ہی نہ ہوا کہ میں بھی کلاس میں موجود ہوں..... وہ آتے ہی اپنی کرسی پر بیٹھیں اور نیم دراز ہوتے ہی آنکھیں موند کے سو گئیں' ہاں مگر سونے سے پہلے حکم جاری کر دیا کہ کسی کی آواز تک نہ آئے۔

سب لڑکیاں کھسر پھسر کرنے لگیں میں جو نئی اور انجان تھی سہم کر ان کو دیکھنے لگی جو کبھی میری چوٹی کھینچ دیتیں تو کبھی میری ٹوٹی بوتل سے برستے ٹپ ٹپ پانی کو مجھ پر بارش کی طرح برسا دیتیں۔ کچھ وقت گزرا تو ایک اور مس آئی' پرانی اٹھ کر چلی گئی اور دوسری آگئی' وہ اپنے ساتھ ٹفن کا ڈبہ لائی تھی جسے کھول کر وہ اپنے لیے لایا ہوا کھانا کھانے لگیں اور میں حیران ہو کر اسے دیکھتی رہی۔ یوں ہی کرتے کراتے چھٹی ہوگئی اور مجھے کسی نے ایک لفظ بھی نہ پڑھایا' ہاں بس چھٹی تک مجھے اپنی ہی کلاس میں بیٹھی ایک لڑکی سے معلوم ہوگیا تھا کہ میں جس کلاس میں بیٹھی تھی وہ ساتویں جماعت تھی۔

گھر آنے کے بعد میں سیدھا مالکن کے گھر گئی اور اپنے کام نمٹانے لگی' مالکن نے یوں ہی رسماً مجھ سے اسکول کا حال پوچھا تو میں نے بھی سارا قصہ سنا دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ بی بی جی میں تو آپ کے بچوں سے بھی زیادہ ذہین ہوں' آپ کے بچے اتنے سال پڑھنے کے بعد بھی پانچویں تک نہیں پہنچے جبکہ میں ابھی سے ساتویں جماعت میں ہوں۔

مجھے آج بھی یاد ہے کہ مالکن نے مجھے تاسف اور

حیرانی سے دیکھا پھر پورے دس منٹ مجھے سمجھایا کہ کل میں اسکول میں جا کر کچی جماعت میں بیٹھوں کیونکہ مجھے تو ابھی الف اور بے بھی نہیں آتی۔

❀.....❀.....❀

اگلی صبح میں اسی جوش و خروش سے اپنا کام نمٹاتی' تیار ہوتی اسکول پہنچ گئی آج بھی دو استانیوں سے جھڑکی ملی پھر اسی کل والی اماں جیسی عورت سے کہا کہ مجھے کچی جماعت میں بٹھا دے اس نے بھی آج مجھے جھڑک دیا کہ اس کے پاس وقت نہیں' اسے بہت کام ہے مگر میں بھی رونے بیٹھ گئی۔ اس نے زچ ہو کر مجھے کچی جماعت تک پہنچا دیا یہاں مجھے سب اپنی عمر سے چھوٹی بچیاں ملیں جو مجھے دیکھتے ہی آپا آپا پکارنے لگیں۔ میں بھی ضبط کیے بیٹھی رہی پھر استانی صاحبہ آئیں اور سب کو کتابیں کھولنے کا کہا میں شاد ہی ہو گئی کہ آج کچھ سیکھنے کو ملے گا' پھر استانی سب سے سبق سننے لگیں' میری باری آئی تو مجھے کہا کہ "ں" والا سبق سناؤ اور میں گنگ اسے دیکھتی رہی۔ ارے بھئی کون سا سبق اور کیسا سبق؟

بس پھر کیا تھا استانی نے ڈنڈا اٹھایا اور میرے ہاتھ لال کر دیے۔ میں ٹسوئے بہاتی رہی مگر اس نے میری ایک نہ سنی' دوسری مس آئی تو صد شکر اس نے کوئی سبق نہیں سنا بلکہ اپنی نیند پوری کی۔ اسی طرح دوسرا دن بھی گزر گیا اور اسی طرح پورا ایک ہفتہ بھی۔

ایک ہفتے بعد میری یہ حالت تھی کہ مجھے اسکول سے خوف سا آنے لگا تھا' جانے مس کون سا سبق سنانے کو کہتی تھی اور جب میں خاموش ٹکر ٹکر اسے دیکھتی تو وہ مجھے یوں ہی لال پیلا کر دیتیں۔ ایک ہفتے بعد میں اسکول نہ جانے کے بہانے ڈھونڈنے لگی پر ماں تھی کہ مجھے زبردستی اسکول چھوڑ آتی' اب میں داخل ہو ہی گئی تھی تو وہ کہتی تھی کہ اب کچھ پڑھ لکھ جاؤں کچھ اس کی اپنی بھی غرض تھی کہ میرے اسکول میں جاتے ہی سب نے اسے سراہا بھی اور ہماری برادری میں اس کی ناک اونچی ہو گئی تھی کہ اس کی بچی اسکول جاتی تھی۔

aanchalpk.com

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

لفظ لفظ منگامے سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبو ہے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

اب الٹی ہی گنگا بہنے لگی' میں تھی کہ روتی تھی مجھے اسکول نہیں جانا مجھے استانی مارتی ہے اور ماں تھی کہ مار مار کر اسکول پہنچاتی' مہینہ بھر ایسے چلتا رہا تو میں نے بھی نیا راستہ ڈھونڈ لیا ماں مجھے اسکول چھوڑ کر جاتی اور اس کے جاتے ہی میں اسکول سے نکل جاتی' سارا دن قریب کے کھیتوں میں چھپی رہتی اور چھٹی کے وقت مالکن کے گھر کام کاج کے لیے پہنچ جاتی' چھٹی کا اندازہ مجھے کھیتوں میں تب ہوتا تھا جب وہاں سے کچھ بچے بستہ لیے گزرتے تھے تب مجھے پتہ چل جاتا کہ اب کھیتوں سے نکلنے کا وقت آپہنچا ہے۔

چھ ماہ یوں ہی گزر گئے مگر میری بدقسمتی ایک دن جانے کہاں سے دور پرے کی رشتے دار ماسی گھر آگئی جس کے سامنے ماں میری اسکول کی شوخی مارنے لگی تو وہ جلن کے مارے سہہ نہ سکی' اس دور پرے کی میری ماسی نے مجھے بلوالیا اور کہا کہ اب تک الف ب تو سیکھ لی ہوگی چلو الف ب سناؤ' خدا برباد کرے اس کم بخت کو خود تو اس نے بھی کبھی اسکول کی شکل نہ دیکھی تھی مگر چلتے پھرتے الف ب سیکھ لی تھی یہ اور بات ہے کہ الف ب بس "خ" تک آتی تھی اسے وہ بھی بیچ میں چھوڑ چھاڑ کر گنتی اسے پورے دس تک آتی تھی اور انگریزی میں تو واہ واہ کر کے پورے تین لفظ آتے تھے۔ اے بی اور سی۔

وہ اتنی پڑھی لکھی نہ ہوتی تو میں کچھ بھی اول فول بک دیتی کوئی بھی چوں چاں چیں سنا کر کہتی کہ یہ الف بے ہے مگر میری بری قسمت اس بار بھی بری ہی نکلی تھی۔ اب جہاں ماں میرے منہ سے الف بے سننے کے لیے تیار بیٹھی تھی وہ بھی فخریہ انداز میں گردن تانے وہاں میں دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کر رہی تھی۔

وہ ماسی بھی زور دینے لگی کہ میں اسے فٹ سے الف ب سناؤں اور میں نے سنایا بھی' پہلے کہا "الف" پھر طویل وقفے کے بعد کہا "ب" اس کے بعد میرے حلق سے حرف تک نہ نکلا البتہ ماسی کے منہ سے طنزیہ قہقہہ اور ماں کے ہاتھ سے تھپڑ نکلا ماں ان پڑھ سہی مگر یہ تو سمجھ ہی رہی تھی کہ مجھے جو سنانے کو کہا گیا ہے وہ مجھے نہیں آتا..... وہ بے چاری شرمندہ سی منہ ادھر ادھر چھپا رہی تھی کہ ماسی کو تاؤ چڑھا کہنے لگی گنتی سناؤ۔

اس بار مجھے کچھ حوصلہ ہوا' گنتی تو مجھے کچھ نہ کچھ آتی تھی جو پورا مہینہ میں نے اسکول میں گزارا تھا اس میں اپنی ساتھی دوست سے گنتی سیکھ لی تھی۔ چلو ماسی کا منہ بند کرنے کے لیے کچھ تو کافی ہوگا۔ میں نے پورے اعتماد سے گنتی سنانا شروع کی۔

"اکڑ' بکو' بمبے بو' اسی پورے نوے سو سے نکلا دھاگا' چور نکل کے بھاگا۔"

بس پھر کیا تھا ماسی زور زور سے ہنسنے لگی اور میری ماں کے چہرے پر تپش بڑھتا گیا' ماسی بھی بڑی ہی کوئی بس کیا کہوں خدا برباد کرے جانے کیوں دشمن بنی بیٹھی تھی' جانے کیوں اسے میرے اس حال پر مزہ آرہا تھا بلکہ میرے حال سے زیادہ اسے ماں کا شرمندہ چہرہ دیکھ کر مزہ آرہا تھا اس نے پوری برادری میں میری پڑھائی اور اسکول کا قصہ بھی تو سنانا تھا' وہ ناک کاٹنے پر آئی تو جڑ تک ناک کاٹ کر ہی جانا چاہتی تھی کہنے لگی اب انگریزی سناؤ' ہوسکتا ہے چھ ماہ میں تم انگریزی سیکھ لی ہو۔

مجھ معصوم کو کیا خبر کے انگریزی کیا چیز ہے میں بھی بول اٹھی۔ کون سی انگریزی تو وہ بھی تنک کر کہتی کہ اے بی سی والی انگریزی اور بھلا کون سی انگریزی۔ میں نے بھی بھول پن سے اسی کے لفظ چرا کر بولنے کی کوشش کی کہ شاید جان بچ سکے۔ اے بی سی۔

بس ان تین لفظوں کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں' سوائے اس کے کہ ماسی نے ہنس ہنس کر پیٹ پکڑ لیا تھا اور اماں نے جوتے میرے سر پر برسانا شروع کر دیے تھے۔ مار کھا کھا کر میں کب آدھ موئی ہو کر وہیں سو گئی مجھے پتا ہی نہ چلا' البتہ اگلے دن سے ماں نے کہہ دیا کہ کوئی ضرورت نہیں اسکول جانے کی جس کا مجھے رتی برابر بھی افسوس نہ ہوا بلکہ میں تو دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ بھلا ہو اس ماسی کا کہ میری جان چھڑوادی روز کے اس عذاب سے' دھوپ میں

جانے کہاں کہاں مجھے کھیتوں میں چھپنا پڑتا تھا ویسے تو میں اسکول میں بھی کہیں چھپ سکتی تھی مگر مجھے استانی کے ڈنڈوں سے بڑا ہی خوف آتا تھا۔

اگلے دن جب مالکن نے میری سوجی نیلی شکل ایک بازو اکڑا ہوا اور مجھے لنگڑاتا ہوا چلتا دیکھا تو میری ماں کو ڈپٹنے لگی تو ماں نے بھی میری نالائقی کی داستان سنادی تب مالکن نے اکیلے میں مجھ سے پوچھا کہ چھ ماہ میں نے اسکول میں کیوں نہ کچھ سیکھا تو میں نے بھی انہیں ہمدرد جان کر سارا حال سنا ڈالا..... جانے کیوں اس پل مالکن کو مجھ پر رحم سا آیا وہ بولیں کہ جس وقت وہ روز اپنے بچوں کو پڑھاتی ہیں میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ جایا کروں اور پڑھ لیا کروں۔

بس پھر کیا تھا میں نے بھی روز مالکن سے پڑھنا شروع کردیا اور کئی سالوں میں بس اتنا ہی پڑھ سکی کہ اردو لکھ بھی سکتی ہوں اور پڑھ بھی' گنتی آتی ہے اور کچھ جمع تفریق بھی انگریزی میں اے بی سی چھوٹی بڑی دونوں لکھ سکتی ہوں..... بہت زیادہ نہ سیکھ پائی کہ کام کا بوجھ بھی بہت تھا اور پھر ماں نے جوان ہوتے ہی میری شادی بھی کردی تھی۔

شادی کے سات سال بعد ایک اکلوتا بیٹا ہوا جو اب چار سال کا ہے اور جسے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانے کی میری شدید خواہش ہے مگر حیثیت نہیں پھر وہی سرکاری اسکول کا مشورہ ملا تو میرا کلیجہ تک کانپ گیا۔ میں اپنی ننھی جان کو ڈنڈے کھانے کے لیے نہیں چھوڑ سکتی تھی مگر پھر پتا چلا کہ اب ماحول بدل گیا ہے' میں نے بھی دل کو مضبوط کیا اور بیٹے کو اسکول میں داخل کروا دیا۔ اسے جو کتابیں دی گئیں وہ دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئیں' ایک کتاب پر لکھا ہوا تھا دوسری جماعت کے بچوں کے لیے' ایک پر لکھا تھا تیسری جماعت کے بچوں کے لیے اور ایک تھی کہ تصویریں بنانے کی کوئی کتاب تھی۔

اتنا تو مجھ ان پڑھ کو پتا تھا کہ میرا بچہ جسے ابھی کچھ نہیں آتا جس کی بنیاد بنانے کی ضرورت ہے بالکل ویسے ہی جیسی میری مالکن نے بنائی تھی وہ بھلا پہلی، دوسری، تیسری جماعت کی کتابیں کہاں پڑھ سکتا ہے؟ میں بھاگی بھاگی استانی کے پاس گئی وہ قیمتی کپڑے پہنے گردن اکڑائے بیٹھی تھی۔

میں نے لاکھ کہا میرے بچے کو اس کی عمر کے مطابق کتابیں دو مگر میری ایک نہ سنی گئی الٹا جواب آیا کہ تو ان پڑھ ہے تجھے کیا پتا بھلا کورس کی کتابوں کا' یہی کتابیں ہی ہوتی ہیں اور ایسے ہی پڑھایا جاتا ہے۔

میرا بچہ جسے پینسل پکڑنا نہیں آتا وہ روز بستے میں دوسری تیسری جماعت کی کتابیں لے کر جاتا ہے اور وہ کیا پڑھ کر آتا ہے یہ آپ اندازہ کر ہی سکتے ہیں۔

اب میرا سوال آپ سب سے ہے کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں؟ استاد تو تسلیاں سنوار دیتے ہیں مگر ہمارے سرکاری اسکولوں کے استاد جانے کیوں اپنی ذمہ داری نہیں نبھا رہے میں سب کی بات نہیں کرتی کچھ اچھے بھی ہوں گے مگر وہ اچھے ہم ڈھونڈیں کہاں؟ میں کچھ پڑھ جاتی تو شاید کچھ بن جاتی اور اس غربت سے نجات مل جاتی مگر استانی کے ڈنڈوں نے مجھے آج تک کام والی ماسی کی حیثیت پر ہی رکھا' اب کیا میرا بیٹا بھی کبھی کچھ بن نہیں پائے گا سنا ہے ہزاروں میں تنخواہ ملتی ہے استادوں کو' اپنی تنخواہ کا وہ آدھا بھی حلال کریں تو جانے کتنے بچے پڑھ لکھ کر اپنا مستقبل سنوار لیں۔

بہرحال یہ تو تھی میری داستان اب کیا مستقبل میں میرے بیٹے کی بھی یہی داستان ہوگی؟

اقرار کا موسم

سمیرا سرفراز

بات اتنی بڑی نہیں تھی جتنی اس گھر میں بنادی گئی تھی' تبریز کہہ کر پچھتایا' بھلا اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے اسے شاہانہ پھوپو کی ہی مثال ملی تھی؟ اس کے منہ سے شاہانہ پھوپو کا ذکر سن کر ایک پل کو تو دادو اور امی حیرت سے کچھ بول ہی نہ سکیں' تبریز کو یقین تھا کہ ایک دفعہ تو دادو کو یاد بھی نہ آیا ہوگا کہ وہ کس شاہانہ کا ذکر کر رہا ہے مگر امی کی یادداشت غضب کی تھی' نہ واقعات بھولتیں' نہ نام' نہ عمر' نہ سن' ان کے سامنے تو کوئی اپنی عمر کا ایک مہینہ کم نہ کر سکتا تھا کجا کہ یہ اتنی بڑی شاہانہ پھوپو۔

''پانچ سال کے تھے تم اس وقت، جب تمہاری شاہانہ پھوپو نے یہ گل کھلایا تھا۔'' امی نے شاہانہ پھوپو کو جبڑوں کے درمیان رکھ کر دبایا' تبریز کان کھجا کر رہ گیا۔

''ہاں تو آپ لوگوں نے ہی ہزار بار بتایا تھا کہ انہوں نے پسند کی شادی کی تھی' میں کب کہہ رہا ہوں کہ میں نے ان کے ولیمے کی دیگیں کھائی تھیں۔'' اس نے اگلے ہی لمحے منمنا کر وضاحت کی اور بھلا اسے ضرورت بھی کیا تھی کہ وہ شاہانہ پھوپو کا ذکر کرتا' وہ تو دادو نے ہی اسے جوش دلایا تھا یہ کہہ کر۔

''ہمارے خاندان میں آج تک کسی نے پسند کی شادی نہیں کی۔''

''کیوں دادو' شاہانہ پھوپو نے بھی تو کی تھی ناں پسند کی شادی؟'' بھلا ہو امی سے وراثت میں ملی اچھی یادداشت کا جو تبریز نے جھٹ دارو کو یاد دلایا۔ ''خاندان میں پسند کی شادی'' بس جب سے دونوں ساس بہو نیچے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔

''تجھے بڑی یاد آئی وہ دور پرے کی پھوپو' تیری سگی دونوں پھوپیوں میں سے کس نے کی پسند کی شادی؟ اور ان کو چھوڑ' تیرے باپ کو نہیں کرنے دی میں نے پسند کی شادی، تو تُو نے کیسے سوچ لیا۔'' دادو کی توپوں کا منہ کھل گیا' ابو کے ذکر پر امی پہلو بدل کر رہ گئیں' اس موضوع پر تو ابو بھی کھسیا جاتے تھے۔

ادیبہ آنٹی، ابو اور دادو کی فیملی فرینڈ عشرت آنٹی کی ایم اے پاس لیکچرار بیٹی' سانولی سلونی' رکھ رکھاؤ والی' ناک پر دھرا چشمہ' ادھر ابو بھی کم خوبرو نہ تھے مگر نہ ہی دادو مانیں نہ ہی خود ادیبہ آنٹی' وہ دادو کی لمبی زبان اور ابو کی حاکمانہ طبیعت' دونوں سے بدکتی تھیں' سو معاملہ لٹک گیا دادو نے ایکشن لیا اور جھٹ ابو کی شادی امی سے کر دی مگر وہ اس وقت کی بات تھی جب اولاد ماں باپ کے فیصلوں پر سر جھکاتی تھی۔

تبریز آج کا لڑکا تھا' لیکن وہ یہ بھول رہا تھا کہ وہ بے شک آج کے دور کا تھا مگر دادو وہی تھیں' اسی زمانے کی دبنگ' زور آور' سو مقابلہ رسہ کشی زور و شور سے جاری ہو گیا تھا۔

''بھلا بتاؤ' ہم اس شاہانہ کو یاد نہیں رکھنا چاہتے' اس زمانے میں ایسی خودسر لڑکی' ماں نے پارلر بھیجا کام سیکھنے' اس نے دوسرا ہی کام سیکھ لیا' راستے میں آتے جاتے چکر چلا لیا اور اڑ گئی کہ شادی کرے گی تو اس صلاح الدین سے' بس اس کے پیسے پر ریجھ گئی تھی۔'' دادو نے تلخی سے ان کا ذکر کیا۔

''ارے چھوڑیں اماں، اس شاہانہ کو مجھے تو بڑی بھابی اور بھیا جی کی فکر ہو رہی ہے' بچپن سے وہ تابندہ کے لیے تبریز کو سوچے بیٹھی ہیں اور اس نامراد کو بھی میں نے بتا دیا تھا' مگر نہیں' انہیں 'سی اے' کر کے زیادہ پر لگ گئے ہیں۔'' امی نے اپنے جیٹھ جٹھانی کا ذکر کیا' شکر تھا کہ وہ لوگ دروازہ بند کر کے دادو کے کمرے میں بیٹھے تھے' ورنہ ایک گھر میں رہتے ہوئے یہ بھلا ممکن تھا کہ وہ نہ سنتیں' تابندہ کے ذکر پر تبریز نے منہ بنایا۔

''امی آپ تابندہ کو بیچ میں نہ لائیں' بچپن میں بات مجھ سے پوچھ کر تو نہیں طے کی تھی ناں آپ لوگوں نے؟

میرے بڑے ہونے کا تو انتظار کرلیتیں' ہر انسان کی اپنی سوچ اپنا آئیڈیل ہوتا ہے' مجھے ضوفشاں پسند ہے بس۔'' اس نے ایک بار پھر اپنا مدعا دہرایا۔

''میاں..... تمہیں ضوفشاں پسند ہو یا گلفشاں' ہمارے گھر میں کیسی لڑکی آئے گی یہ ہم تم سے بہتر جانتے ہیں اور خود تم' اول درجے کے لاپروا' سست' خیر سے نوکری پر لگ گئے ہو مگر عادتیں وہی اسکول کے بچوں والی ہیں' جوتے اتار کے ہوا میں نہ اچھالو تو تمہیں گھر آجانے کا یقین ہی نہیں آتا' تمہاری بلا سے وہ ہوا میں اچھلتا جوتا کسی کے منہ پر لگے یا ٹنڈ پر۔'' دادو پھر دھاڑیں' تبریز کا سر چکرانے لگا پھر وہی اس کی معصوم عادتوں کا ذکر۔

''اسی کے سر پر لگے گا ایک دن' تب چھوڑے گا یہ بیہودگی اور وہ ہاف فرائی انڈے کو ڈبل روٹی میں لپیٹ کر چائے میں بھگو کر کھانا' اف..... تمہاری وہ سی اے پاس ضوفشاں برداشت کرے گی یہ حرکتیں' کل بھی تابی کہہ رہی تھی کہ چچی تبریز کے ناشتے کے برتن میں سب سے آخر میں دھوتی ہوں ورنہ ہر برتن میں ایک ہیک سی آجاتی ہے۔'' تبریز کا دماغ گھوم گیا' اب تابندہ ظفر کون ہوتی تھی اس کے پسندیدہ ناشتے پر تنقید کرنے والی۔

''ہاں تو اس کو بولیں ہاتھ نہ لگائے میرے برتنوں کو دھو کر احسان کرتی ہے کیا؟'' تبریز کو غصہ آ گیا۔

''وہ ہاتھ نہ لگائے تو کون کرے گا یہ سب' اکیلی نے سارا گھر سنبھالا ہوا ہے' تمہاری ضوفشاں تو بس تمہیں سنبھال لے گی' ہمیں کیا پتا نہیں آج کل کی لڑکیوں کا دیکھو وہ تمہاری پھوپو کا روحی کیسا فرماں بردار تھا شادی ہوئی نہیں اور بیوی کا غلام ہو گیا' وہ چھٹانک بھر کی لڑکی اس چھ فٹے کو اشاروں پر نچا رہی ہے' آئے دن کا رونا ہے اس کا۔'' اسے غصہ تو کیا آنا تھا' سعدیہ بھابی کا تصور ذہن میں آ گیا' چھوٹا سا قد' چھوٹی سی جسامت' چھوٹا سا منہ اس پر روحیل کا لمبا چوڑا کی چین کی طرح گھومتا ہوا جو دنہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا اٹھا امی نجانے کیا سمجھیں۔

''بس میں آج بھیا بھابی سے فائنل بات کرنے والی ہوں' تابندہ کے لیے۔'' تبریز کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔

''جی نہیں' کوئی بات وات نہیں ہو رہی' میں نہیں کروں گا تابندہ سے شادی' گھر سے بھاگ جاؤں گا۔'' اس نے دھمکی امی کو دی مگر اس کی بلند آواز کوریڈور سے گزرتی تابندہ نے بخوبی سنی تھی' ایک ٹھیس لگنے کا احساس ہوا مگر اگلے پل اس کی انا نے خودرو پودے کی طرح سر ابھارا اور وہ غصے میں واپس پلٹ گئی۔ تبریز اپنی بات کہہ کر چلا گیا تو امی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''تم پریشان مت ہو دلہن اور ہتھیلی پر سرسوں نہ جماؤ میں نے اس کے باپ کو بھی سیدھا کر دیا تھا اس کا بخار بھی چند دنوں میں اتار دوں گی' خاموشی طاری کرلو' یہ خود آ کر تابی کے لیے نہ کہے تو میرا نام بدل دینا۔'' دادو نے کسی منجھے ہوئے 'ولن' کی طرح پراسراریت سے کہا تو امی نے چونک کر ان کو دیکھا مگر خاموش ہی رہیں' دادو کی صلاحیتوں پر انہیں پورا بھروسا تھا۔

❁.....❁.....❁

سعدون کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں' کارڈ چھپنے جانے تھے' تائی امی کا ارادہ تھا کہ سعدون کے ولیمے والے دن تابندہ بھی رخصت ہو جائے اور اس نے کون سا رخصت ہو کر کہیں دور جانا تھا اسی گھر کے دوسرے حصے میں ہی تو جاتی' تبریز ان کا چہیتا' خوبرو' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سب سے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کا پلا بڑھا تھا' ان کی ذمہ دار اور پیاری سی بیٹی کے لیے اس سے اچھا جوڑ اور کون ہو سکتا تھا؟

بات تو بچپن سے ہی طے تھی' اس لیے دونوں نندوں نے بھی اپنے بیٹوں کے لیے دست سوال دراز نہ کیا تھا' دونوں کے بڑے بیٹے شادی شدہ تھے' چھوٹے تابندہ سے بھی چھوٹے تھے' لڑکیوں میں صرف خود تبریز کی بہن عاتکہ اس سے بڑی تھی اور شادی شدہ بھی' باقی سب اس سے چھوٹی تھیں چاہے وہ تابندہ یا تانیہ ہوتیں یا یمنہ اور بسمہ پھوپو کی عروہ اور عفرہ مگر تبریز اور تابی کے رشتے کی بات سب کے علم میں تھی اس لیے خاندان کی سب لڑکیاں اسے

بھابی ہی سمجھتی تھیں۔

بات مشکل بھی نہ تھی' تابی ایم اے کر چکی تھی' تبریز بھی اے کر کے بہت اچھی جگہ نوکری کر رہا تھا' اب صرف شادی کے بارے میں ہی سوچا جا سکتا تھا' برسوں پرانی بات کے اعادے کا وقت تھا مگر تبریز نے سب کے خوابوں کو چکنا چور کر دیا تھا۔ بی اے میں ضوفشاں اس کے ساتھ پڑھتی تو شروع سے تھی مگر یہ 'محبت اور پسند' والا معاملہ پچھلے ایک سال سے شروع ہوا تھا۔

خوب صورت' طرح دار' نک چڑھی سی ضوفشاں اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ابا جی 'اسپارکو' میں بحیثیت سائنسدان کام کرتے تھے' اماں اس کی گائنا کولوجسٹ تھیں' بھائی انگلینڈ میں پڑھتا تھا خود وہ تبریز کے ساتھ سی اے کر رہی تھی اور ظاہر ہے 'سی اے' کر کے وہ 'بی اے' والے کام تو ہرگز کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر تبریز صاحب کو کون سمجھاتا' ایک لڑکی نے ان سے ہنس کر بات کی نہیں اور وہ لگے خوابوں کی بیل کو پانی دینے۔

تابی اور اس کے رشتے میں کسی جذبے کو دخل نہیں تھا تابندہ کم گو تھی' اس نے کبھی خاندان کے کسی لڑکے سے ہنس کر باتیں نہیں کی تھیں' تبریز کو بھی اس لاٹھی سے ہانکا تھا سو وہ خوش فہم ہوتا بھی تو کیسے؟ جو لڑکی آتے جاتے اسے اس کی لاپرواہیوں پر لتاڑتی ہو' رعب سے نام لے کر بلاتی ہو' جسے وہ ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک دیکھتا آ رہا تھا' جس کے چہرے کے زاویے سے وہ اس کا موڈ پہچان لیا کرتا تھا' سادی چوٹی' سادہ لباس' میک اپ سے بیر باندھے' وہ لمبی دبلی پتلی تابندہ ظفر اسے کبھی قابل توجہ نہ لگی تھی' تبریز کو اس میں کوئی نیا پن نہ لگتا تھا اور سچ یہ تھا کہ اس نے کبھی غور کیا بھی نہیں کیا تھا۔

لیکن ضوفشاں بہار کا جھونکا تھی' جس کے ہر اٹھتے قدم پر تبریز جیسے لڑکوں کا دل دھڑکتا تھا' پٹر پٹر انگریزی بولتی' ادا سے اپنے بالوں کو آگے پیچھے کرتی وہ ہر کسی کی توجہ کی مستحق تھی' تبریز پر اس کی نگاہ خاص تھی' وہ بلاشبہ ہزاروں میں ایک تھا' پڑھنے میں تو اچھا تھا ہی' وجاہت میں بھی بے مثل تھا' اس کی پیشانی روشن تھی' اس کی خاندانی شرافت اس کے چہرے سے چھلکتی تھی' نگاہوں میں ایک جھجک تھی' انداز میں ایک لحاظ اور مروت تھی' ضوفشاں کو اس کے انداز نے ہی چونکایا تھا پھر اس سے شناسائی بڑھی تو اس کی اور خوبیاں بھی ظاہر ہونے لگیں' نوکری ملتے ہی تبریز نے ضوفشاں سے شادی کی بات کی تھی' وہ پہلے حیران ہوئی' پھر کہنے لگی۔

''شادی کی بہت جلدی نہیں ہے تمہیں؟ فی الحال تو پاپا میری شادی کا سوچ بھی نہیں سکتے اور نہ میں' ہماری فیملی میں ان لڑکیوں کو بہت لیٹ ڈاؤن کیا جاتا ہے جو پڑھائی ختم ہوتے ہی شادی کر لیں' میں نے سی اے کیا ہے وہ بھی ہائیسٹ مارکس کے ساتھ مجھے ابھی ہائیر اسٹڈیز کے لیے انگلینڈ جانا ہے' پھر اپنا کیریئر پھر اگر میرا موڈ بنا تو شادی کر لوں گی۔'' اس نے گاگلز اپنے ریشمی بالوں پر ٹکاتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

''ہاں تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ ابھی شادی کر لو' بس انگیجمنٹ کر لیتے ہیں تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ تم اب صرف میری ہو۔'' آخر میں تبریز کا لہجہ سرگوشیانہ ہونے لگا' ضوفشاں کھلکھلائی۔

''اوہ تبریز..... تم بالکل کالج بوائے لگ رہے ہو' یہ ڈائیلاگ بولتے ہوئے۔''

''پلیز ضوفی.....'' تبریز نے اصرار کیا۔

''اچھا بابا' مجھے تھوڑا ٹائم دو' میں سوچ کر جواب دوں گی۔'' ضوفشاں نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''جتنا چاہے ٹائم لو لیکن جواب مجھے ہاں میں ہی چاہیے۔'' تبریز نے اسے نگاہوں کی گرفت میں لے کر مان سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب امی اور دادو نے اسے تابی امی کے ارادے کی خبر دی اور تب سے وہ ان دونوں خواتین کے عتاب کا شکار تھا۔ سعدون کی شادی کی ساری خوشی بھاپ بن کر اڑ گئی تھی' جب سے اسے پتا چلا تھا کہ امی اسے بھی ساتھ نمٹانے کے چکر میں ہیں' سعدون اس کا دوست' تایا ابا کا اکلوتا نور نظر' قابل ڈاکٹر اور خطرناک

حد تک فرماں بردار، وہ عمر میں تبریز سے بڑا بھی تھا۔ اس کی بات انٹر سے اس کی خالہ زاد سے طے تھی، اس کی فرماں برداری بھی تبریز کے لیے طعنہ بن گئی تھی، تابندہ اگر سعدون کی بہن نہ ہوتی تو وہ یقیناً ضوفی کے بارے میں اسے بتا دیتا، مگر اب صورتِ حال یہ تھی کہ امی نے مارے شرمندگی کے سب سے یہ بات چھپائی تھی اور تبریز کو بھی سختی سے تاکید کردی تھی۔

تبریز کی اس دن کی دھمکی اور دادو کے سمجھانے پر امی نے تائی امی سے یہ کہہ کر معذرت کی تھی کہ تبریز ابھی اپنے قدم جمانا چاہتا ہے لہٰذا کچھ عرصہ شادی نہیں کرنا چاہتا مگر باقاعدہ تابندہ کے لیے انہوں نے انکار نہیں کیا تھا تاکہ کسی کی بھی دل آزاری نہ ہو، تائی امی سادہ لوح تھیں، تبریز کو حق پر سمجھتے ہوئے اس کی حمایت کرنے لگیں، امی مطمئن ہوگئیں کہ کچھ عرصے کے لیے ہی سہی یہ بات ٹل گئی تھی۔

وہ دادو کے سر میں تیل لگا رہی تھی اور پاس بیٹھی تانیہ کو ہری ہری سوجھ رہی تھی۔

"تابی..... مایوں سے ایک دن پہلے پارلر چلیں گے، تم پلیز اپنے یہ لمبے سیدھے بالوں سے چھٹکارا پاؤ اور کوئی اچھا سا ہیئر اسٹائل اپنا لو قسم سے لوگوں کے ہوش اڑ جائیں گے۔" تابی نے دادو کی موجودگی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"صحیح کہہ رہی ہے تانیہ، تھوڑی سی تبدیلی سے کچھ نہیں بگڑے گا ان کا، ہم کب کہہ رہے ہیں کہ سارے کٹوا لو۔" دادو نے رخ موڑ کر اپنے ماڈرن مشورے سے اسے نوازا۔

"دادو آپ بھی؟" تابی کو حیرت نے گھیرا۔

"اور ہاں کلینزنگ بھی کروالینا اور فیشل بھی۔" تانیہ، دادو کی شہہ پا کر اور چہکی۔

"کیوں میری شادی ہو رہی ہے؟" تابی کے منہ سے اچانک نکلا۔ دادو نے ٹھنڈی آہ بھری تو تابی کو غلطی کا احساس ہوا کہ کیا کہہ بیٹھی۔

"کس کی شادی ہو رہی ہے بھئی؟" تب تبریز اندر داخل ہوا موڈ خاصا اچھا تھا تب ہی تابی کی موجودگی کو نظر انداز کرتا ہوا وہیں بیٹھ گیا۔ تابندہ کے اندر غصے کی ایک شدید لہر اٹھی مگر وہ خود کو مصروف ظاہر کرتی رہی۔

"یار تتلی..... ایک کپ چائے پلواؤ۔" اس نے ہمیشہ کی طرح تانیہ کا نام بگاڑا۔

"میرا نام تتلی نہیں ہے اور چائے بنانے والے مالش میں مصروف ہیں، نظر نہیں آرہا آپ کو؟" تانیہ کا بھی وہی ہمیشہ والا جواب تھا۔ وہ بی ایس سی کر رہی تھی مگر کام کاج سے کوسوں دور بھاگتی تھی، اب بیزاری سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دادو مالش ہوگئی اور اب میں جا رہی ہوں، شام کا کھانا پکانا ہے۔" اس نے جلدی سے دادو کی برائے نام بالوں کی چوٹی بنائی اور ہاتھ جھاڑتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ تبریز نے اسے دیکھا، ماتھے پر ہمیشہ کی طرح شکنوں کا جال بچھا ہوا تھا، تبریز کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی ہوئی وہ باہر نکل گئی۔

"اللہ اسے ہزاروں خوشیاں دکھائے، ایسی نیک اور فرماں بردار بچی ہے، اب رات تک لگی رہے گی کام میں، کیسی اچھی نوکری ملی تھی اسے اپنے کالج میں مگر ماں اور چچی کا خیال کر کے چھوڑ دی کہ گھر کون سنبھالے گا، یہ تانیہ تو نری جھلی ہے۔" دادو یوں کہہ رہی تھیں جیسے ان کے سوا کمرے میں کوئی نہیں، تبریز خاموش رہا، انہوں نے غلط تو کچھ بھی نہ کہا تھا، اتنی اچھی پوزیشن سے ایم اے کرنا پھر ایک بہترین سیلری پیکیج والی جاب چھوڑ دینا، قربانی تھی اس کی۔

"ایسی بھولی صورت کہ صنم بلوچ بھی طرار لگے، بال ایسے جیسے....."

"ذرا کک چاکلیٹ کیک۔" دادو کی بات منہ میں ہی تھی کہ تانیہ چائے اور لوازمات کے ساتھ نازل ہوئی۔

"ہاں..... ہاں اس کیک جیسی ہی رنگت ہے اس کے بالوں کی۔" دادو نے بات سنبھالی۔ تبریز کو ان کے دماغی توازن پر شک سا ہوا۔

"اور مزاج ایسا جیسے..... کمیل والے دودھ میں ڈوبی گلاب جامن۔" تانیہ نے پھر ٹکڑا لگایا۔ تبریز کا حلق تک میٹھا ہوگیا۔

''اپنی بہن سے کہنا منہ بند کرکے سویا کرے' چیونٹیاں گروہ در گروہ اس پر حملے کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔'' یعنی کہ حد ہی ہوگئی' اتنی مبالغہ آرائی' وہ بدمزہ سا ہو کر اٹھا' تانیہ منہ پھاڑ کے ہنسنے لگی۔

''تیرا دماغ ٹھیک ہے لڑکی' میں اس سے تابی کی تعریفیں کررہی تھی تو نے یہ کیک پیسٹری بیچ میں گھسا کر ساری بات کا ستیاناس کردیا' کیسے دھیان سے سن رہا تھا میری باتیں۔'' دادو نے ایک دھپ لگائی۔

''لو میں نے تو ان کی میٹھے سے پسندیدگی کے سبب یہ سب کہا تھا' مجھے کیا پتا تھا وہ برا ہی مان جائیں گے۔'' تانیہ کو ذرا برابر پروا نہ تھی' دادو سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

❁.....❁.....❁

سعدون کی شادی کی تقریبات شروع ہو چکی تھیں۔ آج مایوں کی رسم تھی اور تابی خلاف عادت پارلر سے بھی ہو آئی تھی اور سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس نے اپنے بالوں کی قربانی بھی دے دی تھی' نئے انداز سے بال کٹوا کر اب وہ واقعی بدلی ہوئی تابندہ ظفر لگ رہی تھی' صاف رنگت' خوب صورت سراپا' بے داغ جلد اور کانچ سی چمکتی براؤن آنکھیں' بس تھوڑی' توجہ کی ہی ضرورت تھی' اس تبدیلی کے پیچھے دو وجوہات تھیں' ایک تو اس کے اکلوتے لاڈلے بھائی کی شادی تھی' دوسرا وہ تبریز کو کسی بھی طور یہ احساس نہیں دلانا چاہتی تھی کہ وہ اس کے انکار سے واقف ہے اور اسے کوئی دکھ پہنچا ہے' بات تھی تو جھوٹ ہی مگر وہ کیا کرتی وہ لاکھ مضبوط ذہن کی مالک سہی' مگر دل وہی نازک لڑکیوں جیسا ہی تھا۔

بچپن سے اپنے ساتھ اس کا نام سنا تھا اس نے' یہ اس کا یقین نہیں عقیدہ تھا کہ تبریز بس اس کا ہے' اس نے کبھی محبت کی پتنگیں بڑھانے کی کوشش نہیں کی تھی نہ ہی دانستہ تبریز کو متوجہ کرنا چاہا تھا' وہ اس کا تھا تو وہ اسے پانے کی کوششیں کیوں کرتی؟ مگر تبریز کے انکار نے اسے بے وقعت کردیا تھا' اس کے اور اپنے رشتے کی حقیقت کو جھٹلایا تھا' وہ تبریز کو اپنے اوپر ہنسنے یا ترس کھانے کا کبھی موقع نہیں دے گی' یہ اس کا خود سے عہد تھا' سو آج مایوں کی تقریب میں وہ الگ پہچانی جارہی تھی۔ باقی لڑکیوں کی طرح وہ سرسوں کا پھول نہیں تھی' مہندی رنگ کی لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس اپنے دراز قد اور لمبے گھرے براؤن بالوں کے ساتھ وہ سب میں نمایاں نظر آرہی تھی' کنٹراس میں لیا گیا آتشی دوپٹا اس کی گوری رنگت کو گلابی تاثر دے رہا تھا' لائٹ پنک لپ اسٹک' پھولوں کے گجرے اور بالیاں یہ تھی اس کی تابندہ ظفر..... دادو نے دیکھا تو نہال ہوگئیں۔

لڑکے سعدون کو اسٹیج تک لارہے تھے' دونوں پھوپھیاں سعدون کے دائیں بائیں خوش باش سی چل رہی تھیں' دوپٹے کا اگلا کونہ اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھائے تبریز سب سے آگے تھا' اس کا چہرہ خوشی کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا' وہ سب سعدون کا ریکارڈ لگا رہے تھے' تبریز نے قہقہہ لگایا تو تابندہ نے چونک کر دیکھا' بادامی رنگ کے اسٹائلش سے کرتے اور سفید پاجامے میں سلیقے سے بال سر پر جمائے وہ اس کی دھڑکنوں سے کھیل رہا تھا' چند لمحے وہ بے اختیار سی اسے دیکھتی رہی' تابی کو رسم کرنی تھی مگر سارے لڑکے جھنڈ کی شکل میں سعدون کے آگے کھڑے تھے' تابی کو جھنجھلاہٹ ہونے لگی' تبریز نے اس طرف متوجہ ہو کر پہلی بار اسے دیکھا تھا' اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ساتھ کھڑی خوب صورت سی لڑکی تابندہ ظفر ہو سکتی ہے' وہ حیران سا اسے دیکھتا رہ گیا' جب تابی نے اس کی محویت نوٹ کی۔

''میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو' یہ مجمع ہٹواؤ مجھے آگے جانا ہے۔'' اس کے لٹھ مار انداز نے تبریز کو یقین بخش دیا کہ وہ تابی ہی تھی' اس نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر اس کے لیے راستہ بنایا' وہ بنا شکریہ ادا کیے آگے بڑھ گئی۔ تبریز کی نگاہوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا کچھ ہی دیر میں وہ بھی اسٹیج پر سعدون کے برابر بیٹھ گیا۔ تابی رسم کر کے اٹھنے لگی تھی جب یمنیٰ پھوپو نے اسے دوبارہ صوفے پر دھکیلا۔

''بیٹھو تابی' سعدون کے ساتھ تصویر تو بنوالو'' سر اور تانیہ

کہاں ہیں۔'' یمنیٰ پھوپو نے وہیں سے ہانک لگائی۔

''ہم یہیں ہیں والدہ ماجدہ مگر ایک بات بتایئے' یہ آپ کی سوچی سمجھی اسکیم تو نہیں کیونکہ اسٹیج پر صرف سعدون بھائی تو نہیں بیٹھے' تبریز بھائی بھی تو بیٹھے ہیں' ویسے آپ میری فوٹو گرافک صلاحیتوں پر بھروسہ کرسکتی ہیں' میں سعدون بھائی کو بعد میں ایڈٹ کردوں گا تاکہ تصویر میں کوئی ایرا غیرہ نظر نہ آئے۔'' یاسر بوتل کے جن کی طرح اچانک حاضر ہوا اور فوٹو گرافی سے پہلے اپنی زبان کے جوہر دکھانے لگا۔ اس کی بات پر جہاں تابی کو سب کی موجودگی سے شرم آئی وہیں تبریز بھی بوکھلا گیا۔ یمنیٰ پھوپو نے اسے ایک دھپ لگائی۔

''زبان بند اور کیمرہ آن۔'' ان کے حکم کی تکمیل میں اگلے لمحے فلیش لائیٹ بکھر گئی' کیا واقعی اتنا آسان تھا اس رشتے سے انکار کرنا جو ایک طے شدہ بات کی طرح سب کے ذہنوں میں تھی' منزل کا حصول اور بھی مشکل نظر آنے لگا۔ کتنی بڑی خاندانی مخالفت کا اسے سامنا کرنا تھا۔ وہ تو ایک امی اور دادو کو ہی قائل نہیں کرپایا تھا اور ادھر ضوفی اسے کوئی واضح جواب نہیں دے رہی تھی جس کی خاطر وہ اس آگ کے دریا میں کودنے کو تیار بیٹھا تھا۔

❁.....❁.....❁

ولیمے کے لیے سب تیار ہورہے تھے جب تبریز امی کے کمرے میں آیا' وہ اکیلی تھیں اور اپنی جیولری کھنگال رہی تھیں' تبریز کی آمد پر سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

''میں نے آج ضوفشاں کو بھی انوائیٹ کیا ہے پلیز امی ایک بار مل لیں' مجھے یقین ہے وہ آپ کو ضرور پسند آئے گی اور آپ کی امیدوں پر پوری بھی اترے گی۔'' اس کے چہرے پر التجا تھی' امی چاہنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکیں' وہ سب مقررہ وقت پر ہال پہنچ گئے تھے' سعدون اور اس کی نویلی دلہن صالحہ کے چہرے پر سچی خوشیوں کے غماز تھا۔

تبریز سے ضوفی کے انتظار کا ایک لمحہ بھی نہیں گزر رہا تھا' تابی نے کئی بار اس کی بے چینی نوٹ کی تھی مگر وجہ جاننے سے قاصر رہی تھی اور پھر جب ''وجہ'' خود چل کر آئی تو کئی نگاہیں ایک ساتھ اٹھیں اور چونکی تھیں' وہ مغرور حسینہ اپنے حلیے' چال ڈھال اور انداز و ادا سے کسی اور ہی کلاس کی لگ رہی تھی۔ ہال پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے تبریز کو ڈھونڈا اور دور سے ہی ہاتھ ہلایا' تبریز صوفی کو ساتھ لیے سب سے اس کا تعارف اپنی کلاس فیلو کے طور پر کروا رہا تھا۔ تبریز سب کی محویت اور نگاہوں کی پسندیدگی محسوس کرکے سرشار سا اسے لیے امی اور دادو کی طرف آ گیا۔

''امی یہ ضوفشاں ہے۔'' تبریز نے جتلاتے ہوئے انداز میں انہیں متوجہ کیا۔

''ہائے آنٹی۔'' ضوفی جھٹ امی کے گلے لگ گئی۔ امی اس حملے کے لیے قطعاً تیار نہ تھیں' بوکھلا سی گئیں۔

''جیتی رہو بیٹا۔''

''یہ میری دادو ہیں ضوفی۔'' تبریز نے ساتھ بیٹھی دادو کے کندھوں پر پیار سے دباؤ ڈالا۔ ضوفی نے سابقہ حرکت ان کے ساتھ بھی دہرائی۔

''کس کے ساتھ آئی ہو بیٹا' امی یا بھائی وغیرہ؟'' دادو نے پوچھا۔

''نو آنٹی میری امی ڈاکٹر ہیں' ان کے پاس ان فضولیات کے لیے وقت نہیں ہوتا' میں تو ہر جگہ خود ہی آتی جاتی ہوں۔'' اس کے بے نیازی سے کہنے پر امی اور دادو نے بیک وقت تبریز کو گھورا۔

''تبریز بھائی چلیں' کپل فوٹو گرافس لے رہے ہیں سب کی۔'' اسی لمحے یاسر کہیں سے آیا اور تبریز کی ایک بھی سنے بغیر اسے کھینچتا ہوا اسٹیج پر لے گیا' ضوفشاں ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی' وہ بے بس سا اسے اشارہ کرتا یاسر کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ امی کو تابی امی نے بلایا۔ پیچھے صرف دادو اور ضوفی رہ گئے تھے۔ یاسر نے تبریز اور تابی دونوں کو پکڑ کر ساتھ کھڑا کردیا تھا۔

''یاسر کیا بیہودگی ہے یہ؟'' تابندہ جھنجھلائی۔

''پلیز تابی آپی' بس ایک۔'' تبریز بار بار نظر اٹھا کر ضوفشاں کو ڈھونڈ رہا تھا مگر وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ یاسر سے جان چھڑا کر وہ دونوں ساتھ ساتھ ہی نیچے اترے تھے'

ضوفی سب سے الگ کھڑی شاید اسی کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں بیزاریت اور ناگواریت صاف ظاہر تھی۔

"آئی ایم سوری ضوفی' وہ بس فیملی فنکشن ہے ناں اس لیے آؤ تمہیں کچھ کھلاؤں۔" وہ معذرت کرتا ہوا اسے آگے چلنے کا اشارہ کرنے لگا' تابی نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ تبریز کا انکار اس کی سمجھ میں اچھی طرح آنے لگا۔ ضوفشاں بہت کھوجتی ہوئی نگاہوں سے تابی کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یہ لڑکی کون ہے تبریز' تم نے ملوایا نہیں۔" آف وائٹ سوٹ میں ملبوس' لمبے بالوں اور دلکش رنگت والی وہ لڑکی اس قابل تو ضرور تھی کہ وہ اس کا تعارف کرواتا' مگر اس نے کیوں اب تک اسے ضوفی سے نہیں ملوایا تھا' اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"کزن ہے میری تابندہ۔" اسے اپنی آواز اجنبی لگی' جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

"شی از پریٹی اینڈ نیکسٹ آ گڈ کپل ود یو۔" تبریز کو بہت جتلاتی ہوئی نگاہ سے نواز کر ضوفشاں واک آؤٹ کر گئی تھی۔ تابی اور تبریز حیران کھڑے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

"ضوفی پلیز بات سنو' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' مجھے کچھ کہنے کا موقع تو دو۔" تقریب سے واپسی پر تبریز نے رات گئے اسے فون کیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اس وقت ضوفی کے پیچھے نہیں جا سکا تھا اور اس بات کا اس نے اور بھی زیادہ برا مانا تھا۔

"آئی کانٹ بلیو دس تبریز' تمہیں میں نے کیا سمجھا اور تم کیا نکلے؟ کتنے فراڈ ہو تم..... مائی گاڈ' ایک عدد منگیتر کے ہوتے ہوئے تم نے مجھ سے افیئر چلایا۔" وہ دکھ کی انتہا پر تھی۔

"وہ میری منگیتر نہیں ہے یار' ہماری کوئی باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی۔" تبریز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ منگیتر کا شوشا اس کے سامنے کس نے چھوڑا تھا۔

"میں تم جیسے آدمی پر کیسے بھروسہ کر سکتی ہوں جو اپنی بچپن کی منگیتر کو چھوڑ کر مجھ سے شادی کے وعدے کر سکتا ہے' وہ مجھے چھوڑ کر کسی اور کا بھی ہو سکتا ہے۔"

"پھر وہی منگیتر۔" تبریز سچ مچ بھنایا' اسی لمحے اس کی نگاہ برآمدے کی سیڑھی سے باہر آتی تابی پر گئی۔ وہ خود لان میں ٹہل رہا تھا اور وہاں مکمل اندھیرا تھا' اندھیرے میں یقیناً اس نے تبریز کو نہیں دیکھا تھا۔ تبریز کے ذہن میں کوندا سا لپکا' اس نے تابی سے صاف بات کرنے کی ٹھانی۔

"میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں ضوفی۔" ضوفی کی ہیلو ہیلو کے جواب میں اس نے مختصراً کہہ کر لائن کاٹ دی تھی۔

"تابی رکو..... مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ اس کے قریب پہنچا مگر وہ تابندہ تھی۔ پہلے جا کر لائٹ جلائی پھر واپس آئی۔

"مجھ سے کیا بات کرنی ہے؟" اس کا چہرہ تنا ہوا تھا مگر آنکھوں میں ویرانی تھی۔

"وہاں چل کر بیٹھتے ہیں۔" تبریز نے لان میں رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی آگے بڑھ گیا۔ "تم آج ضوفشاں سے ملی تھیں ناں' میری کلاس میٹ تھی سی اے میں۔" اس نے بات کا آغاز کیا۔ تابندہ الرٹ ہو گئی۔

"ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں' مگر پتا نہیں کس نے اسے کہہ دیا کہ تم میری منگیتر ہو۔" تابی نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا' کیسا انجان بن رہا تھا وہ' جو بات سارے خاندان کے علم میں تھی وہ اسے پتا چل گئی تو عجب کیا ہو گیا تھا؟

"تو تم اسے بتا دیتے کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" اس کے اکھڑے لہجے پر تبریز نے چونک کر اسے دیکھا گویا وہ ایسا نہیں سمجھتی تھی' تبریز کو لگا اس سے بات کرنا اب آسان ہو گا اس کا لہجہ اچانک دوستانہ ہو گیا۔

"وہ یقین نہیں کر رہی اور پھر تم نے دیکھا شادی میں سب ہمیں جس طرح ٹریٹ کر رہے تھے وہ کیسے یہ سب

دیکھ کر میرا یقین کرے گی۔" تابی کے اندر شور بڑھتا جا رہا تھا مگر بظاہر وہ پُرسکون بیٹھی تھی۔

"مجھ سے کیا چاہتے ہو تم؟"

"کیا تم ضوفی سے بات کر کے اسے بتا سکتی ہو کہ ہمارے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے ملتجیانہ کہتے ہوئے تابندہ کا چہرہ کھوجا۔ تابندہ کو حیرت کا جھٹکا لگا پھر اس پر غصہ غالب آنے لگا۔

"محبت اعتبار مانگتی ہے تبریز! اگر وہ تم سے اور تم اس سے محبت کرتے ہو تو تمہیں ایک دوسرے پر اعتبار کرنا چاہیے نا کہ کوئی تیسرا تمہیں اس کی گواہی دے اگر وہ تمہارا یقین نہیں کرتی تو میرا کیسے کرے گی؟" چبھتے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی وہ تبریز کو چونکا گئی۔

صرف ایک لفظ بازگشت بن کر اس کے گرد چکرانے لگا "محبت" کیا وہ واقعی ضوفی سے محبت کرتا ہے؟ اس جذبے کی گہرائی پر تو اس نے کبھی غور کیا ہی نہیں تھا۔ اسے ضوفشاں پسند تھی اور بس..... اور کتنا سچ کہا تھا تابی نے جب وہ میرا اعتبار نہیں کر رہی تو کسی اور کا کیوں کرے گی۔ تابی اس کے جواب کی منتظر تھی اور وہ احمقوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا اس کی مسلسل خاموشی سے تابندہ اکتا گئی۔

"خیر..... تمہاری ضوفی کو تو میں نہیں سمجھا سکتی مگر گھر والوں نے اگر میری رائے مانگی تمہارے متعلق تو میری طرف سے انکار ہوگا۔" اس کے آخری الفاظ نے تبریز کو ہوش کی دنیا میں دھکیل دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ پلٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتی اندر غائب ہو گئی تھی۔

اس بات کو کچھ ہی دن گزرے تھے جب ایک شام یمنیٰ پھوپو یاسر کے ساتھ چلی آئیں چھٹی کا دن تھا سب ہی گھر پر تھے سعدون کی شادی کی تصویریں آ گئی تھیں ایک ایک تصویر بے حد تکنیکی مہارت کی حامل تھی سب کے تبصرے بھی زور و شور سے جاری تھے ساتھ ساتھ چائے کا دور بھی چل رہا تھا۔

"میری بیٹی سب سے الگ دکھ رہی ہے ہر جگہ۔" امی نے تصویروں پر نظر ڈالتے ہوئے ساتھ بیٹھی تابی کو لپٹایا وہ مدھم سا مسکرا دی۔

"بس بڑے بھیا اب تبریز اور تابی کا بھی کچھ سوچیں سعدون بھی خیر سے گھر بار والا ہو گیا۔" یمنیٰ پھوپو نے اچانک تصویریں دیکھتے ہوئے تایا ابا کو مخاطب کیا وہ بے اختیار ہنس دیئے جیسے انہیں یمنیٰ پھوپو کی بات بہت پسند آئی ہو۔ تبریز بات کرتے چونکا تابی کے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی سوئے اتفاق ہاتھ میں وہی تصویر تھی جو یاسر اور تانیہ نے زبردستی ان دونوں کی ساتھ بنائی تھی۔ ایک لمحے کو نظر اٹھائی تو تبریز کو اپنی طرف دیکھتے پایا تابی کو لگا وہ اسے اس کی کہی بات یاد کروا رہا ہو..... اس نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

"یعنی آپ کو میری فنکارانہ صلاحیتیں اتنی پسند آئی ہیں کہ آپ ایک بار پھر مجھے خدمت کا موقع دینے کا سوچ رہی ہیں مگر سوری اس بار میں پرانے ریٹ پر ہرگز کام نہیں کروں گا۔" یاسر کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

"پہلے کون سا تمہیں چاندی کے سکے ملے ہیں جواب ریٹ بڑھا کر سونے کی اشرفیاں لینے کے خواب دیکھ رہے ہو۔" تانیہ کے پاس کرارا سا جواب موجود تھا۔

"تم تو ہیرے بھی دو تو تمہارے لیے میں ہرگز یہ کام نہ کروں مگر تابی آپ کے لیے میں ہمیشہ حاضر ہوں۔" یاسر نے تابی کو دیکھتے ہوئے گردن کو ذرا سا خم دے کر کہا۔ تابی بت بنی بیٹھی رہی بولتی بالکل بند ہو چکی تھی ایسا لگتا تھا سب اسے ہی دیکھ رہے ہوں۔

"ان کی بحث تو کبھی ختم ہونے والی نہیں اماں آپ بتائیں کیا سوچا ہے آپ نے اس بارے میں؟" یمنیٰ پھوپو نے ہنستے ہوئے دادو سے پوچھا۔

"ارے میں نے کیا سوچنا ہے یہ ان کی مائیں بیٹھی ہیں ان ہی سے پوچھ لو۔" دادو نے بے نیازی دکھاتے ہوئے بندوق بہوؤں کے کندھوں پر رکھ دی امی کا تو بس نہ چلتا تھا کہ شرمندگی سے زمین میں گڑ جائیں تائی امی بے چاری کیا کہتیں ان کی تو یہ دلی خواہش تھی مگر دیورانی نے چند دن پہلے ہی انہیں عذر پیش کیا تھا سو کہنے لگیں۔

"بات تو گھر کی ہی ہے مگر میرا خیال ہے ابھی کچھ عرصہ رک جاتے ہیں' تبریز کی نوکری نئی نئی ہے' پھر ابھی صالحہ کو بھی چند دن لگیں گے گھر کا مزاج سمجھنے میں تب تک تابی اس کے ساتھ رہے تو اچھا ہے۔"

"آپ بھی بھابی بیگم' اتنی صابر سی ہماری تابندہ ہے' کون سا اس تبریز کی ذمہ داریوں میں اضافہ کردے گی' کیوں بھئی سعدون؟" یمنیٰ پھوپو نے کہتے ہوئے اچانک سعدون کو پکارا تو وہ گڑبڑا گیا' سب ہی ہنسنے لگے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں پھوپو اب اس تبریز کو بھی لگام ڈالیں' بہت ہوا کے دوش پر سواری کرلی محترم نے' کیوں ابھی مجھے چھیڑ رہا تھا ناں بیٹا؟" آخری بات سعدون نے آہستہ آواز میں تبریز کے کان میں کہی' وہ پھیکا سا مسکرا کر رہ گیا۔

"بات یہ نہیں ہے یمنیٰ' دراصل تبریز اسٹیبلش ہونا چاہتا ہے' ابھی اکیلا ہے جمع کرنا آسان ہے' کل کو بیوی بچوں کے ہی کام آئے گا۔" امی کی بات پر تبریز نے ممنون ہو کر انہیں دیکھا' تابی خاموشی سے ان کے پہلو سے اٹھ گئی تھی۔

"آپ کی بات اپنی جگہ ٹھیک ہے' چھوٹی بھابی لیکن سعدون کی شادی میں لوگوں نے ان دونوں کے متعلق اتنا پوچھا ہے کہ میں سوچ کر آئی تھی کہ آپ لوگوں سے اس بارے میں باقاعدہ بات کروں گی۔" یمنیٰ پھوپو نے پھر سے وہی بات کی تو ابو بھی گویا ہوئے۔

"تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے یمنیٰ مجھ سے بھی کئی لوگوں نے یہی سوال کیا تھا' اس لیے میں نے سوچا ہے کہ ابھی صرف نکاح کرلیتے ہیں' رخصتی سال چھ مہینے بعد کرلیں گے تاکہ لوگوں کی زبانیں بھی بند ہوجائیں اور اس پر یقیناً تبریز کو بھی اعتراض نہیں ہوگا اور بھیا بھابی بھی مطمئن ہوجائیں گے۔" وہ اپنی طرف سے بات مکمل کر کے سب کی طرف تائیدی انداز میں دیکھنے لگے' سب ہی کے چہرے کھل اٹھے تھے' سوائے دو نفوس کے جو اپنی اپنی جگہ متضاد کیفیات کے شکار تھے۔

کچن کے دروازے میں کھڑی تابی تبریز کو کوس رہی تھی' جو اس کی اچھی بھلی زندگی میں ہلچل مچا کر اب خاموش بیٹھا تھا' دوسری طرف تبریز کے کانوں میں اس کے اپنے ہی الفاظ درحقیقت اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

"میں نہیں کروں گا تابندہ سے شادی' گھر سے بھاگ جاؤں گا۔"

"تابی..... پتا ہے ابو اور چاچو کہہ رہے تھے کہ اگلے مہینے عاتکہ آپی کی آمد پر نکاح کی تاریخ رکھ لیں گے' میں نے تو اپنا ڈریس بھی سوچ لیا ہے' پیور وائٹ لانگ شرٹ اور پاجامہ اور اس کے ساتھ میرون دوپٹہ گولڈن کناروں والا مگر دوپٹے کا کلر میں چینج کرسکتی ہوں' دو اور شیڈز بھی ہیں میرے ذہن میں' تم بتاؤ کون سا کلر لوں؟" وہ رات کے کھانے کے برتن دھو کر کمرے میں آئی تو تانیہ ہاتھ میں موبائل تھامے آن لائن سرچنگ میں مصروف تھی۔

"تانیہ..... امی سے کہہ دو' میں اس شادی کے لیے راضی نہیں ہوں۔" اس نے اتنے ٹھنڈے لہجے میں کہا کہ تانیہ کو یک لخت خاموش ہونا پڑا' وہ تبریز کے انکار سے واقف تھی اور ضوفشاں سے مل کر تانیہ کو یقین ہوگیا تھا کہ تبریز واقعی غلطی پر ہے کیونکہ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ اس کے لیے کیا صحیح ہے' جلد یا بدیر اسے اس بات کا احساس بھی ہوجاتا اور اس سے پہلے کہ پچھتاوے اس کی زندگی کا حصہ بنتے' دادو اسے اس صورتِ حال سے بچانا چاہتی تھیں۔ تانیہ اس مہم میں ان کی رازدار ساتھی تھی مگر ان میں سے کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ تابی بھی تبریز کے انکار سے واقف ہے' اس کا یوں انکار کردینا تانیہ کو چونکا گیا تھا مگر اس نے جلد خود پر قابو پالیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے..... تم کیا کہہ رہی ہو تابی؟" اس نے تابندہ کے بے تاثر چہرے کو کھوجنا چاہا۔

"مجھے اچھی طرح پتا ہے جو کچھ بھی میں کہہ رہی ہوں' مگر آج نہیں تو کل یہی بات تم تبریز کے منہ سے بھی سن لوگی' وہ بھی اس رشتے پر راضی نہیں ہے' وہ کہیں اور انٹرسٹڈ ہے تانیہ۔" تابی نے اسے ساری بات بتادی۔

''وہ ضوفشاں؟ اوہ کم آن تابی' تمہیں واقعی لگتا ہے وہ تبریز بھائی کے ساتھ چل سکے گی۔'' تانیہ نے یوں ظاہر کیا گویا اسے یہ سب آج پہلی بار پتا چل رہا ہو' تابی نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کے ساتھ کون چل سکتا ہے کون نہیں' میرے لیے میری عزتِ نفس ہر شے سے بڑھ کر ہے' ضوفشاں کو پسند کر کے پہلے ہی وہ میرے اور اپنے رشتے کی حقیقت سے انکار کر چکا ہے اور اب اس سے پہلے کہ وہ اپنا انکار بڑوں تک پہنچائے اور مجھے ٹھکرائے' میں اس سے پہلے اسے مسترد کر کے اپنا بھرم رکھ لینا چاہتی ہوں۔'' آخری بات پوری کرنے تک اس کی آواز اور آنکھیں دونوں بھرا گئی تھیں۔ تانیہ نے دکھ سے اپنی اس بہت پیاری بہن کو دیکھا جو اپنے دل کے خلاف جا کر اپنے حق سے دستبردار ہو رہی تھی۔

''تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے تابی' ہمت کیسے ہوئی تیری بڑوں کے فیصلے سے انکار کرنے کی۔'' جب سے تانیہ نے انہیں تابندہ کے انکار کے متعلق بتایا تھا' وہ شدید حیرت اور دکھ کا شکار تھیں' انہیں تابندہ کی فرماں برداری پر بہت مان تھا' جب یہ معاملہ گھر کے مردوں اور ساس تک پہنچتا تو ایک طوفان آ جاتا' وہ تو شکر تھا کہ اس وقت گھر میں ان کے اور دونوں بیٹیوں کے سوا کوئی نہیں تھا' سعدون اور صالحہ ہنی مون پر چلے گئے تھے' دادو نیچے اپنے کمرے میں تھیں' تبریز کی امی کسی عزیز کی طرف گئی تھیں ابو کے ساتھ اور تبریز اور تایا ابا اپنے اپنے کام پر گئے ہوئے تھے سو وہ جی بھر کر تابی پر اپنا غصہ نکال رہی تھیں۔

''امی اس میں بہت لاپروائی ہے' آپ جانتی ہیں میرے مزاج میں بہت نظم وضبط ہے' میں کیسے اسے ہینڈل کروں گی۔'' تابندہ نے بات بنائی۔

''وہ تو بچپن سے ہی ایسا ہے' تمہیں کیا آج نیا پتا چلا ہے اس کی عادتوں کا' مجھے اصل بات بتا دے تابی؟'' تائی امی کی بات پر جہاں تابی چونکی وہیں تانیہ بھی چونک گئی۔

''امی پلیز..... آپ ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں' آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے کیا؟'' تابی کی آواز رندھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

تبریز گھر آیا تو معمول سے زیادہ سناٹا محسوس ہوا' آج وہ کافی ہشاش بشاش تھا' بہت دنوں بعد ضوفی نے اسے خود فون کیا تھا اور ملنے کے لیے بلایا تھا' گویا وہ اس سے ناراض نہیں تھی۔ وہ گھر جلدی آ گیا' کمروں میں جھانکتا ہوا وہ کچن میں چلا آیا۔ تابی کے ہاتھ کی بنی بریانی' سوچ کر ہی اس کے منہ میں پانی آ گیا تھا۔ چائے کی بھی شدید طلب ہو رہی تھی مگر تانیہ اور تابی دونوں ہی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ دادو کے کمرے میں جھانکا تو وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں' تبریز خاموشی سے واپس پلٹ آیا۔ سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے، کوریڈور کے آغاز پر ہی اسے تائی اماں کی تیز آواز سنائی دی تھی۔ گویا کسی کو ڈانٹ رہی ہوں' وہ اسی سمت چلا آیا کہ اس کا کمرہ بھی اسی راستے سے ہو کر آتا تھا وہ گزر جانا چاہتا تھا مگر اپنا نام سن کر رکنا پڑا۔

''تجھ پر اعتبار تھا جب ہی تجھ سے پوچھے بنا تیرا رشتہ تبریز سے طے کیا تھا' اب جب گھر میں تیرے نکاح کی تاریخ رکھی جا رہی ہے تو تُو کہہ رہی ہے تجھے تبریز پسند نہیں' سارا خاندان جانتا ہے تو تبریز کی امانت ہے' اسی لیے کسی نے تیرے لیے رشتہ نہیں ڈالا' اب اتنی عمر نکلنے کے بعد میں کہاں تیرے لیے بر تلاش کرنے نکلوں گی' کیوں میرے سر میں خاک ڈلوانا چاہتی ہے بدبخت۔'' تائی امی بری طرح برس رہی تھیں، تابی نے شادی سے انکار کر دیا تھا' تبریز کو اس کی جرأت پر حیرت ہوئی' وہ اپنے قول سے نہیں پھری تھی۔

''ایک تبریز پر دنیا ختم نہیں ہو جاتی امی' جو میرے نصیب میں لکھا ہے وہ مجھے مل کر رہے گا' آپ پریشان مت ہوں۔'' تابندہ نے بردباری سے کہتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

تانیہ اس کی اجڑی صورت دیکھ کر تڑپ اٹھی' اس کا دل چاہا کہ امی کو سب سچ بتا دے کہ انکار تابی نے نہیں تبریز نے کیا ہے مگر تابی اسے پہلے ہی خاموش رہنے کا اشارہ کر چکی

تھی۔ تائی امی کو فون کی آواز نے متوجہ کیا تو وہ تابی پر دو حرف بھیجتیں دوسرے کمرے میں چلی گئیں اور باہر کھڑا تبریز عجیب سی کیفیات کا شکار ہونے لگا تھا۔

''عائلہ کب تک آرہی ہے دلہن؟'' رات کے کھانے کے بعد جب سب بڑے دادو کے کمرے میں جمع ہوئے تو دادو نے اچانک امی سے پوچھا۔ تائی امی کے کان کھڑے ہوئے عائلہ کی آمد سے نکاح کی تاریخ مشروط تھی تو ظاہر ہے دادو نے اسی بات کے پیش نظر یہ سوال کیا تھا۔

''ابھی معیز کے پیپرز ختم ہونے میں دو ہفتے لگیں گے کہہ رہی تھی اس کے بعد ہی تابش چھٹیوں کے لیے اپلائی کرے گا' میرے خیال سے ستمبر کے پہلے ہفتے تک آجائے گی اماں۔'' امی نے عائلہ کا پیغام من وعن ان تک پہنچادیا۔

''تم کہو بڑی دلہن' تمہیں یہ تاریخیں مناسب لگتی ہیں؟'' دادو نے تائی امی کو متوجہ کیا' سب ان ہی کی طرف متوجہ تھے ان کے کانوں میں تابی کا انکار گونجنے لگا' سو اپنے دل کو مضبوط کرتے ہوئے وہ اس طوفان سے گزرنے کو تیار ہوگئیں۔

''اماں..... دراصل تابی اس رشتے پر راضی نہیں.....''

یہ سنتے ہی تایا ابا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے' ابو نے بے یقینی سے امی کی طرف دیکھا' دادو اور امی اپنی جگہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''اس کی اتنی جرأت' کس نے دیا اسے یہ حق؟'' تایا ابا دہاڑے' ان کی تیز آواز پر جہاں تائی امی سہمی تھیں وہیں امی اور ابو بھی چونکا ہو گئے تھے' دادو اور امی تو اسی بات پر مطمئن تھیں کہ بڑوں کے درمیان نکاح کی بات طے بھی ہوگئی تھی اور تبریز نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی' انہیں لگتا تھا کہ معاملہ اس کے حسب منشاء طے ہو رہا تھا مگر یہ تابندہ کا انکار ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

''وہ کہتی ہے کہ تبریز کے اور اس کے مزاج میں بہت فرق ہے۔'' تائی امی چور سی بنی منمنانے لگیں' ایسی شرمندگی انہیں زندگی بھر کسی معاملے میں نہیں ہوئی تھی' سیدھے سیدھے ان کی تربیت پر حرف آنے والی بات تھی۔

''تو کون ہے جو ایک سا مزاج لے کر پیدا ہوا ہے؟ اللہ نے سب کو مختلف ہی بنایا ہے' میری سمجھ میں یہ اعتراض نہیں آیا۔'' تایا ابا کا ہنوز وہی انداز تھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں' سمجھا تو رہی ہوں اسے' مجھے تو خود اس نے کسی سے نظر ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' تائی امی رونے لگیں' کچھ تابی کا دیا صدمہ اور کچھ تایا ابا کا انداز گفتگو ان کا نرم دل لمحوں میں گھل کر موم ہوگیا تھا۔

''ارے بھابی پلیز' آپ روئیں نہیں' مجھے یقین ہے کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی' ورنہ ہماری تابندہ ایسی نہیں ہے۔'' امی نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں چپ کروایا۔

''نہیں عطیہ' غلط فہمی تو مجھے تھی اپنی اولاد کے بارے میں' جب ہی رضامندی معلوم کیے بغیر ہی رشتہ طے کردیا' مجھے کیا پتا تھا اس عمر میں مجھے یوں ذلیل ہونا پڑے گا' میں تم دونوں سے شرمندہ ہوں' مجھے معاف کردو۔'' تایا ابا کی آواز کمزور پڑ گئی۔

''نہیں بھیا جی' ایسا مت کریں' میں خود بات کروں گا تابی سے' سب کچھ ویسا ہی ہوگا جیسا آپ چاہتے ہیں' بس آپ خود کو سنبھالیں۔'' ابو نے ان کے ہاتھ تھام کر سہارا دیا تو وہ پھیکا سا مسکرا کر سر ہلانے لگے۔ اپنی اپنی پریشانی میں کسی نے بھی دادو کی خاموشی کو محسوس نہیں کیا تھا وہ کسی اور ہی سوچ میں گم تھیں۔

وہ دونوں لنچ کے لیے باہر آئے تھے لیکن تبریز کو نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار تابی کا خیال آرہا تھا' پتا نہیں تائی امی نے اس کا کیا حشر کیا ہوگا' اصولاً تو اسے تابی کے کندھوں پر بندوق رکھ کر پُرسکون ہوجانا چاہیے تھا مگر وہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

''کہاں گم ہو؟'' ضوفی نے ویٹر کو اشارہ کرکے عین اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی تو وہ چونکا۔

''نہیں' کچھ نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ٹالنا چاہا' اسی اثناء میں ویٹر قریب آگیا تھا۔

''کیا لو گے تم؟'' ضوفی نے پھر اس سے پوچھا۔

"جو تمہارا دل کرے۔" اس نے ہمیشہ کی طرح آرڈر لکھوانے کی ذمہ داری ضوفی کے سر ڈالی۔

"تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔

"ویل..... مجھے لگا کہ تمہیں ایک موقع اور دینا چاہیے۔" اس نے گویا احسان جتاتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدلا' تبریز نے سکھ کا سانس لیا' چلو وہ مان تو گئی تھی۔

"ویسے کیسی ہے وہ تمہاری کزن کم منگیتر؟" ضوفی نے جتاتے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"واٹ..... تم پھر وہی؟ ویسے میں ایک بار پھر تمہیں بتادوں کہ تم مس انڈر اسٹینڈ کر رہی ہو' اسے بھی اور مجھے بھی' ہم دونوں ہی ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں' وہ تو ہمارے بڑوں نے....."

"تم مجھے یقین کیوں دلا رہے ہو تبریز؟" تبریز اپنی رو میں کہہ رہا تھا جب اچانک ضوفی نے اسے ٹوکا' وہ کچھ ایسے بھولپن سے بولی جس میں بھولپن کا دور دور تک شائبہ نہ تھا۔ تبریز کے کانوں میں یکلخت کسی کا جملہ گونجا۔

"محبت اعتبار مانگتی ہے تبریز۔"

"بالکل ٹھیک کہا تم نے..... میں تمہیں یقین کیوں دلا رہا ہوں..... تمہیں تو خود میرا یقین کرنا چاہیے۔" اس کے جتلاتے لہجے پر ضوفی چپ رہ گئی۔

"پھر بتاؤ کب لاؤں امی کو تمہارے گھر؟" ضوفی نے جنبش ابرو سے اسے گھورا۔

"کیا میں نے تمہیں ہاں کہہ دی ہے؟" تبریز کو جھٹکا لگا۔

"میں سمجھا نہیں؟"

"ابھی سمجھ جاؤ گے۔" اس کے انداز سمجھ میں نہ آنے والے تھے' عین اسی وقت کوئی ان کی ٹیبل کے قریب آ کر رکا۔

"مے آئی جوائن یو؟" ضوفی نو وارد کو دیکھ کر کھلکھلائی۔

"شیور..... آئی واز ویٹنگ فار یو۔" تبریز نے حیرت و ناگواری کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ضوفی کی مسکراہٹ اور آنے والے کے خوشگوار انداز دیکھے۔

"کھانا شروع کر چکی ہو تم اور کہہ رہی ہو میرا ویٹ کر رہی تھیں؟" اف کیا مان تھا۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ ڈنر پارٹی میں جانا ہے۔" ضوفی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ تبریز کو لگا وہی ایک احمق ہے وہاں۔

"اوہ..... میں بتانا بھول گئی شہریار..... یہ تبریز ہے میرا یونی فیلو اور تبریز یہ شہریار ہے' میرا فرسٹ کزن۔" تبریز اس تعارف پر الجھا۔

"یونی فیلو....." مگر آگے اور بھی بہت کچھ تھا۔ تبریز کو زیادہ دیر سوچنے کا موقع نہیں ملا۔

"جسٹ آ کزن؟" شہریار تھوڑا سا ضوفی کے قریب ہوا۔

"اوہ شٹ اپ شیری' ایسا کچھ نہیں ہے اوکے؟" ضوفی کی مسکراہٹ اس کے الفاظ کی نفی کر رہی تھی' تبریز کے لیے یہ سب ناقابل برداشت تھا اس نے یک لخت کانٹا پلیٹ میں پٹخا ضوفی اور شہریار دونوں چونکے۔

"خیریت تبریز؟" ضوفی کا انداز بہت چبھتا ہوا تھا اور ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ' جیسے وہ اس کی حالت کا مزا لے رہی ہو۔

"آئی تھنک مجھے چلنا چاہیے۔" اس نے ایک دم سے کہا۔

"کھانا تو ختم کرلو۔" ضوفی نے فارمیلٹی نبھائی' گویا اسے تبریز کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا' شہریار اس کے تنے ہوئے اعصاب بھانپ چکا تھا۔

"او کے ضوفی..... میں نکلتا ہوں' کلائنٹ پہنچنے والے ہوں گے' پھر بات ہوگی۔" وہ ضوفی سے کہتا ہوا پلٹ گیا۔

"یہ سب کیا تھا ضوفی؟" تبریز پھٹ پڑا۔

"بتایا تو ہے کزن ہے میرا۔" ضوفی نے انجان بنتے ہوئے شانے اچکائے۔

"مگر مجھے تو کزن سے کچھ زیادہ ہی لگ رہا تھا۔" تبریز نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لی ہیو یور سیلف تبریز' وہ میرا کزن ہے اور ہم ہمیشہ سے ہی کلوز رہے ہیں' تمہیں اتنا برا کیوں لگ رہا ہے؟''

''تمہارے خیال میں مجھے برا نہیں لگنا چاہئے' وہ شخص کیسی عجیب حرکتیں کر رہا تھا اور تم اسے کلوز فرینڈ شپ کا نام دے رہی ہو۔'' تبریز کی حیرانی کی کوئی حد نہیں تھی۔

''سب سے پہلے تو آواز نیچی کرو' نہ میں تمہاری بیوی ہوں نہ منگیتر جو تم مجھ پر یوں رعب جماؤ اور ذاتی سوالات کرو' دوسری بات' شہریار مجھے لائک کرتا ہے اور اس کا پروپوزل بھی آیا ہوا ہے میرے لیے۔'' ضوفی کا انداز اور لہجہ دونوں اجنبی تھے' تبریز دوبارہ بیٹھ چکا تھا اتنی بڑی بات وہ یوں آرام سے بتا رہی تھی' گویا کوئی بات ہی نہ ہو۔

''واٹ.....! اس کا پروپوزل آیا ہے تمہارے لیے اور تم مجھے اب بتا رہی ہو؟''

''چلو بتا تو رہی ہوں' تم نے تو اس کی بھی زحمت نہیں کی ڈائریکٹ منگیتر سے ہی ملوایا تھا۔'' ضوفی نے تاک کے وار کیا۔ تبریز کچھ لمحے کنگ سا رہا پھر بولا تو لہجہ بجھا ہوا تھا۔

''کیا یہی سب سنانے کے لیے بلایا تھا مجھے؟''

''بالکل..... تمہیں کیا لگا' تم اتنے خاص ہو کہ ایک لڑکی کو چھوڑو گے تو دوسری تمہاری راہوں میں پھول بچھائے کھڑی ہوگی؟ مجھے سیکنڈ ہینڈ چیزیں استعمال کرنے کی عادت نہیں تو لائف پارٹنر کیسے سیکنڈ ہینڈ پسند کر سکتی ہوں؟ اور پھر تمہارے مقابلے پر تم سے ایک بہت بہتر آپشن میرے پاس ہے' اپنی منگنی کا جھوٹ بول کر تم پہلے ہی خود کو ناقابل اعتبار ثابت کر چکے ہو جس طرح تم نے میرے اور شہریار کے ریلیشن پر اوور ری ایکٹ کیا' اس سے مجھے تمہاری مڈل کلاس سوچ کا بھی پتا چل گیا ہے' سو میری طرف سے بالکل 'انکار ہے' اب تم آرام سے اپنی منگیتر سے شادی کر کے اپنی فیملی کو خوش کر سکتے ہو۔'' وہ اپنے مغرور انداز میں اسے ڈپٹ کر دوبارہ کھانے میں مشغول ہوگئی۔ تبریز آج پہلی مرتبہ اس کی ہٹ دھرمی سے خائف نظر آ رہا تھا' وہ کتنی معمولی، کتنی گری ہوئی لگ رہی تھی آج یہ سب باتیں کرتی ہوئی۔

کیا اس کے لیے وہ اپنی فیملی کے آگے کھڑا ہوا تھا؟ اس کے لاکھ محبت سے سمجھانے کے باوجود بھی اس نے تبریز کا اعتبار نہیں کیا تھا' کیا اتنی ہی کمزور تھی ان کے درمیان بندھی محبت کی یہ ڈور؟ محبت..... ہاں یہ محبت نہیں تھی ورنہ وہ ضرور میرا اعتبار کرتی' تابی نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔

اف ایک اور ندامت..... اپنی خود غرضی میں اس نے تابندہ کے ساتھ کتنا برا کیا تھا' گھر والوں کا لعن طعن بھگتنے کے لیے اسے اکیلا چھوڑ کر وہ یہاں ''ڈیٹ'' منانے آیا تھا اور بے عزتی کروا کر جا رہا تھا۔ دادو نے اسے کتنا سمجھایا تھا کہ ضوفی ہمارے گھر کے لیے' خود اس کے لیے موزوں لڑکی نہیں ہے مگر وہ واقعی اندھا ہو گیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسترد کیے جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے' وہ جان گیا تھا آج اسے تابندہ ظفر پر کوئی غصہ نہیں آ رہا تھا ہر قصور اپنا نظر آیا تھا۔ گھر پہنچنے تک وہ ایک بدلا ہوا تبریز تھا' اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ تابی سے معافی مانگ لے گا' دادو اور امی سے بھی معذرت کر لے گا اور سارے معاملات ٹھیک ہو جائیں گے اپنے طور پر وہ سب کچھ سوچ کر گھر میں داخل ہوا تھا۔

رات اتنی نہیں گزری تھی مگر پھر بھی گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا' نہ ہی لاؤنج میں تانیہ بیٹھی حسب عادت ٹی وی دیکھ رہی تھی' دادو کا کمرہ بھی بند تھا' تبریز کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا' وہ چپ چاپ کمرے میں آ گیا' صبح چھٹی تھی' وہ حسب عادت دیر سے اٹھا' نیچے آیا تو سب ہی لاؤنج میں موجود تھے' سعدون اور صالحہ کے چلے جانے سے محسوس بھی نہیں ہو رہا تھا کہ کچھ دن پہلے یہاں کسی کی شادی ہوئی ہے' وہ ناشتے کا کہنے کچن میں چلا آیا۔

تابندہ تیزی سے پراٹھے بیل رہی تھی' اس کے چہرے پر ہمیشہ کی سی سنجیدگی تھی مگر وہ بے حد تھکی ہوئی اور مضمحل دکھائی دے رہی تھی' تبریز کچھ لمحے اس کے چہرے کو کھوجتا رہا۔

''لا رہی ہوں تمہارا ناشتہ جاؤ اب۔'' ابرو اچکائے بے حد مصروف انداز میں کہا، وہ شرمندہ سا ہو کر وہاں سے ہٹ گیا یعنی وہ اس کی موجودگی سے لاعلم نہیں تھی، وہ لاؤنج میں آ گیا ٹی وی چل رہا تھا' تایا ابو اور ابو بیٹھے تھے ایک طرف دادو بھی بیٹھی تھیں مگر سب خاموش تھے کوئی بھی ایک دوسرے سے باتیں نہیں کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں تابندہ اس کا ناشتہ لے آئی' اس کا پسندیدہ خستہ پراٹھا' ہاف فرائی انڈہ اور بڑا مگ الائچی والی دودھ پتی کا' دوسرا چائے کا کپ اٹھا کر اس نے تایا ابا کی طرف بڑھایا۔

''ابو چائے لے لیں۔'' وہ مگ تھامے کھڑی تھی مگر تایا ابا نے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا گویا وہ اس کی موجودگی سے واقف ہی نہ ہوں' نوالہ منہ تک لے جاتا تبریز کا ہاتھ تھم گیا۔

شفیق سے تایا ابا جن کے چہرے پر تابی کو دیکھتے ہی مسکراہٹ آ جاتی تھی اس وقت سخت پتھریلے تاثرات لیے سامنے نظریں جمائے بیٹھے تھے گویا وہ تابی کی شکل بھی دیکھنا چاہتے تھے۔

''ابو پلیز مجھے معاف کر دیں مگر اس طرح مجھ سے ناراض مت ہوں۔'' تابی سے زیادہ دیر برداشت نہیں ہو سکا تو وہ رونے لگی۔

''ظفر اس سے کہو چلی جائے۔'' تایا ابو نے بہت ضبط سے کہتے ہوئے رخ موڑ لیا۔

''دادو پلیز آپ کہیں ناں ابو سے۔'' تابندہ نے اب دادو کی طرف رجوع کیا' تبریز خاموش تماشائی بنا صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تابی تم جاؤ بیٹا۔'' ابو نے زار و قطار روتی ہوئی تابندہ کو اشارہ کیا تو وہ چند لمحے توقف کے بعد اندر چلی گئی مگر جاتے ہوئے ایک بھرپور نگاہ تبریز پر ڈالی اور وہ جو پہلے ہی اس کی گلابی متورم آنکھوں پر رنجیدہ تھا کٹ کر رہ گیا۔ وہ نوالہ واپس پلیٹ میں رکھ کر اس کے پیچھے بھاگا مگر راستے میں تانیہ سے ٹکراؤ ہو گیا' وہ بھی یقیناً اندر کے منظر سے واقف ہو چکی تھی۔

''تانیہ کیا ہوا..... تایا ابا کیوں ناراض ہیں تابی سے؟'' اس نے پورے خلوص سے پوچھا۔

''اب کس بات کی فکر ہو رہی ہے آپ کو؟ جو آپ چاہتے تھے وہ کر دیا اس نے سارا الزام اپنے سر لے کر سب کی نظروں میں بری بن گئی' آپ جائیں اپنی ضوفی کے ساتھ موج اڑائیں۔'' تانیہ میں کب اتنی برداشت تھی' اصولاً اتنے بدتمیز لہجے پر تبریز کو غصہ آنا چاہیے تھا مگر اسے شدید افسوس نے آ گھیرا تو گویا بات گھر کے بڑوں تک پہنچ گئی تھی اور تابی نے اس کا نام لیے بغیر ساری رسوائی خود سمیٹ لی تھی۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا' میں تو بس.....'' وہ خلافِ عادت اسے وضاحت دینے لگا مگر ادھر بھی تانیہ تھی۔

''یہ نہیں چاہا تھا تو وہ بھی نہیں چاہا تھا' دادو سے واشگاف الفاظ میں آپ نے کہا تھا کہ آپ تابی سے شادی نہیں کریں گے خود تابی سے آپ نے کہا کہ آپ اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں اور کس طرح ہوتا ہے انکار؟'' تانیہ پھٹ پڑی۔

''مگر گھر والوں سے انکار کی بات تابی نے خود کی تھی' میں نے اسے ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا' سچ آئی سوئیر۔'' وہ واقعی سچ کہہ رہا تھا' تانیہ اس کی بات پر استہزائیہ مسکرائی۔

''اور کوئی آپشن چھوڑا تھا آپ نے اس کے پاس؟ ایک لڑکی جو بچپن سے آپ کے نام پر بیٹھی ہو' اس کے منہ پر انکار مار کر آپ اس سے اور کیا توقع رکھتے ہیں؟ اچھا ایک بات بتائیں' آپ کے انکار سے پہلے اس نے کبھی خود انکار کیا؟'' تبریز کے کھلتے لب اس کی بات پر باہم پیوست ہو گئے تھے اس نے واقعی ایسا نہیں سوچا تھا۔

''مگر اس نے کبھی اس بات کو لے کر کوئی انٹرسٹ شو نہیں کیا۔'' ایک بودا سا بہانہ اس نے منٹوں میں گھڑا۔

''ٹھیک ہے اس نے آپ میں دلچسپی ظاہر نہیں کی تو اور کسی کے ساتھ اس کے خوشگوار تعلقات تھے کیا..... وہ کس کس سے ہنس کر باتیں بناتی نظر آئی آپ کو بھی؟''

تبریز کو بھی چپ ہونا پڑا واقعی وہ تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھی کم گو اپنے آپ میں مگن اپنے کام سے کام رکھنے والی وہ کیوں یہ سب سمجھ نہیں پایا تھا۔

"تانیہ..... میں بہت شرمندہ ہوں اور اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔" تبریز نے فکرمندی سے کہا تو تانیہ کو جھٹکا لگا۔

"اور وہ آپ کی ضوفی؟" اس نے تبریز کو یاد دلایا۔

"اسے بھول جاؤ' اس کی منگنی اس کے کزن سے ہو رہی ہے' خود اس کی پسند سے' مجھے ہی غلط فہمی ہو گئی تھی۔" تبریز نے عقل مندی سے کام لیتے ہوئے اپنی بے عزتی حذف کر کے بات ضوفی کے سر ڈال دی' تانیہ نے معنی خیز مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"خیر..... اب آپ یہاں سے بھی امید نہ ہی رکھیں تو اچھا ہے' کیونکہ اب تائی نہیں مانے گی' وہ بہت خوددار ہے' اسے بہت گہری چوٹ لگی ہے۔"

"تو تم کچھ کرو ناں' اسے سمجھاؤ پلیز' میں سب سے معافی مانگ لوں گا' اس سے بھی۔" تبریز کے جذباتی انداز پر تانیہ نے قہقہہ بڑی مشکل سے ضبط کیا۔

"سوری تبریز بھائی..... اس سلسلے میں' میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی' آپ بڑوں سے رجوع کریں۔" بڑی بردباری سے اسے جواب دے کر وہ وہاں سے کھسک لی۔ تبریز اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اوپر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اسے پتا نہیں تھا کہ کسی نے ان دونوں کی ساری باتیں سن لی تھیں اور اب اس کی زبردست شامت آنے والی تھی۔

"دادو..... دادو خوش ہو جائیں' ہمارا پلان کامیاب ہو گیا' آپ کا پوتا انسان بن گیا' ویسے مجھے امید نہیں تھی مگر یہ ضوفی تو بڑی غیرت والی نکلی۔" تانیہ نے وہاں سے سیدھی دادو کے پاس دوڑ لگائی تھی جو تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں اس اچانک افتاد پر بوکھلا کر رہ گئیں۔

"کیا بکے جا رہی ہے۔" انہوں نے زبردستی گلے کا ہار بنی تانیہ کو پیچھے دھکیلا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ ضوفی کی منگنی ہو رہی ہے اس کے کزن سے۔"

"اری کیسی دوغلی لڑکی ہے' ادھر منگنی کرا رہی ہے' ادھر ہمارا لڑکا پھانس رکھا ہے۔" تانیہ نے سر پیٹا۔

"ارے دادو آپ کے پوتے کے حلق سے کانٹا نکال دیا ہے اس نے' اب دوسرا شکار مل گیا ہے شاید....." اس نے آنکھ دبائی۔

"بڑی چلتر نکلی۔" دادو نے گال پیٹے۔

"چھوڑیں بھی ہمیں کیا' ہمارا راستہ تو صاف ہو گیا ناں' آپ کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔" تانیہ نے انہیں جوش دلانا چاہا۔

"اب کیا فائدہ' اب وہ تابی اینٹھ گئی ہے۔" دادو مایوس ہوئیں۔

"اس کی آپ فکر مت کریں' وہ مان جائے گی' اسے تھوڑا وقت دیں۔" تانیہ نے انہیں تسلی دی۔

"کہہ نہ سکی کہ وہ تبریز سے محبت کرتی ہے' محبت میں بد گمانی ہو سکتی ہے' بے وفائی نہیں....."

"مگر اب تو ظفر بھی اس سے ناراض ہو گیا ہے' یہ سارا کیا دھرا اس تبریز کے بچے کا ہے' کتنا سمجھایا تھا' میں نے اسے مگر اپنی کر کے چھوڑی اس نے' اب آ گیا اپنا سا منہ لے کر۔" دادو کا جلال جاگنے لگا۔

"بس تو پھر اٹھائیں چھڑی اور بن جائیں پرانی والی نادرہ خاتون..... اعلان کر دیں کہ نکاح اسی تاریخ کو ہو گا جس دن طے ہوا تھا' چلا لے کوئی اپنی مرضی چلا سکتا ہے تو....." تانیہ نے لوہا گرم دیکھ کر ہتھوڑا کس کے مارا اور دادو نے پُرسوچ انداز میں پاس کھڑی چھڑی پر گرفت مضبوط کی دونوں کی نظریں ملیں۔

"یہ ہوئی ناں بات۔" تانیہ نے جوش میں دادو کے کندھے پر ہاتھ مارا اور دادو کے تیور بدلے۔

"کیسی پکی پکائی ہو گئی ہے تو تانیہ' تیرا ابھی بندوبست کرنا پڑے گا' کیسی بے شرمی سے مجھے شادی بیاہ کے مشورے دے رہی ہے' کرتی ہوں بات تیری ماں سے۔"

دادو نے اسے گھورتے ہوئے چھڑی گھمائی مگر ادھر کا ہے کا ڈر لے کے ایک چھت پھاڑ قہقہہ فضا میں بلند کیا اور وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

''تو یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے' مجھے پہلے ہی شک تھا یہ تمہاری حرکت ہے ورنہ تابندہ جیسی بچی اتنی جرأت نہیں کرسکتی' شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ تم میرے بیٹے ہو' ایسی تربیت کی ہے میں نے تمہاری؟'' امی نے کسی ماہر جاسوس کی طرح اس کے کمرے پر چھاپا مارا وہ جو نہانے کے بعد تولیے سے بال رگڑتا اپنا لیپ ٹاپ آن کرنے جارہا تھا' اس اچانک افتاد پر چکرا کر رہ گیا۔

''امی آپ؟'' وہ حیران ہوا کہ امی مزید دو قدم آگے آ کر کھڑی ہوئیں۔

''سیدھی طرح بات نہیں بنی تو تم نے تابندہ کو آگے کردیا اور وہ معصوم لڑکی خود اپنے منہ سے انکار کر کے سارے گھر کی بدگمانی سمیٹ کر بھی چپ بیٹھی ہوئی ہے اور یہاں تم پر کوئی اثر ہی نہیں ہورہا'' امی کے مارے جذبات کے آنسو نکلنے لگے۔

''امی پلیز مت روئیں' میں جانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوگئی ہے آئی ایم سوری۔''

''مجھے تو شرمندگی ہورہی ہے سوچ کر بیچارے بھیا جی اور بھابی کیسے رو رو کر ہم سے معافی مانگ رہے تھے' انہیں کیا پتا کہ یہ گل کس کا کھلایا ہے' تف ہے تم پر تبریز۔'' تبریز ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا۔

''اچھا ٹھیک ہے' سب میں نے بگاڑا ہے ناں تو ٹھیک بھی میں ہی کروں گا' آپ بس شادی کی تیاریاں کریں۔'' وہ دونوں کندھوں سے انہیں تھامے مضبوط لہجے میں بولا۔ اس کے انداز نے انہیں چپ کرادیا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' انہوں نے بے یقینی سے پوچھا۔

''کبھی تو مجھ پر اعتبار کریں امی۔'' وہ روہانسا ہوا۔ امی بے ساختہ مسکرائیں۔

''ٹھیک ہے کرلیا اعتبار' دیکھتی ہوں کیا کرتے ہو تم۔''

ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اب کی بار وہ سچ کہہ رہا ہے مگر وہ اسے کھلی چھوٹ نہیں دینا چاہتی تھیں۔

''آپ دادو سے بات کریں' میں تابی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔'' بہت خوشگوار اور مطمئن انداز میں اس نے اپنا فیصلہ سنایا اور لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوگیا۔ امی چند لمحے اس کی کہی باتوں کو سوچتی رہیں' پھر مسکرا کر باہر نکل گئیں۔

❁.....❁.....❁

وہ کمرے میں تنہا تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے' ابو کا ناراض چہرہ ذہن کے پردے سے ہٹتا ہی نہیں تھا رہ رہ کر ان کے الفاظ یاد آرہے تھے' اس نے تو سوچا تھا کہ خود انکار کر کے اپنا پندار بچالے گی مگر یہاں تو عزت بھی گنوادی تھی اور سب کی شفقت بھی اور وہ جو اس سب کا ذمہ دار تھا کیسا مزے سے بیٹھا پراٹھے توڑ رہا تھا' اس کا نکھرا نکھرا روپ یاد آیا تو دل میں کسک سی اٹھی۔

''میری زندگی کو جہنم میں دھکیل کر تم کتنے مطمئن ہو تبریز اظفر۔'' دل کی جلن آنسوؤں کی صورت باہر نکل رہی تھی۔

''پھر بھی تم اس کی داسی بنی اسے ناشتے بنا کر دے رہی تھیں' لعنت ہو تم پر تابندہ ظفر۔'' دماغ کوسنے میں مصروف تھا مگر دل۔

''میں کیا کروں؟'' وہ پھر رونے لگی یکا یک منظر بدلا' سرشار سا تبریز بلیک کوٹ پینٹ میں ملبوس' پہلو میں ضوفی کو لیے سب سے متعارف کراتا ہوا' ایک تیر جگر کے پار ہوگیا' تکیے کے نیچے سے اپنی اور اس کی تصویر نکالی' جو سعدون کی شادی پر لی گئی تھی اور اس نے چپکے سے اپنے پاس رکھ لی تھی' ایک لمحے کو ہی سہی' تبریز اس کے ساتھ کھڑا مسکرا تو رہا تھا۔

''کاش تم کبھی جان پاؤ کہ تمہیں کس کرب سے گزر کر آزاد کیا ہے میں نے۔''

''آنسوؤں کا چورن چبا کے ہم نے ڈکار مارا رے گن گن گنا.....'' سامنے والے گھر میں حسب معمول موسیقی کا پروگرام شروع ہوچکا تھا۔ اپنے غم کی اتنی بے ہودہ

تشریح پر تابندہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

''لاحول ولا قوۃ..... تانیہ یہ کھڑکی بند کردو۔'' حسب عادت اس نے کہا مگر تانیہ وہاں کہاں تھی' مجبوراً خود ہی اٹھ کر کھڑکی بند کی اور بستر پر دراز ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

دادو نے یمنیٰ اور بسمہ پھوپو کو کھانے پر بلایا تھا اور ظاہر ہے وہ اکیلے تو نہیں آسکتی تھیں' عفرہ' عمرہ' یاسر اور شاہ میر بھائی سب ہی موجود تھے' روحیل بیچارہ اب صرف اپنے سسرال جاتا تھا' سعدیہ بھابی سسرالیوں کے ساتھ 'ایزی' فیل نہیں کرتی تھیں' شاہ میر بھائی کی بیگم عمارہ بھابی اپنے پہلے بچے کی پیدائش کے سلسلے میں اپنے میکے ملتان گئی ہوئی تھیں' سو وہ بھی سکھ چین کی ان گھڑیوں کو انجوائے کر رہے تھے سعدون کی شادی کے بعد سب آج اکٹھے ہوئے تھے۔ سعدون اور صالحہ بھی کل واپس آرہے تھے آج کا کھانا امی اور تائی امی نے مل کر پکایا تھا۔

تابی کو کل سے بخار تھا' دادو نے اسے کچن میں آنے سے سختی سے منع کر دیا تھا اور ہزار باتیں سننے کے بعد تانیہ نے اوپر کے سب کاموں کی ذمہ داری لے لی تھی یوں بھی آج کل اس کا موڈ بہت اچھا رہتا تھا۔

کچھ طبیعت کی خرابی اور کچھ اپنی گم صم فطرت کے باعث تابندہ گھر میں پکنے والی کھچڑی سے لاعلم تھی' وہ کمرے میں لیٹے لیٹے اکتا گئی تو نیچے آکر دادو کے پاس نیم دراز ہو گئی' سر میں ابھی بھی شدید درد تھا اسی وقت تبریز بھی ادھر ہی چلا آیا۔ تھکی تھکی' زرد چہرے والی تابندہ کو دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

''کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟'' وہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' اسے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھی۔

''واہ بھائی..... مہمانوں کو بلا کر یہاں آرام فرمایا جارہا ہے۔'' اچانک یاسر اور عمرہ آدھمکے پیچھے یمنیٰ پھوپو بھی تھیں۔

''السلام علیکم پھوپو۔'' دونوں نے ساتھ ہی انہیں سلام کیا۔

''جیتے رہو۔'' تبریز کی بلائیں لے کر وہ تابی کے پاس آبیٹھیں۔

''کیسی ہے میری بیٹی۔'' انہوں نے نڈھال سی تابندہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔

''لگتا ہے کسی کی بڑی گہری نظر لگی ہے آپ کو۔'' یاسر نے مکار عورتوں کی طرح دیدے گھمائے۔

''تمہاری ہی لگی ہوگی۔'' جواب اندر سے آتی تانیہ نے دیا۔

''لو آ گئی جل ککڑی۔'' یاسر کا تو 'ٹارگٹ' آ گیا تھا۔

''اسے کیوں لائی ہیں پھوپو۔'' وہ تنک کر بولی۔

''اچھا ہے کوئی تو تمہاری بھی بولتی بند کرنے والا ہو۔'' تبریز نے بھی اسے چھیڑا۔

''بے فکر رہیں تبریز بھائی آج ضرور بولتی بند ہو جائے گی۔'' یاسر نے تبریز کو آنکھ ماری۔

''پھوپو اس کی شادی کردیں' جان چھوٹے ہماری۔'' تانیہ نے یمنیٰ پھوپو سے رجوع کیا۔

''ویسے یہ جملہ ہماری طرف سے آنا چاہیے تھا۔'' یاسر کون سا باز آنے والا تھا۔

تانیہ تو پھر جواب دینے والی تھی کہ دادو نے اسے گھورا مگر اس کی روشن آنکھیں جو تانیہ کا دل دھڑکا رہی تھیں' وہ بہانہ بنا کر وہاں سے غائب ہو گئی۔ عمرہ اس کے پیچھے تھی تبریز نے دونوں کی چوری پکڑ لی تھی مسکرا کر تابی کو دیکھا تو وہ بھی ادھر ہی متوجہ تھی' ایک پل کو دونوں کی نظریں ملیں تو تبریز کھل کر مسکرایا' تابی سے سامنا کرنا دوبھر ہو گیا تھا۔

تانیہ نے تابی کو آواز دی تو تابی خاموشی سے وہاں سے نکل کر کچن میں آ گئی جہاں تانیہ عمرہ' عفرہ کھانا لگانے کی تیاری کر رہی تھیں' کھانے کے بعد بڑوں کی محفل دادو کے کمرے میں جمی اور ینگ پارٹی لاؤنج میں قبضہ جما کر بیٹھ گئی' ٹی وی پر اسپورٹ چینل لگا ہوا تھا' لڑکے اپنے تبصروں میں مشغول تھے۔ عمرہ اور تانیہ کچن میں چائے تیار کر رہی تھیں' تابی بھی چائے کی طلب میں لاؤنج میں بیٹھ گئی' عفرہ

اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کررہی تھی۔

اسی اتوار کو اس کے سسرال والے شادی کی تاریخ لینے آرہے تھے' سو آج کل اس کا موضوع بس اپنی شادی کی شاپنگ تھا' تابی ضرور دلچسپی لیتی' اگر اس کی طبیعت بہتر ہوتی' پھر بھی وہ اپنا پورا دھیان اس کی طرف لگائے ہوئے تھی' تانیہ کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ اسے معلوم تھا کہ آج دادو نے سب کو نکاح کی تاریخ مقرر کرنے کے لیے بلایا ہے' اس نے سرپرائز دینے کے لیے تابی کو کچھ بھی نہ بتایا تھا۔ دل میں اس کے متوقع ردعمل کا ڈر بھی تھا مگر اب حال یہ تھا کہ دادو کے کمرے کے بند دروازے سے چڑسی ہو رہی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر چائے کی ٹرے عمرہ کو تھمائی کہ جا کر اندر دے آئے اور ساتھ ساتھ باتوں کی سن گن بھی لے آئے۔ جیسے ہی عمرہ ٹرے لے کر اندر گئی' وہ دوسری ٹرے اٹھا کر لاؤنج میں آ گئی۔

''شکر ہے تم آئیں تو' مجھے تو لگتا تھا آج تمہارا دیدار کیے بغیر ہی واپس جانا پڑے گا۔'' یاسر نے اسے دیکھتے ہی کچھ اس انداز سے کہا کہ تانیہ کے ہاتھ سے ٹرے گرتے گرتے بچی وہ شام سے اسے زچ کرنے پر تلا ہوا تھا۔

''خیریت ہے چھوٹے میاں' آج کل کس حکیم سے علاج کروا رہے ہو؟'' شاہ میر نے اس کی شوخی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں بڑے بھائی آپ کو چائے کا انتظار نہیں تھا کیا؟'' اس کے یک لخت پینترا بدلنے پر تانیہ نے بھی پہلو بدلا۔

''اور عفرہ..... برائیڈل ڈریس سلیکٹ کرلیا تم نے؟'' وہ یوں ہی اس سے پوچھ بیٹھی۔

''نہیں یار زین نے کہا ہے کہ برائیڈل ڈریس ان کی امی کی پسند کا ہوگا۔'' عفرہ منہ لٹکا کر بولی۔

''ظاہر ہے' بیچارہ برائیڈ پسند کرکے پچھتا رہا ہے تو برائیڈل ڈریس ماں کی پسند سے لے کر خود کو تسلی تو دے گا۔'' یاسر نے پھر سینگ پھنسائے۔

''بکواس نہیں کرو' وہ کیوں پچھتانے لگا کیا کمی ہے مجھ میں؟'' عفرہ کے تو کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

''کمی کہاں میری بہن..... زیادتی ہی ہے۔'' ادھر بھی برف جمانے کا پورا انتظام تھا' اس کی بات پر جہاں عفرہ ٹھنڈی پڑی وہیں باقی سب کے قہقہے نے اس کی ساری طراری غائب کردی تھی۔

''اب ایسا بھی نہیں ہے' پچھلے ہفتے میں نے پورا پانچ پونڈ وزن کم کیا ہے۔'' منمنا کر اس نے صفائی پیش کی' جواب میں یاسر کی دل جلا دینے والی مسکراہٹ نظر آئی۔

''وہ پچھلے ہفتے تھا' اس ہفتے کے بھی پانچ دن پورے ہو چکے میری بھولی بھینس۔'' اس نے اتنے آرام سے 'بھینس' کا اضافہ کیا کہ خود تانیہ کو بھی کچھ لمحے بعد سمجھ میں آیا۔ ایک بار پھر دبی دبی ہنسی گونجنے لگی' عفرہ تلملائی۔

''اللہ کرے اسے بھی بھینس جیسی بیوی ملے۔'' یاسر پھر ہنسا۔

''نو چانس سسٹر' کیوں تانیہ؟'' اس کا وثوق تانیہ کو بوکھلا گیا۔

''میں کیا تمہاری سکریٹری لگی ہوں جو مجھ سے پوچھ رہے ہو؟'' اسی وقت عمرہ بھاگی بھاگی آئی انٹر کی اسٹوڈنٹ عمرہ' عقل سے پیدل تھی' بچوں والی معصومیت اس کے ہر عمل سے چھلکتی تھی۔

''وہ..... وہ..... ادھر..... دو..... دو.....'' وہ ہانپتے کانپتے بولنے کی کوشش کررہی تھی پر جملہ پورا نہیں ہو پا رہا تھا۔

''دو پھوپو۔'' تانیہ بولی۔

''دو..... دو.....'' عمرہ کا سر نفی میں ہلا۔

''دو ماموں۔'' یاسر نے تکا لگایا۔

''دو صوفے.....'' تبریز نے بھی جھک ماری۔

عمرہ کا نو اور دو دو ساتھ ساتھ جاری تھا۔

''دو بچے.....'' شاہ میر کے منہ سے پھسلا' سب نے حسب توفیق اسے گھورا یعنی یہ والا دو تو ہرگز نہیں۔

''صبر میر بھائی..... ابھی ایک آیا نہیں' آپ نے دو کی منت پہلے مان لی۔'' یاسر نے جھٹ لتاڑا' شاہ میر سر کھجا کر

رہ گیا۔

''پھوٹ بھی دو آخر..... دو کیا ہے؟'' تابی نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''توبہ ہے آپ سب سے بولنے ہی نہیں دے رہے میں یہ بتا رہی تھی کہ اندر دو دو تاریخیں طے ہو رہی ہیں۔'' عمرہ نے جلدی سے بات ختم کی تو بیک وقت کئی آوازیں بلند ہوئیں۔

''کیسی تاریخیں؟''

''ایک تبریز بھائی اور تابی آپی کے نکاح کی اور دوسری یاسر بھائی اور تانیہ آپی کی منگنی کی۔'' تبریز کی مسکراہٹ قابل دید تھی تو یاسر کا اطمینان' بہ ہاری صرف ان دونوں بہنوں کے سر پر ہوئی تھی۔ تابی کے لیے یہ جھٹکا شدید تھا' اوپر سے تبریز کا اطمینان اور مسکراہٹ' کس مزے سے وہ سب کا مذاق انجوائے کر رہا تھا' اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہو رہی تھی' ادھر تانیہ کا میٹر پوری رفتار سے گھوم رہا تھا۔

''یہ میری شادی کی بکواس کس نے کی؟'' اس نے کڑے تیوروں سے عمرہ کو گھورا۔

''نانو نے اور کس نے۔'' وہ بیچاری سہم کر بولی۔

''اللہ رے..... لڑکی کا شوق تو دیکھو' منگنی بھی شادی سنائی دے رہی ہے۔'' یاسر کو تو پرمٹ مل گیا تھا۔

''تم چپ کرو۔'' تانیہ ذرا نہ گھبرائی۔

''حدِ ادب لڑکی' ہونے والے منگیتر سے ایسی بدکلامی۔'' تبریز کو بھی شرارت سوجھی۔

''آپ بڑے مخالف کیمپ کے حمایتی بن رہے ہیں۔'' تانیہ نے اسے بھی گھسیٹ لیا۔

''ظاہر ہے' مستقبل قریب میں میری اور ان کی زلفیں ایک ہونے والی ہیں۔'' یاسر نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر تبریز کی آستین پکڑ لی۔

''اللہ کو مانو یار' میرے ابھی اتنے گئے گزرے حالات نہیں ہوئے۔'' اس نے گہری نظروں سے تابی کو گھورا۔

''چلو بھئی' یہاں تو لوفر پن اسٹارٹ ہو گیا۔'' عفرہ نے ہاتھ جھاڑے۔

''کیوں تمہیں اپنا لوفر یاد آ رہا ہے موٹو.....'' یاسر بیک وقت سب سے نمٹ سکتا تھا۔

''یہ کارٹون ہی رہ گیا تھا میرے لیے؟'' تانیہ روہانسی ہوئی' اس کے یوں منہ پھاڑ کے کہہ دینے سے سب کو ہی بریک لگے مگر سب سے زیادہ سنجیدگی یاسر پر طاری ہوئی تھی' وہ چپ کا چپ رہ گیا' مسکراہٹ سمٹ گئی تھی تانیہ اپنے دھیان میں آنسو بہاتی وہاں سے واک آؤٹ کر گئی تھی۔

''اسے کیا ہو گیا؟'' شاہ میر نے حیرت سے دور جاتی تانیہ کو دیکھا۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' تانیہ کا ردعمل تابی کو شرمندہ کر گیا تھا' تیزی سے کوریڈور سے گزرتی تانیہ کو راستے میں ہی یمنیٰ پھوپو نے پکڑ لیا۔ بڑی سرعت سے اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجائی' وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں نے تو کہہ دیا تھا صاف اماں سے کہ تابی کی مرتبہ میں نے صبر کر لیا تھا کہ تبریز بھی مجھے کم پیارا نہیں مگر یہ چڑیا تو میرے ہی آنگن میں چہکے گی۔'' وہ خوشی سے بے قابو ہو رہی تھیں' جھپٹ کر اسے ساتھ لپٹا لیا' امی اور تائی امی بھی اسی طرف آ گئی تھیں' امی نے تانیہ کے پیچھے آتی تابی کو جکڑا' تائی امی کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی' کہاں تو وہ ایک کے لیے پریشان تھیں اور کہاں دونوں بیٹیوں کا فرض ادا ہو رہا تھا' انہوں نے تانیہ کا ماتھا چوم کر تابی کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''تو نے ہمارا مان رکھ لیا تابی' اللہ ڈھیروں خوشیاں تیرا مقدر کرے۔'' کتنے دنوں بعد وہ اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں' تابی کا دل پگھلنے لگا۔

''میں جانتی تھی میری تابی کبھی بڑوں کی نافرمانی نہیں کر سکتی' تبریز نے ہمیں سب سچ بتا دیا ہے اور وہ بہت شرمندہ بھی ہے' اپنی حرکت پر اسی نے کہا ہے کہ وہ جلد نکاح کرنا چاہتا ہے' میں تم سے بہت شرمندہ ہوں بیٹا' ہو سکے تو تبریز کو معاف کر دینا۔'' تابی کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے

یہ کیا نیا ڈراما کررہا تھا وہ' وہ سب کی نظر بچا کر اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔

نیچے ایک ہنگامہ برپا تھا اپنی اس بے وقعتی پر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے یعنی خود اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی' تبریز نے چاہا تو چھوڑ دیا' تبریز نے کہا تو سب مان گئے اور اس انکار کا کیا' جو اس نے کیا تھا' سب کی بدگمانی بھی سمیٹی اور اب وہ مجھ سے شادی کرکے مجھ پر ہی احسان کررہا ہے۔ اسے سو فیصد یقین تھا کہ اصل بات اب بھی صرف دادو اور چچی کو ہی پتا ہے یا پھر تانیہ کو اور اس کے اپنے ماں باپ یہاں بھی زیر بار ہو رہے تھے کیونکہ وہ نیک صفت تبریز ان کی نافرمان بیٹی کے انکار کے باوجود اس سے شادی کرنے کو تیار تھا' اس کے رونے میں اور شدت آ گئی۔

اچانک دروازہ کھلا اور تایا ابا اندر داخل ہوئے' تابی آنسو پونچھتی اٹھ بیٹھی' وہ حیران ہوئی کیونکہ وہ کبھی یوں ان کے کمرے میں نہیں آتے تھے۔

''یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ نیچے تبریز سب کو باہر لے کر جارہا ہے۔'' ان کا لہجہ' ان کی شفیق مسکراہٹ' ان کی خوشی سے چمکتی آنکھیں' سب کچھ تابی کو حیران کررہی تھی' جیسے وہ اس سے کبھی ناراض ہوئے ہی نہیں تھے۔

''ابو..... آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں؟'' اس نے ڈھیروں حیرانی آنکھوں میں سمیٹے ان کے ہاتھ تھام کر پوچھا' وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

''جب تم نے خود دادو سے معافی مانگ کر اس شادی کی رضامندی دے دی تو میری ناراضی کیسے قائم رہ سکتی تھی' سچ پوچھو تو تابی تمہارے انکار نے مجھے بہت دکھ دیا تھا' میں تمہاری طرف سے ہمیشہ بے فکر رہا کہ میری بیٹی میرے بھائی کے گھر میں بہت چاہ اور مان سے رہے گی' تبریز میرے ہاتھوں میں کھیلا ہے' میں اس سے زیادہ اعتبار دنیا میں کسی اور پر نہیں کرسکتا' ہمیشہ تمہیں اس کے ساتھ ہی سوچا تھا مگر تمہارے انکار نے مجھے جیسے توڑ دیا تھا' مجھے اس بات پر یقین کرنے میں کئی دن لگے کہ تم کبھی ایسا بھی کرسکتی ہو مگر پھر اماں نے مجھے اور تمہاری اماں کو بلا کر بتایا کہ تم نے ان سے معافی مانگ لی ہے تو میرا سر فخر سے بلند ہوگیا۔ تم نے مجھے خاندان بھر میں ذلیل ہونے سے بچالیا بیٹا' میں ڈرنے لگا تھا اس وقت سے جب یہ بات پھیلتی مگر اماں نے اپنی بیٹیوں تک سے اس بات کا ذکر نہیں کیا' یہ ان کا احسان ہے ہم پر۔'' تایا ابا بہت مطمئن اور سرشار تھے جیسے کوئی بوجھ سر سے سرک گیا ہو' تابی کا ہر اعتراض' سب شکوے لبوں پر آنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے تھے۔

وہ کوئی وضاحت نہ کرسکی کہ اس نے کبھی کسی سے کوئی معافی نہیں مانگی' یہ سب کوئی چال تھی' اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اس کے ماں باپ اس سے راضی ہوگئے تھے' اپنی عزت نفس کی قربانی اس دولت کے آگے کچھ بھی نہیں تھی' وہ بھی ان کے ساتھ مسکرادی۔

''آپ خوش ہیں تو میں بھی خوش ہوں' بس اب کبھی مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا۔'' اس کی پلکیں ابھی بھی نم تھیں۔

''کبھی نہیں' اب چلو جلدی سے تیار ہوکر نیچے آؤ' سب تمہارا ہی انتظار کررہے ہیں۔'' وہ اس کے سر کو تھپتھپا کر باہر نکل گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

وہ سب تبریز کے ساتھ باہر آئس کریم کھانے آئے تھے' یاسر کا موڈ دوبارہ بحال ہوچکا تھا' وہ ایسے ہی چٹکلے چھوڑ رہا تھا' تانیہ اس ڈھیٹ انسان کو دیکھ کر حیران ہورہی تھی' پھر اس نے بھی اپنے ذہن کو جھٹکا' ویسے بھی اس مسئلے پر دو دو ہاتھ کے لیے بہت وقت تھا' سو اب وہ بھی تبریز سے ٹریٹ کا مطالبہ کررہی تھی۔ تابی کو اس کی بے حسی بھی شدید دکھ دے رہی تھی' وہ اس کی بہن اس کی ہم راز ہونے کے باوجود کس مزے سے تبریز کا ساتھ دے رہی تھی۔

''جاؤ بھئی یاسر یہ' جو کچھ کہیں آرڈر کردو۔'' تبریز نے پیسے یاسر کو تھمائے' ارادہ سب کا آئسکریم کا ہی تھا۔

''آپ نہیں آرہے کیا؟'' یاسر نے معنی خیزی سے اسے اور اپنی جگہ پر جم کر بیٹھی تابی کو دیکھا' باقی وہ سب آگے

پیچھے اتر کر باہر نکل گئی تھیں اور اب آئسکریم کاؤنٹر کے آگے بیٹھی ٹیبل بجا رہی تھیں۔

"نہیں' تابی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو میری اور اس کی آئسکریم یہیں لے آؤ۔" وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے بہت محبت بھرا تعلق تھا دونوں کے بیچ' تابی پہلو بدل کر رہ گئی یاسر خباثت سے ہنسا۔

"صحیح جا رہے ہیں تبریز بھائی' خیر فلیور بتائیے۔" اس نے تابی کے گھورنے پر جلدی سے بات سمیٹی۔

"میرا کیریمل کرنچ ودھ چاکلیٹ چپ اور تابی کے لیے پائن ایپل ودھ باؤنٹی۔" یہی دو فلیور تابی نے اپنے دل میں دہرائے تھے اور اس میں عجب تھا بھی کیا' بچپن سے ساتھ پلنے بڑھنے والے دو افراد کو ایک دوسرے کی پسند ناپسند کا اتنا تو علم ہونا ہی چاہیے تھا' یاسر سر ہلاتا چلا گیا۔

"یہ کیا کھیل کھیل رہے ہو تم اب..... یہ نکاح کا کیا ڈراما ہے؟" اس کے جاتے ہی تابندہ پھٹ پڑی' تبریز نے حیرت سے پہلے اس کے تیور ملاحظہ کیے پھر ایک گہری سانس بھر کر گویا ہوا۔

"آئی ایم سوری تابی مگر یہ کوئی ڈراما نہیں' میں سچ مچ تم سے....."

"جسٹ شٹ اپ تبریز' تمہارے کہنے پر میں نے سب کو انکار کیا اور اب تم یہ سب کر کے خود کو بہت مہان ثابت کرنا چاہتے ہو اور آخر اس سب کا مطلب کیا ہے؟ جب تمہیں شادی ضوفی سے ہی کرنی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرانے لگی۔

"ضوفی اور میرے بیچ اب کچھ نہیں ہے' اس نے میرا یقین نہیں کیا' وہ تمہارے اور میرے رشتے کو ایکسیپٹ نہیں کر سکی اور اپنے کزن کو چوز کر لیا۔" وہ سر جھکا کر بتانے لگا' تابی ایک لمحے کو چپ رہ گئی۔

"مگر وہ تو تم سے....." اسے تبریز کی اتری صورت دیکھ کر دکھ ہوا۔

"نہیں تابی' تم نے ٹھیک کہا تھا' اگر وہ مجھ سے محبت کرتی تو اسے میرا اعتبار کرنا چاہیے تھا اور مجھے بھی مگر وہ یقیناً محبت نہیں تھی' ایک وقتی جذبہ تھا۔" اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

"ہاں تو تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہارے پاس بھی تو دوسرا آپشن موجود تھا جسے تم نے فوراً منظور کر لیا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہوا۔

"نہیں تابندہ ظفر' تم جیسی لڑکی کسی کی خواہش ہو سکتی ہے آپشن نہیں۔" اس نے سچے دل سے کہا۔

"اچھا.....! تو تب کہاں تھی یہ خواہش جب تم نے ضوفشاں کو پسند کیا تھا؟" اس نے پہلے سے بھی زیادہ تلخی سے پوچھا۔

"کہہ تو رہا ہوں ناں غلطی ہو گئی تھی اسے سمجھنے میں' معاف نہیں کر سکتیں تم مجھے؟" اس نے عاجزی سے کہا۔

"نہیں کر سکتی معاف' تمہیں پتا ہے تم ہمیشہ سے ہی اتنے جذباتی ہو کچھ بھی کرنے سے پہلے سوچتے نہیں لیکن تمہاری وجہ سے میں نے اپنے بڑوں کا اعتماد کھویا' جو ذلت میرے حصے میں آئی ہے اس کا ازالہ تم نہیں کر سکتے۔" وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی' اسی لمحے یاسر ان کی آئسکریم لیے چلا آیا' تابی نے جلدی سے چہرہ صاف کیا۔

"اف..... ایسا لگ رہا ہے کہ سارا شہر آئسکریم کھانے یہیں آ گیا ہے' یہ لیں اپنی آئسکریم' آپ لوگوں کے چکر میں میری آئسکریم کی آکس نکل گئی۔" وہ جس طرح بڑبڑاتا ہوا آیا تھا اسی طرح واپس چلا گیا۔

"اور یہ دادو سے کس نے کہا کہ میں نے ان سے معافی مانگی ہے اور اس رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے۔" وہ یاد آنے پر پھر چیخی۔

"آئی سوئیر اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں' میں نے تو بس امی سے کہا تھا کہ میں راضی ہوں' باقی سب تم تانیہ سے پوچھنا۔" اس کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔

"پوچھتی ہوں اس تانیہ کی بچی سے بھی۔" تبریز اس کی لال رنگت دیکھ کر ہنس دیا۔

"اچھا سنو..... کل بریانی پکا دینا پلیز....." وہ بڑے لاڈ سے فرمائش کرنے لگا۔

''میں کیوں پکاؤں تمہاری نوکر ہوں؟''

''اب بندہ اپنی ہونے والی بیوی سے بھی نہ کہے تو کس سے کہے؟'' وہ اسے چھیڑنے لگا۔

''دوسری ڈھونڈ لو۔'' پٹ سے مشورہ دیا۔

''ڈھونڈی تھی ناں' اسے پکانا نہیں آتی تھی' اب تم پر ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔'' عاجزی سے کہتے ہوئے آئسکریم منہ میں بھر لی۔

''تو مت کرو گزارہ' میں بھی صرف امی ابو کی وجہ سے چپ ہوں۔'' اسے پھر رونا آنے لگا۔

''آپ لوگوں کا رومانس ختم ہو گیا ہو تو ہم اندر آسکتے ہیں؟'' تانیہ نے اچانک کھڑکی سے جھانک کر پوچھا۔

''کافی سے زیادہ تو تم آ ہی چکی ہو' باقی بھی آجاؤ۔'' تبریز نے ہنستے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھولا' وہ بھی ہنستی ہوئی بیٹھ گئی' تابی کو وہ اس وقت اپنی سب سے بڑی دشمن نظر آرہی تھی جو اس کے مقابلے پر ''اغیار'' سے جا ملی تھی۔

''تانیہ کی بچی' تو یہ تم ہو جس نے دادو کے ساتھ مل کر پلاننگ کی تھی۔'' وہ جلی بھنی بیٹھی تھی۔

''کیا تابی..... ایک تو تم دونوں کا بھلا کر دیا میں نے' ابو بھی تم سے خوش ہو گئے اور یہ صاحب بھی جوتے کھانے سے بچ گئے' بجائے میرا احسان ماننے کے تم مجھے غصہ دکھا رہی ہو۔'' تانیہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''یہی میں سمجھا رہا ہوں اسے۔'' تبریز نے مسکراہٹ دبائی۔

''تم تو چپ ہی رہو بزدل انسان۔'' تابی جلتے توے پر بیٹھی تھی۔

''تابی ریلیکس یار..... اچھے بھلے تو ہیں تبریز بھائی۔'' تانیہ نے بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس تبریز کی طرف اشارہ کیا' جواباً تابی نے اسے ایک مکے اور گھوری سے نوازا۔ تب ہی وہ سب بھی آگے پیچھے آ گئے۔

''لو آ گیا' تمہارا اچھا بھلا۔'' تابی نے تاک کر وار کیا۔

''شٹ اپ تابی۔'' تانیہ نے چہرے پر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے اسے گھورا۔ سب کے بیٹھتے ہی تبریز نے گاڑی اسٹارٹ کر دی' یاسر نے ہاتھ بڑھا کر ریکارڈ پلیئر آن کر دیا۔

''سنی نہیں' زمانے نے تیری میری کہانیاں' کر دے کوئی نوازشیں کرم مہربانیاں۔''

''واہ کیا حسب حال گیت ہے۔'' یاسر نے سر دھنا' تانیہ پہلو بدل کر رہ گئی' اس کی یہی بے ہودگی کھلتی تھی اسے' کامیڈین کہیں کا' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

تبریز نے بیک ویو مرر تابی پر سیٹ کر لیا' وہ خفا خفا سی بے بی پنک سوٹ میں دمک رہی تھی' ایک آوارہ لٹ اس کے قابو میں آ کر نہیں دے رہی تھی' بار بار اس کے چہرے پر آ کر اس کا رخسار چوم لیتی' وہ حسن و سادگی کا پیکر تھی' تبریز کو اعتراف کرنا پڑا۔ تابی نے یوں ہی ایک بے ارادہ نگاہ اس کی طرف ڈالی تو اس کی محویت دیکھ کر سٹپٹا گئی' ارد گرد دیکھا کوئی متوجہ نہ تھا مگر اس کا اپنا دل بہت تیز دھڑکنے لگا تھا' تبریز کو اس کی گھبراہٹ لطف دے گئی۔ وہ زیر لب مسکراتے ہوئے یاسر کی باتوں پر سر ہلانے لگا جو پتا نہیں کہاں کہاں کی ہانک رہا تھا۔

''تانیہ پھر منگل کا پروگرام فائنل ہے ناں شاپنگ کا؟'' عفرہ نے کنفرم کرنا چاہا۔

''ہاں ہاں بالکل' تم کال کر دینا' میں تیار رہوں گی۔'' تانیہ نے بھی تائید کی۔

''آپی میں بھی چلوں گی۔'' عمرہ نے خوش ہوتے ہوئے تالی بجائی۔

''نہیں بھئی' تم رہنے دو' ورنہ ہم شاپنگ کرنے کے بجائے کسی مسجد کے باہر کھڑے تلاش گمشدہ کا اعلان کروا رہے ہوں گے۔'' تانیہ نے جھٹ اسے دیوار سے لگایا۔

''کون منع کر رہا ہے میری بہن کو لے جانے سے۔'' یاسر کے کان ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔

''میں منع کر رہی ہوں' کر لو اب جو کرنا ہے۔'' تانیہ تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔

''کر چکا جو کرنا تھا۔'' وہ بڑے مست انداز میں اس کی بولتی بند کرا کر تبریز کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگا اور سب

ہی نے اس کا ساتھ دیا۔ تب ہی تبریز نے گاڑی کو بریک لگائے۔

"لو بھئی آ گیا تمہارا گھر' فوراً اتر جاؤ ورنہ اس سے آگے کی میں کوئی ذمہ داری نہیں لوں گا۔" تبریز نے تانیہ کے تیور بھانپتے ہوئے اسے ڈرایا' شرارت اس کی آنکھوں میں ناچ رہی تھی' تابی بھی چہرہ پھیر کر مسکرانے لگی۔

"ارے آپ یہ تکلیف کیجیے گا بھی مت کیونکہ یہ ذمہ داری اب میں لے چکا ہوں۔" یاسر اترتے ہوئے بھی باز نہیں آیا تھا۔

گھر پہنچ کر تانیہ سب سے پہلے اندر بھاگی' تابی بھی اس کے پیچھے لپکی کمرے میں پہنچ کر وہ تابی کو دیکھ کر پھٹ پڑی۔

"زہر لگتا ہے مجھے یاسر۔" تابی نے ڈر کر بند دروازے کو دیکھا پھر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"ایسے تو مت کہو اتنا تو ہینڈسم ہے۔" اس نے بات مذاق میں ٹالنا چاہی۔

"ہینڈسم مائی فٹ' مسخرا' نان سیریس' زندگی کو مذاق سمجھنے والا بے کار شخص۔" تانیہ نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"اچھا..... واقعی بہت نان سیریس ہے' ایم بی اے کر کے بینک میں اچھی جاب کر رہا ہے' ساتھ ساتھ پھوپا جی کا سپر اسٹور بھی سنبھالتا ہے' رویل بھائی کی بے حسی کے بعد ساری ذمہ داریاں اکیلے سنبھالتا ہے' پھر اس پر فراغت کی انتہا دیکھو پھوپو کے ایک اشارے پر ہر جگہ ان کے ساتھ چل پڑتا ہے اور پھر ہر وقت بک بک کر کے سب کو ہنساتا بھی رہتا ہے' واقعی بالکل بے کار لڑکا ہے۔" تابی نے یوں منہ لٹکا کر کہا جیسے واقعی اسے تانیہ کی بات سے اتفاق ہو' تانیہ نے ابرو اچکا کر اس کی لن ترانیاں سنی۔

"اس بات کا مطلب؟" اس نے بیزار لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ناشکری لڑکی کہ اللہ نے گھر بیٹھے ایک دیکھا بھالا شریف بندہ تمہارے لیے بھیج دیا ہے تو اس کا شکر ادا کرو نہ کہ بے تکے جواز گھڑو۔" تابی نے اسے لتاڑا۔

"یہ سب تو میں تم سے بھی کہہ سکتی ہوں۔" تانیہ نے رکھائی سے کہا۔

"نہیں تانی' میرا معاملہ بالکل الگ ہے' میں ہمیشہ راضی برضا تھی' اللہ نے جس شخص کو میرے لیے چنا میں نے اسے دل سے قبول کیا' بس اسے ہی میں نظر نہیں آئی' اس نے مجھ پر کسی اور کو ترجیح دی۔" تابی کا چہرہ لمحوں میں تاریک ہوا' تانیہ فوراً اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"آئی ایم سوری تابی۔"

"کیا تم محسوس کر سکتی ہو تانیہ کہ تھوک کر چاٹنا کیسا ہوتا ہے۔" اس کی بات پر تانیہ برف ہو گئی اور باہر کھڑا تبریز بھی جو تانیہ کا کلچ دینے آیا تھا جو وہ گاڑی میں ہی بھول آئی تھی۔

❁.....❁.....❁

اگلے دن وہ معمول کے مطابق سب کا ناشتہ تیار کر رہی تھی' تبریز کو وقت سے پہلے تیار ہو کر آتے دیکھا تو اس نے سب کام چھوڑ کر پہلے اس کی ٹرے تیار کی اور لاؤنج میں لے آئی' وہ ہمیشہ کی طرح نک سک سے تیار سوٹ پینٹ اور ٹائی میں سج رہا تھا' پورے کمرے میں اس کے پرفیوم کی مہک پھیلی ہوئی تھی' تابی نے ٹرے اس کے آگے رکھی مگر اس نے صرف چائے کا کپ اٹھایا' سر جھکائے سنجیدہ تاثرات لیے وہ صرف اپنی چائے کی طرف متوجہ تھا' جیسے اس کے سوا کمرے میں کوئی اور موجود ہی نہ ہو' تابی کو وہ کل سے قدرے مختلف محسوس ہوا' اس نے نظر اٹھا کر تابی کو نہیں دیکھا۔

"ناشتہ تو کر لو۔" اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر تابی نے دبی آواز میں کہا۔

"مجھے بھوک نہیں۔" اسی طرح اسے نظر انداز کرتا وہ باہر نکل گیا۔

"تبریز چلا گیا؟" عقب سے آتی دادو کی آواز پر وہ چونکی۔

"جی شاید جلدی تھی اسے....." وہ کہتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی' دل بے چین سا ہو گیا تھا۔

کہاں وہ خود اس سے خفا تھی اور اب دل اس کی

پریشانی جان لینے کو تڑپ رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

سعدون اور صالحہ دوپہر کی ٹرین سے واپس آ گئے تھے' تائی اماں نے رات کے کھانے پر خوب اہتمام کیا تھا' وہ دونوں بھی تھکے ہوئے تھے' آ کر جو سوئے تو شام کی ہی خبر لائے' تابی نے مارے باندھے کام نبٹائے تھے' تبریز دیر سے گھر آیا مگر رات کے کھانے پر سب کے ساتھ موجود تھا۔

''ہاسپٹل کب سے جوائن کرو گے؟'' اس نے سعدون سے پوچھا تھا۔

''بس یار کل سے ہی' بہت چھٹیاں ہو گئیں' اب تو مجھے گھر اور ہاسپٹل دونوں یاد آ رہے تھے۔'' وہ سیدھا سادہ بندہ تھا' اس کی بات پر تبریز ہلکے سے ہنسا۔

''بھابی کے سامنے مت کہہ دینا ورنہ کل ہی میکے چلی جائیں گی کہ تجھے ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی گھر یاد آ رہا تھا۔'' اس نے سعدون کو ڈرانا چاہا۔

''ٹھہر جا بیٹا کچھ دن' تیرا بھی وقت آنے والا ہے۔'' اسے بھی گھر آتے ہی دونوں خوش خبریاں مل گئی تھیں' اس کی بات پر تبریز جیسے سمٹ سا گیا۔

''عاتکہ کب تک آ رہی ہے چچی؟'' سعدون نے امی کو مخاطب کیا۔

''بڑی مشکل سے سیٹ ملی ہے' تابش کی چھٹیوں کا بھی مسئلہ ہے' میں چاہتی ہوں وہ ضرور شریک ہو' آخر اکلوتا داماد ہے گھر کا۔'' امی نے تفصیلی جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ اور پھر یہی تو موقع ہوتے ہیں مل بیٹھنے کے اور ویسے عاتکہ آئی بھی نہیں ہے سال بھر سے۔'' سعدون کے لہجے میں بھائیوں والا پیار جھلک رہا تھا' تبریز کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی' جونہی دادو اور تایا ابا اٹھنے لگے' تبریز کی آواز نے سب کو خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

''میں آپ سب سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' پلیز دادو اور تایا ابا بیٹھ جائیے۔'' اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ تایا ابا بنا کوئی سوال کیے بیٹھ گئے' اس نے نظر اٹھا کر باری باری سب کو دیکھا' کچن سے چاولوں کی ڈش لے کر آتی تابی' لاؤنج کی چوکھٹ پر ہی رک گئی تھی۔

''تایا ابا..... آپ کو یاد ہے کچھ دن پہلے تابندہ نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا.....'' تایا ابا نے سر کو خفیف سی جنبش دی' ان کے خیال میں تبریز یہ بات جانتا تک نہیں تھا۔

''وہ انکار اس نے میرے کہنے پر کیا تھا' مطلب میں اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھا' میں اپنی ایک کلاس فیلو کو پسند کرتا تھا' تابی کو یہ بات میں نے خود بتائی تھی جب ہی اس نے تائی اماں کو انکار کیا تھا' مجھے افسوس ہے میری وجہ سے وہ سب کی نظروں میں بری بنی مگر آپ کا اصل مجرم میں ہوں' تابندہ کا کوئی قصور نہیں اور اب بھی وہ آپ سب کی خوشی کی خاطر اس شادی پر رضامند ہوئی ہے مگر میں اسے اب کسی بات کا پابند نہیں کرنا چاہتا وہ چاہے تو انکار کر سکتی ہے' میں اپنی طرف سے اسے فیصلے کا حق دیتا ہوں اور خود کو آپ سب کی عدالت میں پیش کرتا ہوں' جو چاہے میرے ساتھ سلوک کریں۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو سب کو چپ لگ گئی تھی۔

''تایا ابا.....'' تبریز کو ان کی چپ تڑپانے لگی۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے.....'' وہ اتنی زور سے دہاڑے کہ سب ہی اپنی جگہ دہل کر رہ گئے' امی کا دل کٹنے لگا' وہ اس وقت چھوٹے بچے جیسا معصوم لگ رہا تھا' آنکھوں کے گوشے نم تھے' بہت آہستگی سے کرسی کھسکا کر وہ کھڑا ہوا اور لاؤنج سے نکلتا چلا گیا' اس کی کھانے کی پلیٹ جوں کی توں رکھی تھی' اس نے کچھ نہیں کھایا تھا مگر دل میں ملال لیے آہستہ آہستہ سب ہی اٹھ گئے تھے۔

بعض اوقات وہ کام معافی نہیں کرپاتی جو کام اعترافِ جرم کر دیتا ہے' وہ مجرم تھا مگر اعترافِ جرم سے معصوم ہو گیا تھا۔ رات کافی بیت چکی تھی مگر وہ اب تک واپس نہیں آیا تھا نیچے امی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں اور اوپر تابی۔

''کیا پریشانی ہے تمہیں سو کیوں نہیں جاتیں؟'' ابو بہت دیر سے ان کی اٹھک بیٹھک سے ڈسٹرب ہو رہے تھے آخر کار بول اٹھے امی نے ایک حیران نگاہ ان پر ڈالی۔

''میرا بچہ ابھی تک گھر نہیں آیا آپ کہہ رہے ہیں کہ کیا پریشانی ہے؟'' ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''یہ پریشانی تب اٹھاتی جب وہ باہر محبت کی پینگیں بڑھا رہا تھا تو آج یہ وقت نہیں دیکھنا پڑتا' تب تو تم نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں آج سب کے سامنے ہمارا سر جھکا کر خود غائب ہو گیا۔'' ابو کو خود پتا نہیں تھا کہ وہ غصے اور دکھ کی ملی جلی کیفیت سے دوچار تھے۔

''وہ کوئی لڑکی نہیں تھا جو میں اس پر نظر رکھتی اور جہاں تک مجھے لگتا ہے اس نے ہمارا سر بلند کیا ہے کیونکہ اس نے ہمت دکھائی ہے' اپنی غلطی کا اعتراف کر کے' وہ آج نہیں کہتا تو آپ کو کبھی پتا چلتا کہ اصل بات کیا تھی؟'' امی کے تو گویا دل میں گڑ گئی تھی اس کی اداس صورت' وہ اب ہر نفع و نقصان سے خود کو آزاد کر چکی تھیں' ان کے بیٹے نے انہیں اس شرمندگی سے نکال لیا تھا جو وہ دادو اور تابی کے سامنے محسوس کرتی تھیں۔

''اچھا اب تم سو جاؤ' آ جائے گا تھوڑی دیر میں۔'' ابو ان کی باتوں سے شاید متاثر ہو گئے تھے' ان کے نرمی سے کہنے پر امی دھیمی پڑ گئیں' نیند تو خاک آنا تھی مگر ابو کی تسلی کی خاطر لیٹ ضرور گئی تھیں۔

دبی دبی سسکیوں کی آواز سے تانیہ کی آنکھ کھلی تھی' چہرہ دوسری طرف کیے تابی مسلسل رو رہی تھی۔

''اب کیوں رو رہی ہو' تمہاری عزت نفس بحال ہو گئی ناں؟ ہٹ گیا تم پر سے الزام۔'' وہ طنز نہیں کر رہی تھی' اسے یاد دلا رہی تھی کہ یہی ایک کانٹا اس کے دل میں گڑا رہ گیا تھا جو اسے تبریز سے بدگمان کرتا تھا۔

''تانیہ وہ گھر نہیں آیا ابھی تک' وہ بہت جذباتی ہے' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ بری طرح بکھر رہی تھی' تانیہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''تو فون کر کے پوچھ لو۔''

''فون بند کر دیا ہے اس نے' وہ واپس کیوں نہیں آ رہا؟'' یہ وہ تابندہ ظفر تو نہیں تھی جو کل تک تبریز سے خفا تھی' اس کے خلوص میں بھی بے اعتباری ڈھونڈ رہی تھی' یہ تو وہ دیوانی تھی جو اس کی محبت میں مدت سے مبتلا تھی' جس نے رو رو کر اس کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگتے ہوئے اپنی آنکھیں سوجالی تھیں' تانیہ کو اس پر ترس آنے لگا۔

''بس کرو تابی وہ آتے ہی ہوں گے' کوئی بچے تھوڑی ہیں۔'' جب ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی وہ پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی کھڑکی تک گئی۔ آنے والا تبریز ہی تھا' بائیک اندر کھڑی کر کے وہ دروازہ بند کر رہا تھا۔

''تانیہ جاؤ اس سے کھانے کا پوچھ لو۔'' وہ پھر تانیہ کے سر ہو گئی' کوئی اور وقت ہوتا تو تانیہ مر کے بھی نہ جاتی مگر اس وقت اس کی کیفیت کے پیش نظر وہ سرعت سے اٹھی اور دوپٹا شانوں پر برابر کرتی ہوئی باہر نکل گئی' سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنی امی کو کھانے کے لیے منع کر رہا تھا پھر بھی جب وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا تو تابی کی خاطر وہ پوچھ بیٹھی۔

''تبریز بھائی کھانا لے آؤں؟'' تبریز نے خالی نظروں سے اسے دیکھا پھر پھیکا سا مسکرایا۔

''اسے کہنا میرا دل بھر گیا ہے' اب کسی چیز کی گنجائش نہیں رہی۔'' تانیہ وہیں کھڑی رہ گئی۔

''کھانا کھا لیا انہوں نے؟'' کمرے میں آئی تو وہ ویسے ہی آنکھوں میں سوال لیے کھڑی تھی۔

''ٹھیک ہیں تابی' اب پلیز سو جاؤ' مر جاؤ گی ورنہ۔'' تانیہ کا اپنا ذہن عجیب کشمکش میں گھر گیا تھا' اوپر سے تابی کی حالت' یہ معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید بگڑ رہا تھا' اسے فیصلہ کرنا مشکل لگا کہ اصل قصوروار کون ہے۔

❁.....❁.....❁

''یہ کیا ہو گیا دادو..... ہماری اتنی ترکیبیں لڑانے کے باوجود بھی یہ معاملہ خراب ہو گیا؟'' اگلے دن وہ کالج بھی نہیں گئی تھی اور اب ناشتہ لیے دادو کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی' دادو کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

''سب تیرا کیا دھرا ہے تانیہ' پتا نہیں میں کیوں تیری باتوں میں آ گئی' جھوٹ بول کر اس عمر میں اپنے گناہ بڑھائے اور اپنے بچوں کی زندگی بھی خراب کی۔'' دادو نے اتنی اچانک کہا کہ اس کے حلق میں نوالہ پھنسنے لگا۔

''واہ..... کتنی جلدی آپ نے خود کو بے قصور ثابت کر دیا' لے دے کے سارا ملبہ میرے سر پر ڈال دیا' میں نے کہا تھا کہ ضوفی کو بتائیں کہ تابندہ' تبریز کی بچپن کی منگیتر ہے اور کوئی چڑیل (ضوفی) تبریز کو اپنے چکر میں پھنسانے کی کوشش کر رہی ہے' یہ شیطانی الفاظ میرے تو نہیں تھے؟'' دادو کھسیائیں۔

''ہاں تو میں نے کیا غلط کہا تھا' آگے تو سب اس ضوفی نے خود ہی کیا ناں۔'' تانیہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''تو کوئی بھی عزت نفس والی لڑکی خود کو چڑیل کہلوانا پسند نہیں کرے گی' اس نے جو کیا بالکل ٹھیک کیا' میں بھی یہی کرتی۔''

''ہاں ہاں تُو بڑی عقل والی ہے ناں' یہ تابی کی معافی والا ڈراما کس نے لکھا تھا؟ وہ تو تیرا ہی دماغ چلا تھا ناں۔'' دادو نے جھٹ بدلہ لیا۔

''تو اور کیا کرتی' ابو اس کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے پھر مجھے پتا ہے تابی بے قصور تھی' اس لیے تھوڑے سے جھوٹ سے کام بن گیا' ابو بھی راضی ہو گئے اور تبریز بھائی بھی۔'' تانیہ صاف گوئی سے بولی۔

''لیکن بیٹا' جھوٹ کی بنیاد پر رشتے قائم نہیں ہوتے' بے شک جو ہوا اس نے مجھے دکھ دیا مگر اب میرے دل پر بوجھ نہیں ہے' یقیناً اللہ کی اس میں کوئی بہتری ہی ہو گی۔'' دادو مطمئن تھیں۔

''آپ نے تابی کی حالت نہیں دیکھی دادو' مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی محبت کرتی ہے تبریز بھائی سے۔'' تانیہ دکھی ہونے لگی۔

''سب دکھائی دیتا ہے مجھے مگر یہ معاملہ میرے ہاتھ سے نکل چکا تانیہ' اب ان کے ماں باپ کو فیصلہ کر لینے دے اور اب تو مجھے تیرا بھی ڈر ہے' تو تُو خوش ہے ناں اپنے رشتے سے یا کل کو تو بھی کھڑی ہو جائے گی انکار کرنے۔''

دادو کو اچانک ہی خیال آ گیا' تانیہ گڑبڑائی۔ اس وقت اپنے معاملے کو زیر بحث لانا ان کے شک کو ہوا دینا تھا' سو تابعداری سے بولی۔

''نہیں دادو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' دادو خوش ہو گئیں۔

''جیتی رہ میری بچی..... چل کچھ تو عقل ہے تیرے پاس۔'' واہ..... کیا دعا دی تھی طنز بھری' تانیہ بل کھا کر رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

''بھابی میری سمجھ میں نہیں آتا کس منہ سے آپ سے معافی مانگوں' میں تو آپ سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہا' آپ نے صحیح کہا تھا' یہ ہماری ہی غلطی تھی جو اپنی اولاد پر اعتماد کیا اور بچپن میں ہی ان کے رشتے ناطے جوڑ کے بیٹھ گئے' کہیں کا نہیں چھوڑا اس تبریز نے ہمیں۔'' ابو سر جھکائے' نظریں نیچی کیے تایا ابا کے قدموں میں بیٹھے تھے۔

''تم صحیح کہہ رہے ہو اظفر' غلطی ہماری ہی ہے' ہمیں ان کی رائے لینا چاہیے تھی' میں تبریز کو بھی غلط نہیں کہتا جوان خون ہے' پھر آج کل کا دور وہ نہیں رہا کہ بچوں پر اپنے فیصلے تھوپے جائیں اور کم از کم اب میں یہ غلطی نہیں کروں گا' میری بیٹی نے بے قصور ہو کر اتنی تکلیف اٹھائی' اب میں اس کی مرضی معلوم کروں گا پھر ہی کوئی فیصلہ ہو گا۔'' تایا ابا نے پُرسوچ انداز میں بات مکمل کی' امی اور تائی امی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''ابو جلد بازی مت کریں' ہم تاریخ فائنل کر چکے ہیں' دونوں پھوپیوں کے سامنے بات ہوئی ہے' یقیناً اب تک خاندان میں یہ بات پھیل چکی ہو گی' کیسے سامنا کریں گے لوگوں کا' کیا جواب دیں گے سب کو؟'' سعدون ابھی اندر آیا تھا اور تایا ابا کی بات کا بیشتر حصہ سن چکا تھا' وہ اپنی جگہ ٹھیک بات کر رہا تھا۔

''میرے گھر میں میرے بچوں نے میری بے عزتی

کی ہے اب لوگوں کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی کا کوئی خوف نہیں رہا مجھے بھاڑ میں جائیں لوگ اب جو تابندہ کہے گی میں وہی فیصلہ کروں گا۔'' تایا بے حد مشکل میں تھے۔

''وہ کہہ تو چکی ہے کہ اسے کوئی اعتراض نہیں۔'' تائی امی منمنائیں۔

''یہ بات میں اس کے منہ سے سننا چاہتا ہوں' جاؤ اسے اور تبریز دونوں کو بلا کر لاؤ' سب کے سامنے بات ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے۔'' ان کے حکم پر سعدون اور امی دونوں باہر نکل گئے' تانیہ دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی' الٹے پاؤں دادو کو بلانے بھاگی' امی نے تبریز کو بلایا اور سعدون تابی کے کمرے میں پہنچا۔

اگلے دس منٹ میں سب بڑے کمرے میں جمع تھے' تبریز سب سے آخر میں اندر آیا مضمحل' اداس سا..... تابی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''میں نے یہاں سب کو اس لیے بلایا ہے تاکہ یہ اعتراف کر سکوں کہ ہم لوگ اب اس قابل نہیں رہے کہ اپنے بچوں کی زندگی کے لیے بہتر انداز میں سوچ سکیں' لہٰذا جس طرح تبریز نے اپنا فیصلہ سنایا تھا اسی طرح تابندہ کو بھی حق ہے کہ ہمیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرے' آؤ تابی ادھر آؤ اور اپنے دل پر کوئی بھی بوجھ مت رکھنا' تمہارا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہوگا۔'' تایا ابا آج بہت حیران کر رہے تھے' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ واقعی تابی کو حق دے رہے تھے یا طنز کر رہے تھے۔

سب کی توجہ یک لخت ہی تابندہ کی طرف ہو گئی' اس کا حوصلہ جواب دینے لگا' ٹانگوں میں جان نہ رہی تھی کہ آگے بڑھتی' تبریز' دادو اور سعدون کے ساتھ بیٹھا تھا' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسے دیکھنے لگا' لرزتا سراپا' ویران چہرہ' اجڑی بکھری سی وہ کوئی اور ہی تابندہ تھی' تبریز کا دل کٹنے لگا' تابندہ کونے میں کھڑی ان دونوں کی حالت پر ماتم کناں تھی۔

صالحہ نے تابی کو سہارا دے کر کھڑا کیا تو وہ بے تحاشا دھڑکتے دل سے قدم بڑھانے لگی' ذہن ماؤف تھا' ابو کیا سننا چاہتے تھے؟ اسے کیا کہنا چاہیے تھا اور اس نے تبریز اظفر سے ہٹ کر کبھی سوچا ہی کچھ نہ تھا' اسے اس سے آگے کی دنیا کا علم ہی نہیں تھا' وہ بچھڑ گیا تو وہ تنہا شاید جی لیتی مگر کسی اور کے ساتھ تو مر ہی جاتی' آج اگر اس نے انکار کر دیا تو ابو اس کا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں دے دیں گے' وہ ہاتھ جو اس نے کبھی تبریز اظفر کے ہاتھ میں بھی نہ دیا تھا' جس کی اس نے ساری عمر پوجا کی تھی' اس کے احساسات میں بھی صرف تبریز کی خوشبو بسی تھی' وہ دنیا کے لیے تابندہ ظفر تھی اور اپنی ذات کے لیے وہ 'تابندہ تبریز' تھی' وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدم بڑھا رہی تھی' اس کی آنکھوں سے کب گرم سیال بہنا شروع ہوا اسے خبر بھی نہ ہو سکی' آخری لمحوں میں اس نے تبریز کو تیزی سے اپنی طرف آتے دیکھا اور پھر وہ لہرا کر زمین پر گر گئی' ہوش و حواس سے بالکل بیگانہ ہو کر' تبریز جو اس کی حالت پہلے ہی دیکھ رہا تھا اس کے گرنے تک اس کے سب سے زیادہ قریب پہنچ چکا تھا۔

''تابی کیا ہوا؟ تابی اٹھو' آنکھیں کھولو۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا رہا تھا مگر وہ بے سدھ ہو چکی تھی۔

''سعدون گاڑی نکالو۔'' سعدون ڈاکٹر ہونے کے ناطے سمجھ چکا تھا کہ یہ شدید ڈپریشن کا نتیجہ تھا' اگلے ہی لمحے تبریز اسے بانہوں میں اٹھائے چوکھٹ پار کر گیا تھا' ہر ایک پریشان تھا سوائے تایا ابا کے جو اپنی جگہ جم کر بیٹھے تھے۔

''اور کیا جواب سننا چاہتا ہے تو اپنے بچوں سے ظفر؟ دیکھ ان کی حالت۔'' دادو کو غصہ آ گیا' تایا ابا مسکرا دیے۔

''بس یہی دیکھنا چاہتا تھا اماں۔'' ان کی بات پر جہاں دادو چونکی وہیں ابو' امی اور تائی امی بھی ہلکی پھلکی ہو گئیں یعنی یہ سب انہوں نے جان بوجھ کر کیا تھا تاکہ ان دونوں کو احساس دلایا جا سکے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کیا ہیں' تانیہ نے رشک سے اپنے ابو کو دیکھا جو اس سے بھی دو قدم آگے نکل گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

وہ ہاسپٹل میں ایمرجنسی روم کے باہر کھڑا مسلسل اس کے لیے دعائیں کر رہا تھا' اس کی پریشانی اس کے چہرے

سے ظاہر تھی' سعدون اندر تھا اور وہ اکیلا باہر..... ذہن میں ایک فلم سی چل رہی تھی' ہر منظر میں تابندہ ظفر ایک مختلف روپ لیے اس کے سامنے تھی' پہلے جب وہ اسے قابل توجہ سمجھتا ہی نہ تھا' پھر جب وہ اس کی لاتعلقی سے بددل ہو کر ضوفی کی طرف مائل ہوا اور وہ ویران آنکھوں اور کڑے تیوروں والی تابندہ ظفر جو اسے مسترد کر کے خود کو بہت مضبوط ظاہر کر رہی تھی' پھر تبریز کی ذرا سی توجہ پر گھبرانے والی تابندہ' اس لمحے وہ کتنی نئی نویلی سی لگتی تھی' کتنے انوکھے رنگ اس کی آنکھوں اور چہرے سے چھلکنے لگتے تھے اور پھر وہ بے بس اور اداس تابندہ جو تانیہ سے اپنی بے وقعتی کا رونا رو رہی تھی' جس کے شکوؤں نے تبریز کو سرتاپا بدل دیا تھا' وہ جو اس کی توجہ' اس کی نوازشوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا آیا تھا' جس کے غصے میں چھپا پیار اسے کبھی نظر ہی نہیں آیا تھا' جو اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں' پسند ناپسند کا خیال رکھ کر اپنی محبت جتاتی آئی تھی اور تبریز ان بدقسمت لوگوں میں سے تھا جنہیں گھر میں موجود دولت کبھی نظر نہ آئی تھی' کتنی آسانی سے اسے رد کر کے وہ پھر اس کا دعوے دار بن کر بیٹھ گیا تھا' اس سارے کھیل میں وہ نازک جذبوں والی لڑکی کس بری طرح سے ٹوٹی تھی' اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور اب جب وہ اسے اس کا اختیار دینے کا فیصلہ کر چکا تھا تو وہ ایک بار پھر اس پر اپنی چاہت جتا گئی تھی۔

وہ آخری منظر یاد کر کے ایک کپکپی سی اس کے وجود میں دوڑ گئی۔ تب ہی سعدون روم سے نکلتا دکھائی دیا۔

"وہ ٹھیک ہے ناں؟" تبریز بے اختیار پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہو جائے گی' ڈپریشن کی وجہ سے ایسا ہوا ہے' مگر خطرے کی کوئی بات نہیں۔" وہ بہت پشورانہ انداز میں اسے تسلی دے رہا تھا۔

"تو بھی مجھ سے ناراض ہے؟" تبریز نے اچانک اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا۔ سعدون نے ایک ترچھی نگاہ اس کی بکھری ہوئی حالت پر ڈالی۔

"تجھے جاننا نہ ہوتا تو ضرور ناراض ہو جاتا مگر کیا کروں' اس کا ہی نہیں' تیرا بھی بڑا بھائی ہوں۔" سعدون کی بات پر تبریز کا سر جھک گیا..... سعدون نے شاید گھر فون کر دیا تھا' اسی لیے تایا ابا اور ابو ہاسپٹل آ گئے تھے' تبریز ان کی آمد سے بے خبر بینچ پر سر جھکائے بیٹھا تھا' تایا ابا دور سے اسے گم صم بیٹھا دیکھ چکے تھے' نزدیک آتے قدموں کی چاپ سے تبریز نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تو چونکا۔ وہ معنی خیز انداز میں اسے دیکھ رہے تھے' تبریز نے نظریں پھر جھکا لیں' اب پتا نہیں کیا کہنے والے تھے۔ وہ سوچنے لگا۔

"اگر یہی سب کرنا تھا تو اتنا تماشا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ بہت اچانک بولے' تبریز سے ضبط نہ ہو سکا' لمحے میں ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"تایا ابا..... یہ آپ کی جوتی اور میرا سر' جتنی چاہے سزا دے لیں مگر اب کسی فیصلے کی بات مت کیجیے گا۔" وہ بچوں کی طرح سسکنے لگا' تایا ابا نے ٹھنڈی سانس خارج کی اور اسے اپنے دونوں کاندھوں سے تھام کر اٹھایا۔

"میں نے اپنی ویسپا سب سے پہلے کسے چلانے دی تھی؟" انہوں نے بالکل غیر متعلقہ سوال پوچھا۔

"تبریز کو۔" جواب ابو نے دیا جن کے لبوں پر مسکراہٹ چمک رہی تھی۔

"اپنا عزیز ترین قلم میں نے کس کو دیا تھا؟"

"تبریز کو۔" سعدون بھی وہیں کھڑا مسکرایا۔

"اور اپنی جان سے پیاری بیٹی میں کسے سونپنا چاہتا تھا؟" آخری سوال پر تبریز نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"تبریز کو۔" جواب خود تایا ابا نے دیا۔

"سوری تایا ابا..... غلطی ہو گئی تھی' سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے منہ بسور کر کہا' تایا ابا مسکرا دیے۔

"ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس' جتنی تیاری کرنی ہے کر لو' اس کے بعد عمر قید۔" ان کی آخری بات کے بعد تبریز حیرانی و بے یقینی کی ملی جلی کیفیت لیے کبھی انہیں دیکھ رہا تھا تو کبھی ابو کو۔

"یہ بات ہوئی ناں ابو۔" سعدون کھلکھلاتا ہوا اس کے گلے لگ گیا' تبریز کو لگا جیسے وہ صدیوں بعد مسکرایا ہو۔

❁.....❁.....❁

اس کی آنکھ کھلی تو اپنے اوپر تانیہ کو جھکا پایا۔

"میں کہاں ہوں؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"دلہن صاحبہ..... کچھ دن انتظار کرلیتیں تو آپ کو لمبا آرام کروا دیتے' یہ کیا بے تکی جگہ پسند کرلی تم نے آرام کرنے کے لیے۔" تانیہ حسب عادت موڈ میں تھی' تابی نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"ابو نے معاف کردیا تبریز بھائی کو۔" اس نے تابی کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر سرگوشی کی' تابی نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"

"باہر جا کر دیکھ لو اب کوئی تمہاری آس میں جوگ لیے ہاسپٹل کی راہ داری میں مجنوں بنا بیٹھا رہے گا تو کسی کا بھی دل پگھل جائے گا۔" وہ اسے چھیڑنے لگی' تابی کا دل دھڑکنے لگا۔

"تبریز جوگ لیے بیٹھا ہے وہ بھی اس کے لیے؟" کیسی انہونی سی بات تھی مگر اسے خوشی ہوئی۔

"واقعی.....! اگر کوئی جوگ لے کر مجنوں بن کر بیٹھ جائے تو 'کسی' کا بھی دل پگھل جاتا ہے؟" یاسر ہمیشہ کی طرح بنا دستک دیئے بے دھڑک گھسا چلا آیا' تانیہ سٹپٹا کر پلٹی۔

"کیسی طبیعت ہے آپی اب؟" تانیہ کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے تابی سے پوچھا' گھر والوں کے سوا سب کو یہی بتایا گیا تھا کہ تابی کو کمزوری کے باعث چکر آنے کی وجہ سے ہاسپٹل لایا گیا تھا' یاسر بھی اسی کے پیش نظر عیادت کے لیے آیا تھا۔

"بہتر ہوں؟" تابی تکیوں کے سہارے اٹھ بیٹھی۔

"آپ کی اجازت ہو تو آپ کی بہنا سے کچھ بات کرسکتا ہوں؟" اس نے اتنی شرافت سے پوچھا کہ تابندہ اور تانیہ حیران رہ گئیں۔

"میری بہن تمہاری بھی کچھ لگتی ہے۔" تابی مسکراہٹ دبا کر بولی۔

"جی اسی حوالے سے اجازت طلب کررہا تھا۔" برجستہ جواب دیا' تانیہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

"سنا ہے کسی کامیڈین سے منگنی ہوگئی ہے تمہاری؟" وہ لمحے میں اس کے پیچھے آیا تھا' تانیہ نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"یہ کیا طریقہ ہے یاسر؟" وہ جھلا کر بولی' غبار دل نکلا ہی کہاں تھا' یاسر نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"اچھا..... مجھے لگا یہی سب سے صحیح طریقہ ہے' ایک لڑکی مجھے اچھی لگتی تھی' بہت اپنی لگتی تھی' اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے اس لیے میں نے اسے اپنی نظروں میں ہمیشہ کے لیے رکھ لینے کا فیصلہ کرلیا' کیا غلط کیا؟" وہ بدستور اسے دیکھتے ہوئے بول رہا تھا۔

"مگر اس طرح سب کے سامنے جو تم....." اس کی نظریں اور باتیں دونوں اسے بوکھلا رہے تھے مگر وہ تانیہ تھی' خود کو سنبھالنا اسے آتا تھا۔

"سب کے سامنے کبھی تمہارا ہاتھ تھاما' کوئی اظہار محبت کیا؟ نظر بھر کے دیکھا تک نہیں' ویسے مجھے یہ سب کرنا آتا ہے اگر تم کہو تو....." وہ یک لخت پینترا بدل کر دو قدم آگے آیا۔ تانیہ نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا' شکر ہے کوئی نہیں تھا' یاسر اس کی خوفزدہ صورت دیکھ کر اپنا قہقہہ ضبط نہ کرسکا۔

"بس اسی لیے..... تمہارا اعتماد' تمہارا خود پر غرور قائم رہے اور تم یونہی مجھ سے کھل کر لڑتی جھگڑتی رہو' ایسی ہی اچھی لگتی ہے مجھے اپنی تانی۔" اس کا لہجہ پھر بدلنے لگا' آنکھوں میں وارفتگی اتر آئی' تانیہ کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے' میری تانی پر' اس سے اور کچھ نہ کہا گیا۔

"سنو تانی..... اب تو انکار نہیں کروگی؟" وہ مستقل اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے پوچھ رہا تھا' تانیہ کا سر خود بخود نفی میں ہلا تھا۔

❁.....❁.....❁

تابی گھر آ گئی تھی مگر تبریز سے اس کا سامنا نہیں ہوسکا تھا تانیہ اور عفرہ بازاروں کے چکر لگانے میں مصروف تھیں

اور صالحہ نے تابی کی جگہ گھر کی ذمہ داری سنبھال لی تھی' تائی اماں مہمانوں کی طرح اس کی آؤ بھگت کررہی تھیں' ایک ہفتے کی مہمان تھی مگر وہ مکمل طور پر کھل کر خوشی منا نہیں پارہی تھی کہ ایک عجیب سی جھجک تھی جو وہ تبریز سے محسوس کرنے لگی تھی۔

ان کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے' کبھی کوئی خوشگوار بات تک نہیں ہوسکی تھی اور اب اچانک وہ اس سے بالکل نئی حیثیت سے ملنے والا تھا' ایسے ہی دنوں میں اچانک عاتکہ آن پہنچی' گھر میں رونق لگ گئی کہ وہ بہت عرصے بعد گھر آئی تھی' اس کا بیٹا معیز پہلی جماعت کا طالب علم تھا اور بے حد سمجھداری کی باتیں کرتا تھا۔ تابی سے اس کی جلد دوستی ہوگئی' شادی کی تیاریاں بھی زور و شور سے جاری تھیں۔

یوں ہی مصروفیات میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے آخر وہ دن آن پہنچا جس کے لیے یہ سب انتظامات کیے جارہے تھے' جمعہ کے مبارک دن نکاح کا فریضہ انجام دیا گیا تھا اور رخصتی شام کو ہونا قرار پائی تھی۔

تانیہ سیاہ کڑھائی سے مزین آسمانی فراک پاجامے میں اٹھلاتی پھر رہی تھی' یمنیٰ پھوپو اپنے سب ملنے جلنے والوں سے اس کا نیا تعارف کروارہی تھیں' وہ جھینپی جھینپی سی سب کی تعریفیں بھی وصول کررہی تھی اور مسلسل کسی کی نظروں کے حصار میں بھی تھی مگر آج یہ توجہ اسے کوفت میں مبتلا نہیں کررہی تھی بلکہ ٹھنڈی پھوار کی مانند اس کے احساسات کو فرحت بخش رہی تھی۔

بارات کی آمد سے سب کی توجہ ادھر منتقل ہوگئی' دادو اپنے چہیتے کے پہلو میں کھڑی اور بے حد خوش لگ رہی تھیں' سیاہ نفیس کام سے مزین شیروانی میں ملبوس تبریز اظفر دمک رہا تھا اور تابی کو اس کے پہلو میں بٹھا دیا گیا تو گویا چاند سورج کی جوڑی مکمل ہوگئی' آف وائٹ گولڈن کامدار میکسی پر سرخ آنچل میں خود کو چھپائے وہ کسی سربستہ راز جیسی لگ رہی تھی۔

تمام رسموں کے عمل سے گزار کر تانیہ اور صالحہ اسے تبریز کے کمرے میں چھوڑ گئیں اور اب وہ یہاں بیٹھی اپنی منتشر دھڑکنوں کو سنبھال رہی تھی کمرے میں گلاب اور موتیے کی مہک رقصاں تھی' بہت آہستگی سے دروازہ کھول کر وہ اندر آیا تو تابی کی نظریں جھک گئیں' مدھم سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اس کے بالکل سامنے آبیٹھا۔

''تا بندہ تبریز صاحب..... باندھ لیا ناں مجھے خود سے' نہیں ہونے دیا ناں کسی اور کا؟'' تابی اس کے الفاظ پر چونکی۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا اس کے لبوں پر شوخی بھری مسکراہٹ تھی۔

''میں نے کسی کو روکا تو نہیں تھا۔'' بے اختیار اس کے منہ سے پھسلا تو تبریز کھلکھلا اٹھا۔

''واہ..... روکو بھی مت اور جاگ جاگ کر دعاؤں میں بھی مانگو' تعلق بھی نہ رکھو اور کسی کو اپنا اتنا عادی بنادو کہ وہ چاہے بھی تو تمہارے سوا کہیں جائے پناہ نہ ڈھونڈ سکے' میں تمہاری محبت سے ہار گیا تابی۔'' اس کے کان کے بالکل قریب اس کا مدھم مدہوش لہجہ سرسرایا تو تابی خود میں سمٹ گئی۔

''ویسے تتلی صحیح کہتی ہے.....'' تبریز کا لہجہ اچانک بدلا' تابی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہو تو تم کمیل میں ڈوبی گلاب جامن ہی..... اور..... تمہیں تو پتا ہے کہ مجھے میٹھا کتنا پسند ہے۔'' وہ اسے وارفتگی سے تکتا ہوا گویا ہوا۔ تابی یہ سن کر کھلکھلا اٹھی وہ بھی ہنسنے لگا' وفا کی مٹی کی سوندھی مہک ان کے چاروں اور پھیلنے لگی تھی۔

قسط نمبر 21

شبِ آرزو تیری چاہ میں

نائلہ طارق

﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

صبغہ دراج کو معاف کر دیتی ہیں اور اسے اپنی بہو تسلیم کر لیتی ہیں دراج کے گھر آنے اور ان سے ملنے والی بات پر صبغہ انکاری ہو جاتی ہے ابھی یہ رشتہ ان کی باقی اولاد نے قبول نہیں کیا تھا دراج کے لیے فی الحال یہ ہی بہت تھا کہ صبغہ نے اسے معاف کر دیا اور بہو کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے۔ حاذق رجاب سے ملنے شقران کے گھر آتا ہے رجاب اس سے ملنے سے انکار کر دیتی ہے سحر رجاب کے رویہ پر پریشان ہوتی شہرام سے بات کرتی ہے شہرام سحر کو ہی سمجھاتا ہے۔ راسب شہرام اور سحر کے سامنے حاذق اور رجاب کے ماضی کو بیان کرتا انہیں حیران کر جاتا ہے راسب نے اب حاذق اور تایا کی فیملی سے کوئی تعلق باقی نہیں رکھا تھا۔ زنائشہ دراج اور زرکاش کو رات کے کھانے کی دعوت دیتی ہے عرش ان دونوں سے پرتپاک انداز میں ملتا ہے یہ بات زنائشہ کو خوش کر دیتی ہے اور اس کا اظہار وہ عرش سے بھی کرتی ہے عرش اپنی غلطی تسلیم کرتا ہے کہ ماضی میں اس کا رویہ دراج کے ساتھ ٹھیک نہیں رہا تھا زنائشہ سے معافی مانگتا ہے عرش زنائشہ کو بتا کر ایک مشن پر روانہ ہو جاتا ہے اور اس بات کو شہرام سے پوشیدہ رکھنے کو کہتا ہے۔ شقران شہرام اور سحر کے سامنے اعتراف جرم کر لیتا ہے کہ کس طرح اس نے رجاب کو اپنے عتاب کا نشانہ بنا کر اس کا چہرہ خراب کیا تھا۔ شہرام اور سحر اس کی بات سن کر حیران رہ جاتے ہیں جبکہ شقران رجاب سے شادی کرنے کی بات کرتا انہیں مزید حیران کر جاتا ہے۔ زرق زنائشہ کو اپنے فلیٹ پر لے کر آتا ہے زنائشہ اس کا فلیٹ دیکھ کر خوش ہوتی اور جلد سے جلد اسے کسی لڑکی سے شادی کرنے کا کہتی ہے۔ راسب کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے اور اسے خون کی ضرورت ہوتی ہے تب شقران اپنا خون دے کر اس کی جان بچاتا ہے۔ رجاب اس پر غصہ ہوتی اسے ماضی کا حوالہ دیتی ہے ایسے میں شقران اسے سمجھاتا ہے کہ اس وقت اس کے بھائی کی زندگی زیادہ اہم ہے اسپتال میں ہی حاذق اچانک پہنچ کر رجاب سے معافی مانگتا ہے تب وہ اسے معاف کر دیتی ہے۔

﴿اب آگے پڑھیے﴾

❁.....❁.....❁

"اس غلط فہمی سے نکل آؤ کہ میری ماں اور بہنوں کے بعد تم مجھے بھی اپنی اپنائیت میں چھپی عیاری کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دو گی' میرے سامنے اپنائیت اور خوش اخلاقی کا نقاب اپنے چہرے پر سجا کر وہ بدبودار سچ مت چھپاؤ جس سے میں بخوبی واقف ہوں۔" شیراز کے چبھتے لہجے پر دراج سنجیدہ ہوئی۔

"میں نے ماضی کی تمام تلخیوں کو بھلا کر تمہارا استقبال کیا ہے شیراز..... میرے اور تمہارے درمیان اب ایک ایسا رشتہ موجود ہے جس کے لیے ہم دونوں پر ایک دوسرے کا احترام واجب ہے' میں تو سمجھ چکی ہوں کہ کچھ نہیں رکھا نفرتوں اور کدورتوں کی اس جنگ میں..... لیکن تم اگر آج بھی اپنے عہد پر قائم ہو جو جانے سے پہلے تم نے کیے تھے تو یقین کرو میں تمہیں نہیں روکوں گی' تم ابھی مجھے زمین میں اتار دو یا مجھے صفحۂ ہستی سے مٹا دو' میں تمہیں نہیں روکوں گی۔" دھیمے لہجے میں

کہتی دراج نے بس ایک نگاہ شیراز کے عقب میں اندر داخل ہوئی اور دبے قدموں بیڈروم میں جاتی زنائشہ پر ڈالی۔

"چاہتا تو یہی ہوں کہ جو کہا تھا اس پر عمل کروں کیونکہ تم اس ہی کی مستحق ہو لیکن میں صرف اپنے بھائی کی وجہ سے مجبور ہو چکا ہوں جن کی سادگی اور خلوص کو بخوبی استعمال کرتے ہوئے تم ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی ہو..... مگر اس بھول میں مت رہنا کہ تم جیت گئی ہو۔" شیراز کے تند و تیز لہجے کو سنتی، وہ اس کی جانب نہیں دیکھ سکی۔

"میں چاہوں تو آج تمہیں بھی اس مقام پہ لے جاؤں جہاں تم نے مجھے لے جا کر میرے بھائی کے سامنے میری تذلیل کی تھی، مجھے ان کی جھوٹی قسم اٹھانے پر مجبور کیا تھا..... مجھے بتاؤ کہ آج کیا تم ان کے سر کی جھوٹی قسم اٹھا کر اس سچ کو جھٹلا دو گی کہ تم نے روپے پیسے کے لیے، عیش و عشرت کے لیے ان کو اپنے جال میں پھنسایا تھا؟ میں جانتا ہوں کہ تم ان کی سر کی جھوٹی قسم نہیں اٹھا سکتیں مگر اس غلیظ سچ کو آخر کب تک چھپا کر ان کی نظر میں نیک پروین بنی رہو گی؟ جس طرح میں ان کے سامنے سچ کو قبول کرنے پر مجبور ہو گیا تھا ایک دن تم بھی مجبور ہو جاؤ گی کیونکہ سچ کو چھپانا آسان نہیں ہوتا، سچ اک روز سامنے آ کر رہتا ہے..... میں صرف اس لیے خاموش رہوں گا کہ میں اپنے بھائی سے بہت محبت کرتا ہوں....." اپنی بات ختم کر کے سرخ چہرے کے ساتھ وہ جانے کے لیے پلٹا تھا۔

"شیراز..... ایک بات سنتے جاؤ۔" دراج کی آواز پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رکا تھا۔

"مجھے خوشی ہوئی یہ جان کر کہ میں جس قدر بھی بری سہی مگر کم از کم تمہیں یہ یقین تو ہے مجھ پر کہ میں زرکاش کی جھوٹی قسم نہیں اٹھا سکتی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ تمہیں اپنے بھائی سے بہت محبت ہے، بس ایک بار یہ اقرار ان کے سامنے بھی کر لینا، وہ بہت خوش ہوں گے، ہر گلہ شکوہ بھول جائیں گے۔" اس کی تاکید پر شیراز کچھ بولے بغیر تیز قدموں سے لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ بند ہوتے دروازے سے نگاہ ہٹا کر اس نے بیڈروم سے باہر آتی زنائشہ کو دیکھا اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

زرکاش سے شیراز کی آمد کا سن کر ہی اس نے زنائشہ کو بھی ہوشیار کر دیا تھا، اسے معلوم تھا کہ شیراز ضرور آئے گا، اسے خدشہ تھا کہ جانے شیراز کن جارحانہ تیوروں کے ساتھ سامنے آئے اس لیے احتیاطاً زنائشہ کو اسے بلانا پڑا تھا کہ پہلے کی بات اور تھی مگر اب سب کچھ بدل چکا تھا۔

"اب کیا سوچ رہی ہو دراج؟" قریب بیٹھی زنائشہ نے اسے متوجہ کیا۔

"شیراز نے کچھ غلط نہیں کہا زنائشہ..... اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنے سچ کو زرکاش کے سامنے قبول کر لوں۔"

"بے وقوفی مت کرو دراج..... اس سچ کی اب کوئی اہمیت نہیں، شیراز کی وجہ سے تم اپنے اور زرکاش بھائی کے درمیان فاصلے مت پیدا کرنا۔"

"شیراز کی وجہ سے نہیں..... زنائشہ، ہر دن میرا ضمیر مجھے کچوکے لگاتا ہے، مجھے آئینہ دکھاتا ہے، وہ ٹھیک کہتا ہے کہ میں کب تک اس سچ کو چھپا سکوں گی کہ پُرآسائش زندگی کے لیے میں نے محبت کے نام پر زرکاش کو دھوکا دیا تھا، انجام کچھ بھی ہو مگر اب مجھے سچ بولنا ہی ہو گا، میں بھی دیکھنا چاہتی ہوں کہ ماضی میں بولے گئے میرے جھوٹ زیادہ طاقتور ہیں یا وہ محبت جو آج میرے دل کے ہر گوشے میں زرکاش کے لیے موجود ہے۔" دراج کے قطعی لہجے پر زنائشہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی۔

❁.....❁.....❁

"اس دنیا میں ایسے کتنے ہی لوگ ہیں جو بھیانک حادثات کا شکار ہوتے ہیں مگر سروائیو کرتے ہیں، ان کی زندگی رک نہیں جاتی، وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں لیکن آپ سب کی قربانیوں اور اپنی کوشش کے باوجود میں بہت زیادہ آگے نہیں جا سکی، دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے، مگر میں آج تک اسی رات کی تاریکی میں اسی سڑک پر چل رہی ہوں، نہ رات ختم

ہوتی نہ سڑک..... میں اس سب سے نکلنا چاہتی ہوں بھابی..... میں تھک چکی ہوں اپنے گزارے کل اور آج کے درمیان خود کو کھینچتے" گھسیٹتے..... میں نے حاذق کو معاف کردیا' صرف اسے ہی نہیں خود کو بھی نجات دینے کے لیے..... شقران کو میں معاف نہیں کرنا چاہتی تھی' اس سے اپنی نفرت کبھی ختم نہیں کرنا چاہتی تھی مگر میرے سارے ارادے اللہ کی مرضی کے آگے گم ہوگئے' میں نہیں جانتی کب' کس لمحے اللہ نے اس کی محبت میرے دل میں ڈال دی' اس محبت نے مجھے مجبور کردیا کہ میں بھول جاؤں ان تمام اذیتوں کو جو اس کی وجہ سے آپ کو اور آغا جان کو سہنی پڑی تھیں..... آغا جان میرے اس عمل اور جرأت کے لیے کبھی معاف نہیں کریں گے مگر یہ سچ کبھی نہیں بدل سکتا کہ میں نے شقران کو معاف کردیا ہے' میں اس کے ساتھ چلنا چاہتی ہوں' اس کے ہم قدم ہوکر زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی ہوں' اسے میری زندگی میں یوں ہی آنا تھا' جب اس کا آنا میری قسمت میں طے تھا تو حاذق کیسے میری زندگی میں رہ سکتا تھا؟ وہ جو ہے' جیسا ہے' اس نے جو کچھ بھی کیا' وہ سب بے معنی ہوکر رہ گیا' اس حقیقت کے سامنے کہ میرے دل' میری زندگی میں ایک اس کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔" رجاب نے اپنی بات کے اختتام پر آنسوؤں سے تر چہرہ جھکایا' گم صم بیٹھی ندا جو کچھ رجاب سے سن چکی تھیں اسے قبول کرنے میں وقت تو لگنا تھا' ان کی آنکھوں کے سامنے اسپتال میں گزارا تمام عرصہ تھا' اس مشکل گھڑی میں شہرم کے گھر کے ہر فرد نے جتنا ساتھ دیا اس کے لیے وہ ممنون تھیں۔

زرق اور شقران کے بغیر راسب کے لیے اتنی راتیں اسپتال میں بیڈ تک محدود رہ کر گزارنا ناممکن تھا' راسب کا شقران سے مانوس اور قریب ہوجانا کوئی حیرت کی بات نہ تھی' ہمہ وقت شقران کا زرق اور رجاب کے لیے موجود ہونا معمول بن چکا تھا۔ شقران اور رجاب کے درمیان وہ جو کچھ محسوس کررہی تھیں' وہ سب ان کا وہم نہ تھا' ان کے کانوں میں سحر کی ذو معنی باتیں گونج رہی تھیں' اسپتال میں ہی وہ سمجھ گئی تھیں کہ سحر اور شہرام یقیناً رجاب کے حوالے سے کوئی خوش کن ارادہ رکھتے ہیں' وہ اس خوشی کو دل میں چھپائے خود بھی انجان رہنا چاہتی تھیں، اس خوف کے تحت کہ کہیں یہ سب ان کا وہم یا خوش فہمی نہ ہو..... مگر اب جو کچھ رجاب سے سنا اس کے بعد کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ ان کا اندازہ غلط نہ تھا لیکن اس کے باوجود ان کے دل میں بڑھتا خوف اپنی صورت بھی بدل گیا تھا اور وجہ بھی اور وجہ راسب ہی تھے۔

"رجاب..... تم نے اپنے لیے جو فیصلے کیے ہیں ان سے مطمئن ہو تو تمام خدشے دل سے نکال دو' تمہیں حق ہے اپنے مجرم کو سزا دینے یا معاف کرنے کا' تمہیں حق ہے ایک نارمل زندگی گزارنے کا' تمہیں یہ حق ہے کہ تم اس شخص کا انتخاب کرو جس کے ساتھ تم زندگی گزارنا چاہتی ہو' جو تم چاہتی ہو اب وہی ہوگا' بھائی کو راضی کرنے کے لیے مجھے اپنی جان سے بھی گزرنا پڑا تو گزر جاؤں گا' شقران تو بہت پہلے ہی تمہاری زندگی میں آچکا تھا' حاذق کی موجودگی کے باوجود یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ زبردستی تم پر حاذق کو مسلط کرنا ایک غلط فیصلہ تھا جس کا خمیازہ تم سمیت کئی لوگوں نے بھگتا' یہ بھائی بھی یقیناً سمجھیں گے....." زرق کے گہرے سنجیدہ لہجے پر ندا نے پہلے اسے اور پھر رجاب کی جل تھل آنکھوں کو دیکھا۔

"رجاب..... ہاسپٹل میں حاذق نے تمہارے ساتھ شقران کو دیکھا تھا؟" ندا کے اس اچانک سوال پر چونکتے ہوئے اس نے اثبات میں سر ہلایا' ندا کا زرد ہوتا چہرہ زرق اور رجاب کی نظروں سے چھپ نہیں سکا تھا۔

"ہم سب یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہاسپٹل سے آنے کے بعد راسب بالکل خاموش اور اپنے آپ میں گم رہتے ہیں..... میری سمجھ میں اب آرہا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔"

"بھابی..... صاف صاف کہیے بات کیا ہے؟" زرق کی تشویش بڑھی۔

"حاذق ہاسپٹل میں راسب سے مل چکا ہے۔" ندا کے انکشاف نے اسے خوف زدہ کردیا۔

"کب' کس دن.....! آپ نے پوچھا؟" زرق نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں بتارہے بہت پوچھا بس مجھے تاکید کی کہ حاذق سے ان کی ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کروں رجاب سے تو ہرگز نہیں....." ندا کے کہنے پر زرق نے تشویش ناک نظروں سے رجاب کو دیکھا جس کے زرد چہرے پر تاریک سائے منڈلا رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

بلند آوازوں پر وہ حیران ہوتی ٹیرس کی طرف آئی تو سامنے ہی غصہ سے آگ بگولہ ہوتی رجاء کو برستے پایا وجہ بھی فوراً سمجھ میں آ گئی بالآخر آج امام زد میں آ ہی گیا تھا۔

"ایمبیسڈر کیا بن گئے ہو تمہارے تو تیور ہی بدل گئے ہیں میں یہاں دل پر پتھر رکھے تمہاری بہن کی کڑوی باتیں بھی تمہاری خاطر برداشت کرتے ہوئے ان کو راضی کرتے کرتے نڈھال ہو چکی ہوں اور تمہیں اتنی توفیق نہیں کہ پلٹ کر میرا حال ہی پوچھ لو۔"

"اس سے کچھ کہنے کا فائدہ نہیں دراج تمہاری دوست ہے اس سے بات کر کے نکلوا دو اس شخص کو زرکاش کی کمپنی سے۔" عرش نے مشورہ دیا۔

"زنائشہ..... کیا تم نے بھی وہی سنا جو میں سن رہا ہوں؟" شقر ان نے مسکراتی نظروں سے زنائشہ کے تاثرات دیکھے۔

"بجائے ان دونوں کا جھگڑا ختم کروانے کے اور معاملہ بگاڑنے والے مشورے دے رہے ہو۔" زنائشہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"معاملہ میرا جو ہے ایسے ہی مشورے ملیں گے جلنے والوں سے۔" امام نے کینہ توز نظروں سے ناک سے مکھی اڑاتے عرش کو گھورا۔

"زنائشہ..... خود دیکھ لو اس لڑکی کے تیور اس کی وجہ سے زرکاش کی نظر میں میرا امیج اور تمہاری زبان خراب ہوگی۔"

"تم نے جاب ملتے ہی اپنے گھر والوں کو میرے گھر بھیجنے کا وعدہ پورا نہیں کیا تو میں ضرور عرش کے مشورے پر عمل کروں گی۔" رجاء نے غصے سے کہا۔

"بالکل رجاء..... تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے کسی کا امیج خراب ہو یا زبان۔"

"عرش..... کیوں اکسا رہے ہو اسے وہ پہلے ہی غصے میں ہے۔" عرش کو ٹوکتے ہوئے زنائشہ کو ہنسی بھی آئی۔

"زنائشہ..... تم تو اب اس بے مروت شخص کے لیے مجھے کچھ بھی مت سمجھانا نہ یہ کچھ کر سکتا ہے نہ تم سے کچھ ہوگا۔" رجاء نے بھڑک کر کہا۔

"توبہ..... توبہ ایسی دوست ہو تو دشمن کی ضرورت ہی کیا ہے۔" عرش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رجاء تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟" زنائشہ کو صدمہ ہوا۔

"وہ بے چاری آخر کہاں تک بھروسا رکھے تم تو کچھ دن میں رخصت ہو جاؤ گی وہ یہیں ٹیرس پر کتابیں پڑھتی رہ جائے گی۔" شقر ان نے مزید رجاء کو چڑھایا۔

"ٹھیک ہے ایک گھنٹے کے اندر میں امام کے گھر والوں کے ساتھ مٹھائی لے کر نہ پہنچی تو میرا نام بھی زنائشہ نہیں بے شک میری شادی آگے بڑھ جائے مگر آج تمہاری شادی کی تاریخ پکی کر کے رہوں گی۔" جذباتی ہو کر زنائشہ نے رجاء کو جتایا اور اگلے ہی پل سحر کو پکارتی وہ ٹیرس سے چلی گئی۔

"اب منہ کیا تک رہی ہو وہ جو کہہ گئی ہے اس پر عمل بھی کرے گی جلدی جا کر ان کے استقبال کی تیاریاں کرو۔" امام کے گھرکنے پر حیران کھڑی رجاء بھی فوراً ٹیرس سے چلی گئی۔

''عرش..... زنائشہ نے جذبات میں اپنی شادی آگے بڑھادی تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' امام کے معصوم سوال پر عرش جس تیزی سے کرسی سے اٹھا تھا' امام کے فرار ہونے کی رفتار بھی قابل دید تھی جبکہ ان دونوں کے پیچھے ہی جاتے شقران کے قدم رکے تھے۔ چہرے پر پھیلتی گہری سنجیدگی کے ساتھ اس نے رجاب کی کال ریسیو کی تھی۔

''رجاب..... خاموش کیوں ہو' سب خیریت تو ہے؟'' اس کی تشویش بڑھی۔

''شقران..... تمہارا شک درست تھا' حاذق آغا جان سے ہاسپٹل میں اسی آخری دن ملا ہے کوریڈور میں مجھ سے بات کرنے سے پہلے..... آغا جان کی اس سے کیا بات ہوئی' میں نہیں جانتی مگر آغا جان کی مکمل خاموشی میرے لیے تو قیامت کی نشانی ہے' مجھے اندازہ نہیں تھا حاذق میں ان کا سامنا کرنے کی جرأت بھی ہو سکتی ہے' میرے منع کرنے کے باوجود وہ آغا جان کے پاس گیا' غلطی میری ہے' مجھے نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ دغابازی اس کی فطرت میں ہے..... اگر اس نے تمہارے بارے میں.....''

''رجاب..... میری بات سنو'' اس کے لرزتے لہجے اور بڑھتے اضطراب کو محسوس کرتے ہوئے شقران نے اسے ٹوکا۔

''تم حاذق کو معاف کر چکی ہو اور دوسری بات یہ کہ تم نہیں جانتی کہ راسب بھائی سے اس نے کیا کہا' انہیں کیا بتایا' لہٰذا اس کے بارے میں خود ساختہ اندازے لگا کر اپنے اچھے عمل کو خطرے میں نہ ڈالو..... حاذق نے مجھے پہچان کر اگر میرے بارے میں راسب بھائی سے کچھ کہا بھی ہے تو اس نے میرے لیے راستہ ہموار کیا ہے' میں اب پہلے سے زیادہ بے چینی کے ساتھ ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں..... بھروسا رکھو' وہ مجھے کڑی سے کڑی سزا دیں یا اپنے ہاتھوں سے میری جان لے لیں..... لیکن وہ تمہیں مجھ سے الگ نہیں کر سکیں گے.....'' ایسا کچھ ضرور تھا اس کے لہجے میں کہ رجاب مزید کچھ بول نہ سکی تھی۔

❁.....❁.....❁

حیرت سے زرکاش نے اسے دیکھا جو کاؤنٹر کے پاس کھڑی جانے کہاں گم تھی۔ دراج..... اپنے نام کی پکار پر وہ چونک کر پلٹی تھی۔

''میں تمہارا انتظار کرتے ہوئے یہاں آیا ہوں' شاید تم میرے لیے کافی لینے آئی تھیں۔'' اس کی غائب دماغی نے زرکاش کو مزید حیران کیا۔

''بس! ابھی لائی۔'' اس کی گھبراہٹ پر زرکاش نے گہری سانس لی۔

''اب رہنے دو کافی کی مجھے خواہش نہیں رہی' آجاؤ بات کرنی ہے تم سے۔'' اسے روک کے وہ اسے کچن سے ساتھ لے کر ہی نکلا' جو اپنا اعتماد بحال کرنے اور زرکاش کا سامنا کرنے کی کوشش اور ہمت میں شدید مضطرب اور زرد پڑ گئی تھی۔ زرکاش کے اشارے پر صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ اس کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔

''دراج..... تم نے مجھے بتایا تھا کہ شیراز نے یہاں آ کر کسی بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کیا اور یہ بھی کہ تم سے میرے تعلق کے احترام میں وہ اپنے اور تمہارے درمیان موجود ساری تلخیوں کو ختم کر کے گیا ہے..... میں بہت مطمئن تھا تم سے یہ سن کر لیکن میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تم ڈسٹرب بھی ہو' کھوئی کھوئی رہتی ہو' پہلے کی طرح ہنستی مسکراتی بھی نہیں' میں ابھی شیراز کو یہاں بلا کر باز پرس کروں گا' اگر اس نے تمہاری دل آزاری کی ہے تو میں صرف اس لیے خاموش نہیں رہوں گا کہ وہ میرا بھائی ہے جبکہ تم مجھ سے اسی لیے سب چھپا رہی ہو کہ وہ.....''

''نہیں زرکاش..... اگر شیراز نے مجھ سے کوئی غلط بات کی ہوتی تو میں صرف اس لیے آپ سے یہ نہیں چھپاتی کہ وہ

آپ کا بھائی ہے۔" دراج نے درمیان میں اسے ٹوکا۔ "آپ جو محسوس کر رہے ہیں اس کی وجہ شیراز نہیں ہے' سچ تو یہ ہے کہ شیراز نے جس اعلیٰ ظرفی کے ساتھ سب کچھ ختم کیا اس نے نہ صرف مجھے میری نظروں میں شرمندہ کیا بلکہ بہت کچھ سوچنے پر بھی مجبور کر دیا۔" دھیمے لہجے میں بولتی ہوئی وہ ایک پل کو رکی۔

"میں غلط تھی' آپ کے بھائی' بہنیں خود غرض نہیں' غصے اور ناراضی میں وہ سب وقتی طور پر آپ سے منہ پھیر کر دور ضرور جا سکتے ہیں مگر آپ کے قریب آنے کے لیے ہر بری بھلی بات بھی برداشت کر سکتے ہیں' مجھے قبول کر سکتے ہیں' مجھ سے اپنی نفرت اور عداوت کو ختم کر سکتے ہیں صرف آپ کی خاطر۔"

"میں بھی یہ سب جانتا ہوں دراج' مجھے یقین ہے کہ تمہاری خوبیاں ان سب کے دل میں بھی تمہاری جگہ بنا دیں گی لیکن یہ سب تمہارے لیے خوشی کا باعث ہونا چاہیے مگر وہ کیا بات ہے جو تمہیں خوش ہونے سے روک رہی ہے؟ تمہارے دل میں جو کچھ ہے' جو بات تمہیں پریشان کر رہی ہے وہ کم سے کم مجھ سے مت چھپاؤ' مجھے وہ سب بتا دو جو تمہیں بے سکون کر رہا ہے۔" اس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھامے وہ نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ چھپانا بھی نہیں ہے' کچھ اعتراف کرنے ہیں' بہت ہمت اور جرأت چاہیے تھی اس کے لیے' اسی وجہ سے اب تک دل میں جو ہے وہ زبان پر لا نہ سکی..... پتا نہیں سب کچھ کہہ دینے کے بعد آپ کے دل میں' آپ کی زندگی میں میری کوئی جگہ باقی رہے گی بھی یا نہیں..... ہر خوف وخدشے کے برعکس مجھے اب چپ نہیں رہنا' آج اگر سب کچھ نہ کہا تو پھر شاید کبھی نہیں کہہ سکوں....." سر جھکائے ہوئے وہ لرزتے لہجے میں بولی۔

"پہلے میرے لیے یہ سمجھنا بہت مشکل تھا کہ اس دنیا کی ہر نعمت' ہر انسان کے حصے میں آنا ممکن نہیں..... ہر جسے اللہ چاہے نواز دے لیکن غربت میں گھٹ گھٹ کر سانس لیتے ہوئے میں اس بات پر غور کرنے کے قابل نہ رہی تھی کہ کسی انسان کو ملنے والی آسائشیں' دھن دولت اس کی انتھک محنت کا پھل ہو سکتی ہے یا اس کے بڑوں کی ریاضتوں اور قربانیوں کا صلہ جو نسل در نسل منتقل بھی ہو سکتا ہے مگر حسد اور قناعت نے شاید مجھے مفلوج کر دیا تھا..... میں ایک ہی چھت تلے زندگی کے دو الگ الگ رخ دیکھتی رہی تھی' کبھی کبھی دل چاہتا تھا کہ آپ کے گھر والوں سے ہر آسائش' ہر خوشی چھین لوں..... وہ سب بھی ایک بار تو اس تاریک غار میں اتر کر میری اذیت کو محسوس کریں' اس درد کی حد پر جا کر دیکھیں کہ دل کس طرح سینے میں تڑپتا ہے' اپنے بیمار ماں باپ کو بغیر دوا' بغیر علاج کے بستر مرگ پر بے یار و مددگار پڑے دیکھنا' اس گھر میں ایک طرف تو انواع واقسام کے کھانوں سے دستر خوان سجے ہوتے تو دوسری طرف خالی برتن..... ان سب کو کبھی میرے اور بجیا کے فاقوں سے نڈھال چہرے نظر نہیں آئے..... ان سب کے پاس ہمارے لیے تسلی اور ہمدردی کے چند لفظ بھی نہ تھے..... مگر غلطی ان سب کی نہیں تھی' ہماری خستہ حالی کے ذمہ دار وہ سب تو نہیں تھے' وہ سب تو اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹ رہے تھے' مجھے بھی اپنے حصے کی سانس لیتے ہوئے صبر شکر کرنا چاہیے تھا' جو کچھ میرے پاس آج ہے وہ مجھے ملنا ہی تھا' غربت کسی سے اس کا نصیب نہیں چھینتی..... اس سے جان چھڑانے کے لیے مجھے جھوٹ اور دھوکے کا سہارا نہیں لینا چاہیے تھا۔" سر جھکائے وہ رندھی آواز میں بول رہی تھی' زرکاش بس بغور اسے سن رہا تھا۔

"آپ اچھی طرح ان حالات سے واقف ہیں جن کے درمیان آپ نے مجھے اور بجیا کو دیکھا تھا' دیکھا تو میں نے بھی تھا آپ کو اور اسی دن سوچ لیا تھا کہ آپ کی وجہ سے جو راحتیں و سہولتیں آپ کے بھائی بہنوں کو حاصل ہیں' وہ سب میں بھی حاصل کروں گی مگر صلہ رحمی کے نام پر دنیا سے چھپ کر نہیں..... میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے کس طرح اور کیسے آپ کے دل میں جگہ بنانی ہے' کس مقام تک پہنچنا ہے' کامیاب ہونے کے لیے میں آپ سے بڑے سے بڑا جھوٹ بھی بولنے کے لیے تیار تھی' جھوٹ اور دھوکے کی بدولت میں اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو گئی..... پہلی بار آپ سے محبت کا جھوٹا

اعتراف کرتے ہوئے مجھے کوئی شرمساری نہیں تھی اُس وقت اپنی محرومیوں اور مفلسی سے بھری زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک واحد حل آپ ہی تھے ایک پُرآسائش زندگی کے لیے میں ہر دھوکا دینے کا حوصلہ رکھتی تھی..... آپ کے بھائی بہنوں کے مجھ پر لگائے گئے الزامات غلط نہ تھے روپے پیسے کے لالچ نے مجھے آپ کی طرف مائل کیا تھا....." وہ خاموش ہو کر زرکاش کے کچھ کہنے کی منتظر تھی مگر نظر اٹھا کر اس کے تاثرات دیکھنے کا بالکل حوصلہ نہیں تھا۔

"کل کے یہ سارے بھیانک سچ اپنی جگہ مگر آج کا سچ یہ ہے کہ آپ سے زیادہ اہم اور قیمتی میرے لیے اور کوئی نہیں..... اب اگر سزا کے طور پر مجھ سے ہر آسائش چھین کر آپ مجھے کسی ٹوٹے کچے مکان میں بھی بھیج دیں تو مجھے کوئی غم نہ ہوگا میں محرومیوں اور مفلسی میں زندہ رہ سکتی ہوں مگر آپ کے بغیر نہیں....." یک دم چپ ہوتی وہ سن ہو گئی زرکاش خاموشی کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا بے حس و حرکت بیٹھی دراج کو لگا کہ شاید اب کبھی وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہو سکے گی۔

❁.....❁.....❁

شہرام نے خاص طور پر زرق کو گھر بلایا تھا تاکہ وہ اسے پہلے سے آگاہ کر دیں کہ زنائشہ کی رخصتی اب جلد از جلد کر دینا چاہتے ہیں چائے وغیرہ کے اہتمام کے بہانے وہ کچن میں آ گئی تاکہ زرق اور شہرام کھل کر بات کر سکیں اُس وقت وہ ٹرالی میں لوازمات سجا رہی تھی جب سحر کچن میں آئیں۔

"زرق جا چکا ہے زنائشہ..... ایک کال آ گئی تھی اور اسے جلدی جانا پڑا۔"

"وہ اس طرح کیسے جا سکتا ہے مجھے بتائے بغیر.....!" سحر کی اطلاع پر اس نے حیران ہو کر وہاں آتے شہرام کو بھی دیکھا۔

"زرق چاہ رہا تھا کہ زنائشہ کی رخصتی کی ساری ذمہ داریاں اسے دے دی جائیں مگر آپ نے مل کر ذمہ داری سنبھالنے اور زنائشہ کو اسی گھر سے رخصت کرنے کی بات کی..... کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے اعتراض ہو اسی لیے وہ رکا نہیں۔" سحر نے تشویش ظاہر کی۔

"اصولاً تو میں نے غلط نہیں کہا لیکن اگر اسے کوئی اعتراض تھا تو وہ ضرور اظہار کرتا..... مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ شقران کا آنا اسے ناگوار گزر رہا ہے اس کے آتے ہی وہ جانے کے لیے اٹھ گیا۔" شہرام کے کہنے پر زنائشہ چونکی۔

"ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ شقران کی طرف سے بھی سب کچھ واضح ہے اور رجاب کیا چاہتی ہے اس سے بھی زرق اچھی طرح واقف ہے آپ نے ایسا کچھ محسوس کیا ہے تو میں ابھی زرق سے بات کرتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ ابھی اس سے کوئی بات نہ کرو کل ہم جا رہے ہیں راسب کی طرف شقران اور رجاب کے سلسلے میں بات کرنے تم چاہو تو کل ہی رمیشہ کا ذکر بھی وہاں کر دینا ویسے بھی رجاء کے گھر والے چاہتے ہیں کہ رجاء کے ساتھ ساتھ رمیشہ کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔" رجاء کی بہن رمیشہ سے زنائشہ زرق کی شادی کرنا چاہتی تھی اور اسی حوالے سے وہ زرق سے بات بھی کرنا چاہتی تھی۔ شہرام یہ بات جانتے تھے سو اس وقت انہوں نے زنائشہ کی مشکل ایک طرح سے حل کر دی تھی۔

"ٹھیک ہے شہرام بھائی..... لیکن مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو رہا کہ میرا بھائی ہو کر زرق سب کچھ جانتے ہوئے بھی شقران سے بیر رکھے ہوئے ہے۔" وہ تاسف سے بولی۔

"یاد رکھو کہ وہ صرف تمہارا ہی نہیں رجاب کا بھی بھائی ہے ہمارے یا شقران کے ارادے رجاب کے لیے کتنے ہی نیک ہوں مگر ماضی میں جو کچھ ہوا اس کا کچھ نہ کچھ ردعمل تو زرق کی طرف سے بھی آنا ہے ہمیں اس سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہونا

چاہیے۔" شہرام کی تاکید پر وہ خاموش رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

سحر، شہرام اور زنائشہ کو رخصت کر کے ندا، زرق کے ہمراہ واپس ڈرائنگ روم میں آئیں جہاں راسب بدستور کسی سوچ میں گم تھے۔

"راسب..... اتنی خوشیاں خود چل کر ہماری دہلیز تک آئی ہیں مگر آپ کی خاموشی نہیں ٹوٹ رہی..... کیا یہ خوشی کی بات نہیں کہ شقران کے لیے رجاب کا ہاتھ مانگا گیا ہے؟ آپ کی اور میری شدید خواہش یہی تو تھی کہ سحر اور شہرام بھائی کے جیسے ہی گھرانے سے رجاب کا تعلق جڑے، زنائشہ نے زرق کے لیے جس لڑکی کا ذکر کیا، وہ منتظر ہی رہ گئی مگر آپ نے اس پر اپنی کوئی رائے نہیں دی..... میں ہی ہر بات کا جواب دیتی رہی مگر راسب..... کیا یہ آپ کا فرض نہیں تھا کہ زرق کی خاطر ہی سہی آپ سحر اور شہرام بھائی سے کہتے کہ آپ زنائشہ کو بڑے بھائی کی حیثیت سے اپنے گھر سے رخصت کرنا چاہتے ہیں، کیا زرق اور زنائشہ آپ کی ذمہ داری نہیں؟ یا پھر زنائشہ کو آپ نے صرف زرق کے حوالے سے قبول کیا ہے اور بس....." ندا کے کہنے پر راسب نے کچھ فاصلے پر کھڑے زرق کو دیکھا اور پھر ان کی نگاہ دروازے کے پاس جا رکی۔

"ندا..... جو شخص دو قدم چلنے کے لیے بھی سہارے کا محتاج ہو کر رہ گیا ہو تم اس سے کون سی ذمہ داری پوری کرنے کی توقع رکھتی ہو۔" راسب کا لہجہ سرد ہوا۔

"ایسا مت کہیں بھائی..... آپ کچھ ہی عرصے میں خود اپنے پیروں پر چلیں گے اتنے مایوس تو آپ ہاسپٹل میں بھی نہیں تھے۔" زرق تڑپ کر ان کی قریب آیا۔

"زرق..... اس ایکسیڈنٹ نے ہی تو مجھے ہاسپٹل پہنچا کر مجھے بتایا ہے کہ میری حیثیت کیا ہے، میری اس وقتی معذوری نے ہی تو مجھ پر یہ راز کھولا ہے کہ میری کیا وقعت ہے۔" راسب کی نظریں بولتے ہوئے رجاب کے چہرے پر جمی تھیں۔

"راسب..... آپ کے دل میں کیا ہے، آپ کیا سوچ رہے ہیں آخر آپ ہم سب کو بتا کیوں نہیں دیتے، کیوں اس طرح چپ رہ کر خود کو اور ہم سب کو اذیت میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں؟" ندا وجہ جاننا چاہتی تھیں مگر راسب نے جیسے سنا ہی نہ تھا، ان کی ساری توجہ سر جھکائے ساکت کھڑی رجاب پر مرکوز تھی۔

"یہاں آؤ رجاب....." راسب کے خطرناک حد تک سنجیدہ لہجے پر رجاب کا دل کانپ اٹھا، نظر اٹھائے بغیر وہ بمشکل بے جان قدموں کو کھینچتی راسب کے سامنے آ رکی۔

"تمہیں پتا ہوگا کہ شہرام کی فیملی آج کس مقصد سے آئے تھی..... مجھے بتاؤ کہ کیا جواب دینا چاہیے مجھے؟" راسب کھوجتی نظروں سے رجاب کو دیکھ رہے تھے اور وہ ان سے نگاہ ملانے کا حوصلہ بھی نہیں رکھتی تھی گو کہ اس نے جرم نہیں کیا تھا لیکن سوال وانداز ایسے تھے کہ وہ مزید سر جھکا گئی۔

"آغا جان..... میرے لیے وہی فیصلہ اہم ہے جو آپ کا ہوگا..... میرے لیے ہر فیصلہ کرنے کا حق اور اختیار صرف آپ کو حاصل ہے۔" وہ کانپتے لہجے میں بولی۔

"میری حیثیت، میرے مقام کو مٹی میں ملانے کے باوجود بھی تم یہ سب کہہ رہی ہو۔" راسب کی گرجتی آواز نے اس کی سانس روک دی۔ "کیا میں مر چکا تھا جو میری اجازت کے بغیر تم نے حاذق کو معاف کر دیا، کیا وہ صرف تمہارا گناہ گار تھا؟" راسب کا چہرہ طیش سے تمتما رہا تھا، ان کی دھاڑ رجاب کو مزید خوفزدہ کر گئی۔

"مجھے جواب چاہیے رجاب..... کس طرح میری آنکھوں میں دھول جھونک کر تم نے شقران کی حقیقت مجھ سے

چھپائی؟ کس نے حق دیا تھا تمہیں کہ تم اسے معاف کردو؟'' راسب چلتا تو اسے جھنجوڑ کر سوال کرتا لیکن اس وقت وہ مجبور تھا اس لیے غصہ سے بے قابو ہوتی آواز اور لفظوں سے وار کر رہا تھا۔

''رجاب.....'' ندا دہل کر چیخیں اس کی طرف بھاگیں جس کے گرتے نیم جاں وجود کو زرق نے سرعت سے سنبھالا تھا' مگر تب تک وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

''اس نے صرف اپنے لیے نہیں آپ کے لیے بھی ان دونوں کو معاف کیا' آخر یہ کب تک ماضی کی خاک چھانتی رہے گی؟ وہ اذیتوں کے شکنجے سے آزاد ہو کر جینا چاہتی ہیں' اسے جینے دیں' آپ بے شک کسی کو معاف نہ کریں مگر اسے اپنا حق استعمال کرنے دیں۔'' زرق نے کہا جبکہ راسب کی نظریں اردگرد سے غافل پڑی رجاب کے سفید چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

آج کا دن بہت اہم تھا مگر آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے' آج اسے ایٹن لگنا تھا' سحر کی والدہ اور بھابیاں شام سے پہلے ہی آ گئیں' رجاء اور اس کی بہنوں سمیت دیگر قریبی رشتے دار خواتین بھی رسم میں شریک تھیں' رونق اور چہل پہل عروج پر تھی' رائمہ خاص طور پر اس کے لیے صبح سے دراج کی طرف آ گئی تھی۔

زرد رنگ کے چوڑی دار پاجامے اور چوڑی دار آستینوں کی دیدہ زیب لمبی سی فراک میں ملبوس زرد جھلملاتا زرتار دوپٹا سر پر رکھے سب کے سامنے آنسوؤں سے دھلے چہرے کے ساتھ وہ آئی تو سب سے پہلے سحر ہی انگشت بدنداں رہ گئیں کہ ایٹن نے ابھی اسے چھوا بھی نہ تھا اور اس کا رنگ روپ ہی بدل گیا تھا' زرد رنگ نے اس کے سوگوار روپ کو عجیب فسوں بخش دیا تھا' اس پر غضب زرد خوشنما پھولوں کا زیور جو دراج اس کے لیے لائی تھی' بڑی محبت سے اس نے زنائشہ کے سیاہ خم دار بالوں کو زرد پھولوں سے سجایا تھا۔

ایٹن لگنے کی رسم کے دوران سب کے درمیان سر جھکائے بیٹھی وہ بس اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے کی ناکام کوشش میں تھی' سب اس کے مسلسل رونے کو فطری سمجھ کر اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ دراج اور رجاء اس کے لیے مضطرب تھیں' سرگوشیوں میں اسے تسلی دے رہی تھیں مگر اسے قرار کہاں آنے والا تھا' سحر بھی اس کے درد کو سمجھ رہی تھیں مگر فی الوقت وہ بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر پا رہی تھیں' جانے کون کون سی رسمیں ہوتی رہیں' جانے کتنی بار سحر نے انجانے خدشوں سے ہول کر اس کی نظر اتاری مگر اسے کچھ خبر نہ تھی اس ایک غم کی سامنے کہ زرق وہاں کہیں نہ تھا حالانکہ وہ چاہتی تھی کہ آج زرق بس اسے یاد رکھے' اس کے سامنے' اس کے اردگرد رہے لیکن زرق کا انتظار اب حسرت ہی بن گیا تھا' رجاب اور ندا کا رسم میں شریک نہ ہونا سمجھ آتا تھا مگر زرق کا نہ آنا اسے زار زار رلا رہا تھا۔

اس نے کئی بار کال کی مگر زرق سمیت ندا اور رجاب کے فون بھی آف تھے' شہرام کا خیال تھا کہ شاید ان سب کے رخصت ہونے کے بعد رجاب کے لیے مشکل ہو گیا ہو شقران کے بارے میں سب چھپانا اور اب ہو سکتا ہے کہ شقران کے لیے کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے میں راسب کو وقت لگ رہا ہو' اسی لیے زرق نے بھی کوئی رابطہ نہیں کیا' شہرام کی یہی تاکید تھی کہ دو چار دن مزید صبر اور خاموشی سے راسب کی طرف سے کسی پیش قدمی کا انتظار کیا جائے ورنہ پھر وہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔

مسلسل خاموش گریہ وزاری اس کی طبیعت پر بھی اثر انداز ہوئی تھی' رسمیں مکمل ہوتے ہی جب اسے کمرے میں پہنچایا گیا تو سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا اور وجود آگ کی طرح تپ رہا تھا۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا' دوا کے زیر اثر وہ بھی غافل سوئی ہوئی تھی' جب دھیرے سے اس کے کمرے میں کوئی دبے قدموں داخل ہوا' لائٹس آن تھیں' سامنے ہی سوگوار

حسن مجسم خواب، دھڑکن روکنے کے لیے کافی تھا۔ ابٹن، چنبیلی اور دیگر پھولوں کی ملی جلی خوشبوؤں سے اس کا نازک وجود ہی نہیں سارا ماحول مہک رہا تھا' دل میں اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں تھی' نہ لا رہا تھا، کوئی اور وقت ہوتا تو وہ گھبرا کر الٹے قدموں واپس چلا جاتا مگر ابھی تو خود کو ہمت دلاتے ہوئے حواس مجتمع کر کے آگے بڑھنا تھا۔

دھیرے سے اس کے ہاتھ کی پشت کو تھپتھپاتے ہوئے عرش نے اسے پکارا' کوئی تیسری پکار پر اس کی خم دار پلکوں میں جنبش ہوئی' کھلتی خمار آلود آنکھوں کی سرخی نے عرش کو یہ تک بھلا دیا کہ وہ یہاں موجود کیوں ہے؟ وہ دم بخود اور ساکت رہا مگر دل موم کی طرح پگھل رہا تھا' دوسری جانب خود پر جھکے چہرے کو پہچانتے ہوئے زنائشہ کی آنکھوں میں بے یقینی اور حیرانی نمایاں ہوئی' عرش کے بے حد سنجیدہ چہرے اور گہری آنکھوں میں کچھ ایسا ضرور تھا جو وہ بوکھلاہٹ میں دوپٹا ٹھیک کرتی' سرعت سے اٹھ بیٹھی۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو.....؟ فوراً باہر جاؤ....."

"فوراً ہی جانا ہے مگر تمہیں ساتھ لے کر' اب جلدی کرو۔" عجلت میں اسے شانوں سے تھام کر عرش نے بیڈ سے اترنے پر مجبور کر دیا اور پھر خود ہی وارڈ روب سے ایک چادر نکال لایا اور حیران پریشان کھڑی زنائشہ کے گرد لپیٹ دی' اس سے پہلے کہ وہ اس کے سلیپرز بھی اٹھالاتا' زنائشہ نے آگے بڑھ کر اپنی فینسی سلیپرز پاؤں میں اڑس لیے' زنائشہ کو کوئی سوال کرنے کا موقع دیے بغیر وہ اس کا ہاتھ پکڑے کمرے سے نکلا۔

"فکر مت کرو' ہمارے جانے اور آنے کی کسی کو خبر نہیں ہوگی۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے عرش نے اس کے حواس باختہ چہرے کو دیکھا۔

"مگر یہ غلط ہے۔"

"تمہاری خوشی کے سامنے سب ٹھیک' سب جائز ہے۔" عرش کے فوراً کہنے پر وہ الجھی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

ساحل کی نم آلود خنک تیز ہوائیں' مکمل روشن چاند کی تیز' خیرہ کن چاندنی میں حد نگاہ تک پھیلے سمندر کی لہریں بالکل بھی بپھری ہوئی نہیں تھیں' اس سے پہلے اسے سمندر کبھی اتنا پُرسکون نظر نہیں آیا تھا' اٹھتی گرتی' ساحل سے آ کر ٹکراتی لہروں کی آواز فضاء میں جادو جگا رہی تھی' اس کی ساری الجھن' گھبراہٹ اور سوال ساحل پر عرش کی ہمقدم چلتے کہیں گم ہو گئے تھے۔

"عرش.....تم مجھے پہلے کبھی یہاں کیوں نہیں لے کر آئے؟ ذرا دیکھو تو چاندنی رات میں سمندر کس قدر خوب صورت دکھائی دیتا ہے' چاند اپنے جوبن پر ہے تو سمندر کا سحر بھی عروج پر ہے۔" اس کے خوش کن مگر ٹھٹھرتے لہجے کو سنتے ہوئے عرش کے قدم رکے۔

"سچ کہوں تو میری نظر میں یہاں تم سے زیادہ اہم اور خوب صورت کچھ بھی نہیں اور تم یہ جانتی ہو۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ گہرے لہجے میں بولا جبکہ زنائشہ اس کے چہرے پر سجی دلکش مسکراہٹ سے نگاہ نہ ہٹا سکی' تب ہی عرش نے اسے بری طرح چونکتے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے خود بھی آسمان کی جانب دیکھنے لگا' روشنیاں لٹاتے چاند اور جھلملاتے ستاروں سے روشن آسمان پر نمایاں ہوتا ہیلی کاپٹر ہمیشہ کی طرح زنائشہ کو اردگرد سے غافل کر گیا تھا' اس لمحے وہ بس دنگ تھی جب دیکھتے ہی دیکھتے ہیلی کاپٹر ساحل پر اترا تھا۔

"عرش.....وہ ہیلی کاپٹر.....!"

"ہاں' دیکھ رہا ہوں' یہی تو ہے تمہارا سرپرائز' یہ تمہارے لیے ہی یہاں موجود ہے۔" عرش کی اطلاع نے اسے حیرت

ومسرت سے گنگ کردیا' کسی ٹرانس میں وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی' چاند کی تیز دودھیا روشنی میں دیو ہیکل ہیلی کاپٹر کی سیاہ باڈی چمک رہی تھی' روٹر بلیڈز مخصوص شور کے ساتھ مستقل حرکت میں تھے' اس کی ششدر نگاہیں کبھی عرش پر ٹھہرتیں کبھی کاک پٹ میں گھومتیں جو نظر آرہا تھا' اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں' اس کا دل حلق میں تھا جب ہیلی کاپٹر فضاء میں بلند ہوتا ہی چلا گیا' خوابناک سی کیفیت میں وہ سانس روکے آسمان کو دیکھ رہی تھی جو بہت قریب تھا شاید ستاروں کے بے شمار جھرمٹ کچھ اور نمایاں ہورہے تھے' دمکتا چاند پاس آتا جارہا تھا' اونچائی سے سمندر کی وسعت اور مدوجزر ہیبت ناک نہیں لگ رہے تھے' عجیب اسرار تھے جو بس کھلتے جارہے تھے' اس کی کیفیت کو سمجھنا عرش کے لیے مشکل نہ تھا۔

''قبول کرلو زنائشہ...... یہ سب حقیقت ہے...... تمہاری اس دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کے لیے میں شدت سے انتظار کرتا رہا ہوں۔'' جانے کتنی دیر بعد عرش کی آواز نے اس پر طاری سحر کو توڑا' رگوں میں تیزی سے گردش کرتا لہو اس کے چہرے پر سمٹ آیا' حواس قابو میں آتے جارہے تھے۔

''مجھے یقین نہیں آرہا......!'' برف جیسے سرد ہاتھ اپنے چہرے کے گرد رکھے وہ کانپتے لہجے میں بولی۔ ''یہ سب کیا کوئی خواب ہے' عرش یہ سب کیسے ہوا؟ مجھے خبر ہی نہیں اور تم......!'' حیرت اور رشک سے اسے دیکھتی فرط مسرت سے کھلکھلا اٹھی۔

''تمہیں پہلے سے سب خبر ہوتی تو مجھے تمہارے چہرے پر یہ خوشی کیسے نظر آتی۔'' عرش نے محبت سے لبریز نگاہوں سے اس کے دمکتے چہرے کو دیکھا۔

''دیکھو...... تمہارے لیے ہیلی کاپٹر اڑانا بھی سیکھ لیا...... تمہارے لیے سر دھڑ کی بازی لگا کر بھی خوشی حاصل کرنے کا کوئی موقع میں ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا۔'' عرش کے مزید کہنے پر خوشی سے بے حال ہوتی اپنی نظریں کسی ایک جگہ روک نہیں پارہی تھی...... قدرت کے خزانے اس کے سامنے پھیلے ہوئے تھے' عجیب کیف وانبساط کا عالم تھا۔

''تمہیں ڈر تو نہیں لگ رہا؟'' عرش کے سوال نے پھر اسی گنگ ہوتی کیفیت سے نکالا۔

''ڈر......؟ عرش' میں حیرت اور خوشی سے پاگل ہورہی ہوں اور تم کتنے اچھے لگ رہے ہو...... دنیا کا کوئی ہیلی کاپٹر پائلٹ تم سے زیادہ بہادر' تم سے زیادہ خوب صورت اور تم سے زیادہ جینئس ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ خوشی سے پاگل ہوتی جس طرح قطعی انداز میں بولی' عرش بے ساختہ ایک قہقہہ لگا کے ہنسنے لگا۔

''یقین کرو تمہاری اس تعریف کے بعد اب مجھے آسمان تک آنے کے لیے ہیلی کاپٹر کی ضرورت نہیں' مجھے ہی پر لگ گئے ہیں۔'' عرش کی بات پر وہ پھر کھلکھلائی۔

''تمہیں میری خواہش اتنی شدت سے یاد رہی اور مجھے یہ صدمہ تھا کہ تم بہت کچھ بھول چکے ہو۔''

''میں خود کو بھول سکتا ہوں مگر تمہاری کسی خواہش کو کبھی نہیں۔'' عرش نے درمیان میں کہا۔ ''تم خوش ہو' مجھے میری ساری محنت' ریاضت کا صلہ مل گیا اور میرے لیے اس سے بڑھ کر خوش کن احساس اس لمحے اور کوئی نہیں کہ میں نے تمہیں بلآخر مایوس نہیں کیا۔'' عرش خوشی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولا جبکہ وہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی' بعض اوقات کچھ بولنے کی ضرورت نہیں رہتی' جذبے آنکھوں سے دل تک کا سفر خود ہی طے کرلیتے ہیں۔

......۞......۞......۞......

اسٹڈی روم کی گہری خاموشی میں ندا بھی زرق کی تقلید میں چلی آئیں' ہاتھ میں موجود کتاب کو بند کرتے راسب نے بس ایک پُرسوچ نگاہ اپنے سامنے بیٹھے زرق پر ڈالی۔

''ایک بار آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ زندگی میں بہت کچھ انسان کی مرضی کے مطابق ہوسکتا ہے مگر سب کچھ' ہرگز

نہیں..... سب کچھ تو بس اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے جس میں انسان کے لیے وہ بھلائی چھپی ہوتی ہے جس کا اندازہ اور احساس قبل از وقت نہیں ہو پاتا..... آپ جس کڑی مشکل سے گزر رہے ہیں میں اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں بھائی یہ وہی وقت ہے رجاب کے لیے جو بہت کچھ ہم سب چاہتے ہیں اس کے لیے ہمیں وہ سب کچھ قبول کرنا ہی ہوگا جو تکلیف دہ تو ہے مگر اس میں سب سے زیادہ رجاب کے لیے ہی راحتیں اور ساری زندگی کی آسودگی موجود ہے۔" زرق کی بات سنتے راسب کا چہرہ ہر تاثر سے عاری تھا۔

"شقران آپ سے ملنا چاہتا ہے میں اور بھابی دونوں یہی چاہتے ہیں کہ بس آپ اسے ایک بار گھر تک آنے کی اجازت دے دیں، وہ آپ کی اجازت کا ہی منتظر ہے۔"

"زرق..... کیا تمہیں یہ خدشہ ہے کہ میری وجہ سے کہیں پھر زنائشہ تم سے دور نہ ہو جائے؟ کیا تم اپنی بہن کی خاطر یہ چاہتے ہو کہ میں سب کچھ بھلا کر اس انسان کے لیے دل میں جگہ بناؤں جس نے رجاب کا چہرہ ہی نہیں اس کی زندگی تک بگاڑ دی تھی؟" راسب کے سرد لہجے پر ندا نے شدید تاسف زدہ نظروں سے پہلے راسب اور پھر زرق کو دیکھا۔

"آپ کا ایسا سوچنا حیرت انگیز نہیں مگر سچ یہ ہے کہ اس وقت میرے لیے سب سے اہم صرف رجاب ہے اس کی مرضی اس کی چاہت کیا ہے میرے لیے یہ معنی رکھتا ہے میں زنائشہ کے قریب رہوں یا دور اس سے میرا رشتہ نہ پہلے ختم ہو سکتا تھا نہ اب ہو سکتا ہے میرے بغیر بھی اس کی زندگی آباد ہو جائے گی کیونکہ اس کے اردگرد ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اسے میری کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے..... مگر اس وقت رجاب کے احساسات کو سب سے بہتر طور پر سمجھنے والا صرف میں ہوں..... چند لمحوں کے لیے آپ شقران کے اس عمل کو بھول کر رجاب کے بارے میں سوچیں اس نے یونہی شقران کو معاف نہیں کیا وہ اپنی زندگی شقران کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے تو اس کی وجہ بھی ہوگی۔ آپ ایک بار اس وجہ کو سمجھنے کے لیے اس پر غور کریں آپ یہ جان جائیں گے کہ میں کیوں چاہتا ہوں آپ شقران سے ملنے کے لیے راضی ہو جائیں اس کے لیے دل میں نرمی لے آئیں میں اس سے زیادہ اور کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا۔" خاموش ہو کر زرق نے ایک نگاہ ندا کو دیکھا اور پھر خاموشی سے ہی اٹھتا اسٹڈی سے نکل گیا کچھ دیر تک ندا ان کے چہرے پر پھیلے سوچ کے جال کو بغور دیکھتی رہیں پھر گہری سانس بھر کر ان کے مقابل آ بیٹھیں۔

"کیا زرق اس کا مستحق تھا جو آپ نے اس پر یوں شک کیا؟" ندا کے سوال پر وہ کچھ بول نہ سکے۔

"جس حادثے کی اذیت اور اشتعال آپ کو شقران کا چہرہ تک دیکھنے سے روک رہا ہے اس حادثے کی اذیت سے رجاب گزری ہے..... زرق کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا مگر وہ سمجھتا ہے کہ کیوں رجاب نے بے ہوشی کے عالم میں شقران کا نام لیا ہے اسے پکارا ہے ایک بار نہیں کئی بار....." ندا اپنے لفظوں پر زور دیتیں راسب کے متغیر ہوتے چہرے کو بھی دیکھ رہی تھیں۔

"شقران وہی شخص ہے جس نے اس کا چہرہ، اس کی زندگی بگاڑی مگر پھر بھی رجاب اس کی حقیقت آپ سے چھپاتی رہی اسے بھی آپ کے سامنے سچ کا اعتراف کرنے سے روکتی رہی..... وہ رجاب کا مجرم تھا مگر کچھ تو ایسا تھا اس میں کہ رجاب نے اسے نہ صرف معاف کر دیا بلکہ..... وہ کہتی ہے کہ اللہ نے اس کی محبت دل میں ڈالی جس پر وہ کوئی اختیار نہیں رکھتی..... اس نے اللہ کے لیے پہلے شقران کو معاف کیا تو پھر حاذق کو معاف نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی تھی..... وہ کہتی ہے کہ شقران کو یوں ہی اس کی زندگی میں آنا تھا حاذق کو یوں ہی اس کی زندگی سے نکلنا تھا اور میں یہ کہتی ہوں کہ برسوں پہلے رجاب کو جبراً حاذق کے لیے راضی کرنے کا آپ کا فیصلہ غلط تھا یا آپ بھی جانتے ہیں میں آپ کو اس غلط فیصلے کا احساس بار بار دلا کر تکلیف آپ کو نہیں دینا چاہتی لیکن یہ ضرور بتانا چاہتی ہوں کہ اس فیصلے کی وجہ سے جو خسارے

رجاب سمیت ہم سب کے حصے میں آئے وہ ہرگز نہ آتے اگر رجاب کے انکار کے بعد آپ کا وہ فیصلہ بدل جاتا..... شقران پہلے سے زیادہ اچھے انداز میں رجاب کی زندگی میں آتا اپنے غلط فیصلوں کو اور ان کے نقصانات کو ہمیشہ قسمت کا لکھا کہہ کر خود کو بری نہیں کیا جاسکتا..... جب شروعات ہی غلط ہے تو انجام ٹھیک کیسے ہوسکتا ہے، مگر اللہ بہت مہربان ہے یہ ہم سب کا صبر ہے جو ہمیں انجام سے پہلے ہی سب کچھ ٹھیک کرنے کا موقع مل رہا ہے..... اللہ کی رضا کیا ہے یہ تو واضح ہے..... اب اس سے احتراز کر کے ایک بار پھر کہیں ہم رجاب کو اذیتوں میں نہ ڈال دیں..... رجاب کی خوشیوں کے لیے آپ کو سمجھوتا کرنا پڑے گا' جس نے سب کچھ بگاڑا ہے وہی سنوارنے آ گیا ہے' اس پر دروازے بند کرنے کا مطلب ہے رجاب پر خوشیوں کے دروازے بند کرنا..... جہاں اتنا کچھ رجاب کے لیے برداشت کیا ہے آپ نے، وہاں یہ ایک آخری کڑوا گھونٹ بھی پی لیں..... اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ آپ کو اپنے اس فیصلے پر ماضی کے فیصلے کی طرح پچھتانا نہیں پڑے گا۔'' وزدیدہ نظروں سے ندا ان کے چہرے پر اذیت کو دیکھتیں بول رہی تھیں۔

''اسے ماضی سے دامن چھڑا کر نئی زندگی کا آغاز کرنا ہے راسب..... وہ ہم سب کو اپنی طرف سے مطمئن اور خوش دیکھنا چاہتی ہے شقران کے گھر میں اسے جو عزت اور مقام ملے گا وہ کہیں اور نہیں مل سکتا آپ کو زندگی کی طرف لانے کے لیے شقران سمیت اس کے گھر کا ہر فرد ایک پیر پر کھڑا رہا' وہ سب اپنوں سے بڑھ کر ثابت ہوئے' وہ اس کے حق دار ہیں کہ ان کے لیے شقران کے معاملے میں لچک لائی جائے' تلافی کا موقع دیا جائے۔'' قائل کرتے ہوئے وہ ایک پل کے لیے خاموش ہوئیں۔

''زرق نے قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ رجاب اور ہم سب کے بغیر وہ زنائشہ کی رخصتی میں شامل ہی نہیں ہوگا..... اگر ایسا ہوا تو زنائشہ سے اس کا رشتہ تو ختم نہیں ہوجائے گا مگر اس کی نظروں میں وہ اپنا مقام ہمیشہ کے لیے کھودے گا' وہی مقام جس کے لیے اس نے دن' رات انتھک محنت کی..... اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو ہم اس کے نقصان کا ازالہ بھی نہیں کرسکیں گے..... راسب آپ کے قریب رجاب کے علاوہ بھی کچھ لوگ موجود ہیں جو ایک طویل عرصے سے مسلسل نظرانداز ہوتے چلے آرہے ہیں' زندگی کے بہت سے سنہری سال میں نے چپ چاپ اپنا فرض نبھاتے ہوئے گزارے ہیں لیکن اب میں بہت تھک چکی ہوں..... اب مجھے آپ کے سہارے کی ضرورت ہے..... آخر کب تک میں اور بچے آپ کو اس طرح اذیت میں دیکھتے رہیں گے؟ کیا آپ کی اولاد کو یہ حق کبھی نہیں مل سکے گا کہ آپ مکمل ان کو مل جائیں؟ کیا مجھے آج بھی یہ حق نہیں کہ میرا شوہر کبھی تو مکمل میرا ہو کر رہے؟ رجاب کے علاوہ بھی کچھ لوگ ہیں آپ کے قریب جو زندہ ہیں مردہ نہیں.....'' ندا کا لہجہ ہی نہیں چہرہ بھی تھکن زدہ تھا۔

❁.....❁.....❁

لاؤنج میں آتے شیراز نے حیرت سے زرکاش سمیت سب کے سنجیدہ چہروں کو دیکھا۔

''اچھا ہوا تم بھی آ گئے آؤ بیٹھو میں اپنی بات دہرا دیتا ہوں۔'' زرکاش نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''میں چاہتا ہوں اب جلد از جلد تمہاری شادی ہوجائے تاکہ پھر میں اور دراج کسی اور ملک میں جا کر سیٹل ہوجائیں' کاروباری معاملات میں باہر سے بھی ہینڈل کرسکتا ہوں اور پھر سب سنبھالنے کے لیے تم بھی یہاں موجود ہوگے۔''

''مگر کیوں..... آپ یہاں سے کیوں جانا چاہتے ہیں؟'' شیراز چونکا۔

''تو اور کیا کرنا چاہیے مجھے؟ جب یہاں رہتے ہوئے بھی مجھے اور میری بیوی کو سب سے الگ اور کٹ کر رہنا ہے تو ہم یہاں رہیں یا دنیا میں کہیں بھی' کیا فرق پڑتا ہے' کیا میں یہاں رہ کر اس دن کا انتظار کروں کہ جب میری بیوی کے ساتھ ساتھ میری اولاد کو بھی حقارت سے دیکھا جائے گا' ان کی بھی حیثیت دو کوڑی کی نہ ہوگی' کسی کی نظر میں' جب میری بیوی کو

اس گھر میں کوئی مقام نہیں مل سکا تو میری اولاد کو کیسے یہاں قبول کیا جائے گا ان کی بھی تذلیل کی جائے گی....." زرکاش کے تلخ لہجے پر شذرا اور شزا کے درمیان خاموش نظروں کا تبادلہ ہوا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھائی.....ہم میں سے کوئی ایسا سلوک کیسے کرسکتا ہے آپ کی اولاد کے ساتھ وہ ہمارا خون ہوگی ہم کیسے اسے نظر انداز کرسکتے ہیں۔"

"شیراز.....دراج سے شادی کرنے تک اور اس کے بعد بھی تم سب کا جو رویہ رہا ہے اسے سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ بھی برا سلوک ہوسکتا ہے میری اولاد کے ساتھ کیونکہ اس کا جرم یہ ہوگا کہ وہ اس عورت کی بھی اولاد ہے جسے میرے گھر میں کوئی مقام کوئی عزت نہیں ملی جس عورت کو میری بیوی کی حیثیت سے بھی قبول نہیں کیا گیا جسے ہمیشہ برے القابات دیے گئے جس کے لیے تم سب کے دل میں آج بھی جگہ نہیں صرف نفرت ہے تو کیا اس کی اولاد کو سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھا جائے گا؟"

"بھائی.....ہم میں سے کوئی دراج کے خلاف اب کچھ نہیں کہتا.....وہ آپ کی بیوی ہے یہ ہمیں قبول کرنا ہی تھا اور ہم کر چکے ہیں۔" شزا بولی۔

"دنیاداری کی خاطر اسے کس حد تک قبول کیا گیا ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں لہٰذا میری زبان بند ہی رہنے دو تو اچھا ہے۔" زرکاش کے ناگوار لہجے پر شزا نے اترے چہرے کے ساتھ صبغہ کو دیکھا جو خاموش تھیں۔

"اسے قبول کیا گیا ہوتا تو وہ آج اس گھر میں بہو کی حیثیت سے موجود ہوتی کسی کو اس کا مجھ سے تعلق ہونے کا پاس ہوتا تو کوئی ایک بار تو اس کے پاس جاتا.....یہاں قدم رکھنے کی تو اسے اجازت نہیں ہے تم تینوں کی جانب سے.....کل کو شیراز کی بیوی نے یہاں آنا ہے ایک نہ ایک دن اسے سوال کرنا ہی ہے کہ میری بیوی کو کس جرم میں مجھ سمیت اس گھر سے دور رکھا گیا۔" سرخ چہرے کے ساتھ بولتے ہوئے اس نے شیراز کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے تم اچھا جواب دے کر مطمئن کرسکتے ہو اپنی بیوی کو.....دراج کو بھی تو بتا کر آئے ہو تم کہ اس نے کس لالچ کے تحت مجھ سے شادی کی تھی۔" زرکاش کے چبھتے لہجے پر شیراز نگاہ نہیں اٹھا سکا تھا۔

"ایک بات تم بھی جان لو ایسا وقت اگر کبھی آیا جب میرے پاس کچھ نہ رہے اور میں سڑک پر آجاؤں تو ایک دراج ہی ہوگی جو میرے ساتھ ہوگی مجھے کڑے وقت میں تنہا چھوڑ کر وہ نہیں جائے گی.....آئندہ دراج کو آئینہ دکھانے سے پہلے تم خود بھی آئینہ دیکھ لینا۔" کچھ تھا زرکاش کے تنبیہی لہجے میں کہ شیراز کو سانپ سونگھ گیا۔

"بھائی.....گزری باتوں کو اور ہماری غلطیوں کو ہماری نادانی سمجھ کر درگزر کردیں اس گھر میں دراج کو اس کا پورا حق بھی ملے گا اور وہ عزت اور مقام بھی جس کی وہ مستحق ہے بس آپ ہم سے دور جانے کی بات نہ کریں ہماری غلطیوں کی سزا امی کو نہ دیں وہ اب آپ کی جدائی برداشت نہیں کرسکیں گی نہ ہم تینوں آپ سے دور رہ سکیں گے۔" شذرا رونے لگی۔

"امی کو درمیان میں مت لاؤ شذرا.....تم تینوں کی ضد کی وجہ سے وہ میری زندگی کے اتنے اہم موقع پر بھی میرے قریب نہیں تھیں اس کی خلش میرے دل میں ہمیشہ رہے گی امی جب چاہیں گی میں ان سے ملنے آجاؤں گا۔ میرے ساتھ جانا چاہیں گی تو یہ میری خوش نصیبی ہوگی دور میں تم تینوں سے بھی نہیں رہوں گا بے فکر رہو میرے لیے رشتوں کی قدر و اہمیت کسی طور کم نہیں ہوسکتی اس گھر میں شیراز ہوگا اس کے بیوی بچوں سے رونق ہوگی میرے جانے کے بعد زیادہ کچھ نہیں بدلے گا۔"

"امی.....آپ ہی کچھ کہیں سمجھائیے بھائی کو۔" شزا کو ماں کی خاموشی گراں گزر رہی تھی۔

"جب تم تینوں ہی میری کوئی بات سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے تو اب میں کیا کہہ کر زرکاش کو سمجھاؤں تم تینوں نے ہی

اسے ٹھیس پہنچائی اب وہ اپنی بیوی کے ساتھ یہاں سے جانا چاہتا ہے تو اس کے ذمہ دار تم بھائی بہن ہو۔" صبغہ سخت برہمی سے بولیں جبکہ زرکاش مزید کچھ بولے بغیر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھائی..... ہمیں معاف کردیں ہمیں اس طرح چھوڑ کر مت جائیں۔" شہزا اور شذرا برستی آنکھوں سے آ کر اس سے لپٹ گئیں شیراز کے لیے بھی اب خاموش رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔

"بھائی..... سب سے زیادہ قصوروار میں ہوں مجھے جو چاہیں سزا دیں مگر ہم سے دور مت جائیں یہ گھر آپ کا ہے اس گھر پر ہم سے زیادہ حق بھائی کا ہے میری شادی تب ہی ہوگی جب وہ اس گھر میں آئیں گی میں آپ کے سامنے ان سے معافی مانگوں گا ان کو خود اس گھر میں لے کر آؤں گا..... امی کم از کم اب تو بھائی سے کہیں کہ وہ جانے کی بات نہ کریں۔" شدید اضطراب میں شیراز نے صبغہ سے بھی مدد مانگی۔

"زرکاش..... تمہیں اپنے فیصلے کو بدلنا ہی ہوگا کیونکہ یہ تینوں اب تمہیں کہیں دور جانے دیں گے نہ دراج کو۔" صبغہ نے آسودہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

❁.....❁.....❁

اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتے دل کے ساتھ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلتی یک دم ساکت ہوئی نگاہیں اس پر جم کر رہ گئیں جس کے چہرے پر رتجگوں کے آثار تھے فگار سینے کا دھواں آنکھوں میں سرخی بن کر نمایاں تھا زرق کے ہمراہ آتے شقران کے قدموں میں لرزش تھی ساکت کھڑی رجاب کے زرد چہرے پر سنگین خدشات اور خوف کے سائے لہراتے وہ بخوبی دیکھ سکتا تھا کانچ جیسی سبز آنکھوں میں امید کی رمق ماند تھی اس کی بکھری ابتر حالت نے شقران کے دل کو آہنی شکنجے میں جکڑا تھا۔

یہ محبت بڑی ظالم ہوتی ہے بس ہو جاتی ہے پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگتی اور یہ خودرو پھلتی پھولتی سبز بیل کی طرح وجود سے لپٹتی لہو کی ایک ایک بوند نچوڑتی روح تک کو اپنے حصار میں قید کر لیتی ہے وہ بھی تو بس ایک کمزور لمحے کی زد میں آ کر لڑکھڑایا تھا اور سنبھلنے سے پہلے ہی اندر باہر کی کایا پلٹ گئی تھی..... اور آج بلآخر وہ دن آ گیا تھا کہ جس کا آنا طے تھا جس سے وہ فرار ہونا بھی نہیں چاہتا تھا مگر یہاں تک آنے کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی آج نہ صرف اسے ایک مجرم کی حیثیت سے راسب کے سامنے پیش ہونا تھا بلکہ رجاب کے لیے بھی ان کا سامنا کرنا تھا اپنے جرم کی ہر سزا اسے قبول تھی مگر رجاب سے دستبرداری کسی صورت نہیں۔

ان کی سپاٹ نظریں اس پر جمی تھیں جو دوبارہ ان سے نظر نہ ملا سکا تھا بس چپ چاپ ان کے سامنے آ رکھڑا ہوا تھا۔

اس کے ساتھ ہی وہ رات بھی اپنی تمام قیامت خیزیوں کے ساتھ ان کی نظروں کے سامنے آ ٹھہری تھی چہرے پر سنگلاخ چٹانوں جیسی سختی در آئی تھی سینے پر لگے زخم ایک بار پھر رسنے لگے تھے وہ چاہتے تھے کہ اٹھ کر اس کا گریبان پکڑ لیں سارے حساب کتاب برابر کردیں ہر اس قسم کو پورا کردیں جو انہوں نے اس بھیانک رات میں کھائی تھیں وہ چاہتے تھے کہ اپنے سامنے سر جھکائے کھڑے شخص کی ساری کائنات تہس نہس کردیں جو بے خبری میں ان کے دل کے بہت قریب آ گیا تھا مگر کوئی انجانی طاقت تھی جو ان کے لبوں پر قفل ڈالے ہوئے تھی ان کے ذہن میں وہ منظر بھی تازہ تھا جب اسپتال میں وہ اس سے پہلی بار روبرو ملے تھے سرخی مائل گندمی رنگت ذہانت سے چمکتی آنکھوں اور اپنی منفرد شخصیت کے ساتھ وہ اس لیے بھی ان کے دل میں جگہ بنا گیا تھا کہ وہ ان کا محسن تھا اس کا لہو ان کی رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا تھا اور وہ اس کے احسان مند تھے مگر اس وقت انہیں اندازہ بھی نہ تھا کہ تصویر کا دوسرا رخ اس قدر بھیانک بھی ہوگا۔

گہری خاموشی میں گزرتا ایک ایک لمحہ شقران پر بھاری پڑ رہا تھا بلآخر اسے نگاہ اٹھانے کی جرأت کرنی پڑی ضبط

اشتعال اور اذیت سے راسب کی آنکھیں سرخ اور چہرہ تمتما رہا تھا۔ راسب اسٹک کے سہارے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بہت سر پٹخا' بہت کوشش کی تھی میں نے تم تک پہنچنے کی' اسی سڑک پر تمہیں گھسیٹنے کی' تمہیں دار پر اپنے ہاتھوں سے چڑھانے کی جہاں تم نے......" ضبط کی شدت سے راسب کی آواز گھٹ گئی۔ "مگر قدرت نے تمہیں بچائے رکھا......لیکن گناہ تو میری بہن نے بھی ایسا کوئی نہیں کیا تھا کہ جس کے عوض اسے انگاروں پر چلنا پڑا تھا۔" غیظ وغضب میں بھنچے لہجے میں بولتے راسب یک دم اس لمحے خاموش ہوئے جب ان کی نگاہ ندا پر پڑی۔ ان کے پیچھے ہی زرق' رجاب کا ہاتھ پکڑے اندر آیا تھا' جلتی نظروں سے چند لمحے وہ رجاب کو دیکھتے رہے جو سر جھکائے زرق کے عقب میں چھپی ہوئی تھی۔

"قدرت آج بھی تمہارے ساتھ ہے' یہ تمہاری خوش نصیبی ہے اور میری بدنصیبی کہ تم ایسے وقت میں میرے سامنے آئے ہو کہ جس میں قدرت نے مجھے تمہارے احسان کے بوجھ تلے دبا دیا ہے' تم سمیت تمہارے گھر کے ہر فرد کے احسانوں کی زنجیروں سے مجھے جکڑ لیا ہے اور گھٹنے ٹیک دینے پر مجھے مجبور کردیا ہے اس لڑکی نے......" گرجتے لہجے میں انہوں نے رجاب کی سمت اشارہ کیا جو خوف واذیت سے دہری ہوتی سسک اٹھی' اس کے لاغر کانپتے وجود کو اپنے بازو کے حصار میں لیے زرق نے جیسے ڈھارس بندھائی جبکہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے روتی رجاب کو دیکھتے ہوئے شقران کا اضطراب اور بے چینی حد سے تجاوز کرگئی تھی۔

"اس کا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے اس سے محبت کی اور اللہ نے میری محبت اس کے دل میں ڈال دی......اسی محبت کی خاطر اس نے مجھے معاف کردیا' مجبور آپ نہیں' مجبور وہ تھی۔" ان کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھتا شقران دھیمے مگر مضبوط لہجے میں بولا۔

"اللہ کو درمیان میں لاکر تم نے رجاب سے معاملہ ٹھیک کرلیا' اس کے لیے پیغام بھیج دیا تو آگے بھی مجھے دھوکے میں رکھ کر اسے اپنے ساتھ لے جاتے...... جب میری اپنی بہن مجھے اندھیرے میں رکھنے پر تیار تھی تو پھر تمہیں کس چیز نے اپنے گناہ کا تحریری اعتراف نامہ مجھ تک پہنچانے پر مجبور کیا؟" راسب کے اس سوال پر رجاب رونا بھول کر شقران کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

"یہ سچ ہے کہ رجاب نے مجھے آپ کے سامنے حقیقت عیاں کرنے سے روکا لیکن اس کی طرح میں بھی آپ کو اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا' یہ بوجھ میں نہیں اٹھا سکتا تھا' نہ ہی رجاب اس طرح میری زندگی میں بھی شامل ہوسکتی تھی......رجاب کے روکنے کی وجہ اس کا خوف تھا' وہ ذہنی طور پر کسی سنگین صورت حال کے لیے تیار نہیں تھی' میں وقتی طور پر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے' جس دن آپ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئے اور وہاں میں نے حاذق کو اس کی بیٹی کے ساتھ دیکھا' میں سمجھ گیا کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ وہ آپ سے ملا نہ ہو اور پھر جب آپ نے حاذق کی آمد کا کوئی ذکر نہ کیا مگر آپ کا چہرہ اس حقیقت کو میری نظروں سے نہ چھپا سکا تو مجھے یقین ہوگیا کہ اب وقت آچکا ہے کہ اب مجھے خاموش نہیں رہنا...... میں نہیں جانتا تھا کہ آپ کے اور حاذق کے درمیان کیا بات ہوئی یا یہ کہ میرے بارے میں اس نے آپ سے کیا کہا...... مجھے ہر صورت اپنی حقیقت سے آپ کو آگاہ کرنا تھا' آپ کی صحت اور اعصاب کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہی مناسب لگا کہ اپنے جرم کا اعتراف لکھ کر آپ تک پہنچاؤں' اس کے بعد میرا انتظار شروع ہوگیا کہ کب آپ مجھے اپنے سامنے آنے کی اجازت دیتے ہیں۔" ایک پل کے لیے خاموش ہوکر شقران نے رجاب کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھا۔ "رجاب نے مجھے معاف کردیا' میں اس فخر اور زعم میں آپ کے سامنے موجود نہیں' میں آپ کے سامنے اس لیے موجود ہوں کیونکہ میں آپ کا بھی گناہ گار ہوں' میں آپ سے اور بھابی سے بھی ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں' بے شک

آپ مجھے قانون کے حوالے کردیں یا خود کوئی سزا دے دیں لیکن رجاب سے الگ ہوجانے کی سزا مت دیجیے گا کیونکہ یہ سزا میرے ساتھ ساتھ رجاب کو بھی جھیلنا پڑے گی وہ کسی سزا کی مستحق نہیں۔" شقران کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں میں بھی راسب کو التجا دکھائی دے رہی تھی۔

"شقران..... حاذق تم سے بڑھ کر ہمارا گناہ گار تھا اس کے حمایتیوں نے بھی ہمارے دل کو زخموں سے چور کردیا تھا جب رجاب نے اور میں نے اسے معاف کردیا تو پھر تمہیں کیوں نہیں..... تمہارے گھر والوں کی رجاب سے محبت اور خلوص بھی میرے سامنے ہے کسی کے لیے نہ سہی مگر رجاب کے لیے میں نے دل سے تمہیں معاف کردیا ہے۔" ندا مستحکم لہجے میں مخاطب ہوئیں۔

"مجھے یقین ہے کہ تم ہی وہ انسان ہو جس کے ساتھ رجاب کی زندگی میں خوشیاں اور سکھ ہی سکھ ہوں گے تمہارے علاوہ ہمیں کسی اور شخص پر یہ بھروسا نہیں کہ وہ رجاب کے ساتھ اسی کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کرے گا جو ماضی میں حاذق نے کی وہ پیسے ہی گھناؤنے الزامات لگا کر رجاب کی پاک دامنی پر کیچڑ نہیں اچھالے گا..... تمہیں معاف کردینے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم یہاں تک صرف اپنی نجات کے لیے نہیں بلکہ رجاب کے لیے آئے ہو۔" ندا نے راسب کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا اور یہی وہ وقت تھا جب رجاب کو لگا کہ راسب مشکل میں ہیں اور وہ انہیں اس مشکل سے نکالنا چاہتی تھی۔

"آغا جان..... میں اپنی وجہ سے آپ کو مجبور ہوتا دیکھ سکتی ہوں نہ یہ کہ آپ مجھ سے بدظن ہوں..... میری خاطر بہت کچھ قربان کرچکے ہیں آپ..... میرے لیے ہمیشہ آپ کی مرضی آپ کی خوشی اہم رہی ہے اور آج بھی ہے میرے لیے ہر فیصلہ کرنے کا حق اور اختیار آج بھی صرف آپ کو ہے۔" دھیرے سے راسب کے قریب آتی اس نے لرزتے لہجے میں کہا۔ "آپ کے لیے مجھے اپنی زبان کی بھی پرواہ نہیں جو میں نے حاذق کو دی تھی..... آپ اسے معاف نہیں کرسکتے شقران کو معاف نہیں کرنا چاہتے تو بھی مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی میرے لیے نہ آپ خود پر جبر کیجیے نہ سمجھوتا بس اس سچ کو قبول کرلیجیے کہ میں نے شقران اور حاذق کو معاف کردیا ہے۔" پُرامید نظروں سے راسب کو دیکھتی وہ اس وقت خاموش ہوئی جب ان کے تاثرات میں اذیت اور آنکھوں کی سرخی بڑھتی چلی گئی۔

"معاف تو حاذق کو میں نے بھی کردیا رجاب۔" راسب کا بہت دھیما مگر ٹوٹا بکھرا لہجہ اسے دنگ کرگیا اس کی پھیلی آنکھوں میں سارے جہاں کی بے یقینی سمٹ آئی۔ راسب پھر اس سے نظر نہیں ملا پائے۔

"وہ میرے دل کے بہت قریب رہا ہے اس لیے مجھے زیر کرنے کے حربے بھی جانتا تھا اور آخر..... اسے موقع مل ہی گیا حربہ آزما کر مجھے کمزور کرنے کا..... وہ تنہا میرے پاس آتا تو کبھی بامراد نہ ہوتا اسے خالی ہاتھ ہی لوٹنا پڑتا مگر..... مگر وہ ظالم انسان اپنی بچی کو درمیان میں لے آیا..... میں اس معصوم کو کیسے اپنے قدموں میں برداشت کرلیتا؟ میں لرز اٹھا..... میں نے موت کو بہت قریب سے دیکھا تھا میرے دل میں اس وقت اللہ کا خوف تھا جو اس حد تک غالب تھا کہ مجھے تمہارا خیال تک نہ آیا..... سارے عہد ساری قسمیں سیلابی ریلے کی طرح بہہ گئیں..... میں نے بہت کوشش کی دل کو سخت رکھوں..... مگر میں ایک انسان ہی تو ہوں..... ایک کمزور انسان جس کے عہد ارادے قدرت کے سامنے ریت کے ذرے کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔" گھٹے لہجے میں کہتے راسب کی آنکھوں میں بڑھتی نمی رجاب کی آنکھوں کو جل تھل کررہی تھی۔

"تم جاننا چاہو گے کہ حاذق نے مجھ سے تمہارے بارے میں کیا کہا تھا؟" راسب اس سے مخاطب تھے جو کسی سناٹے میں گھرا کھڑا تھا۔ "اس نے مجھ سے کہا کہ وہ رجاب کے ساتھ ساتھ ایک ایسے شخص کو دیکھ رہا ہے جس کی پیشانی پر اس نے

رجاب کا نصیب چمکتا دیکھا ہے' اس نے مجھ سے کہا کہ قدرت نے تمہیں رجاب کے لیے چھ برس پہلے یا پھر اس سے بھی بہت پہلے چن رکھا تھا اور یہ کہ اگر میں تمہاری حقیقت سے واقف ہو جاؤں تو تمہیں معاف کرنے میں دیر نہ کروں ورنہ خدشہ ہے کہ ایک بار پھر بگاڑ پیدا ہوگا' اس کے چند جملوں نے مجھ پر بہت کچھ واضح کر دیا تھا جسے فوری طور پر قبول کرنا میرے لیے ناممکن تھا' تمہارا اعتراف نامہ پڑھنے کے بعد بھی..... میں نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ مجھے کس ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔"

"بھائی..... بڑا آدمی وہی ہے جسے طیش میں بھی اللہ کا خوف نہ بھولے' حاذق کو معاف کر کے آپ نے کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا' اللہ کے لیے معاف کر دینے والا کمزور نہیں ہوتا۔" زرق نے کہا۔

"راسب..... حاذق نے جو کچھ آپ سے کہا میں اس سے متفق ہوں' اسے معاف کر دینے سے لے کر شقران کے اعتراف تک کی تمام حقیقت کو قبول کر لیجیے' قدرت کے فیصلوں کے سامنے انسان کے فیصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔" ندا بولیں جس پر راسب نے ایک نظر رجاب کے جھکے سر کو دیکھا اور پھر زرق کو۔

"زنائشہ کو ناراض کر کے تم نے برا کیا' میں چاہتا ہوں تم اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ تم سے زیادہ اب وہ ہمارے لیے اہم ہے اور اسے یہ بھی بتا دینا کہ اسے رخصت کرنے میں خود آؤں گا۔" راسب کی تاکید پر زرق پہلے حیران ہوا اور پھر خوشی سے بے حال ہوتا ان کے گلے سے جا لگا۔

"اب جاؤ جلدی، وہ تمہاری راہ دیکھ رہی ہوگی۔" ندا نے مسکراتے ہوئے کہا مگر شقران کی موجودگی میں وہاں سے جانا زرق کو مخمصے میں ڈال رہا تھا۔

"شقران کو میں چائے پر روک رہی ہوں' اس کے انتظار میں مت رکو ورنہ اور دیر ہو جائے گی۔" ندا کے مزید کہنے پر زرق نے جانے میں پھر دیر نہیں کی۔

"شقران..... میں نے قدرت کے فیصلے کو قبول کر لیا' کرنا ہی تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ زندگی میں دوبارہ کبھی تم سے وہ تعلق استوار ہو سکے گا بھی یا نہیں جو پہلے تم سے تھا۔" راسب کے سپاٹ لہجے کو سنتی سر جھکائے کھڑی رجاب کے دل میں امیدوں کے روشن ہوتے دیے بجھنے سے لگے تھے۔

"یقین رکھیے' بے لوث تعلق کسی حال میں ختم نہیں ہوتا' میں اپنے عمل سے بھی یہ ثابت کر دوں گا' آپ کے دل میں میری جو جگہ ہے' میں اس جگہ سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹنے والا۔" شقران کے پُراعتماد لہجے پر راسب نے ندا کی جانب دیکھا جو اپنی گہری ہوتی مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکا گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

آج وہ زنائشہ کے لیے بہت خوش تھی اور اسے خود حجلہ عروسی میں پہنچا کر آئی تھی مگر اس کے بعد جانے کیوں اسے اپنے آنسوؤں پر کوئی اختیار نہ رہا' یہ خوشی کے آنسو تھے اور ان یادگار بے شمار لمحوں کے بھی جو اس نے ہاسٹل میں زنائشہ کے ساتھ ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹتے ہوئے گزارے تھے۔ کمرے میں داخل ہوتے زرکاش نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا' جو سرخ رنگ کی ساڑھی میں شعلہ جوالہ بنی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی' سارا راستہ وہ اسے یونہی غمگین اور آنسو بہاتے دیکھتا رہا تھا' اس کی کیفیت سے واقف تھا اس لیے ٹوکا نہیں مگر اب اس سے رہا نہ گیا۔

"بس کرو دراج..... تمہارے یہ آنسو میرے لیے اذیت کا باعث بن رہے ہیں' خوشی کے موقع پر اس طرح رونا اچھی بات نہیں۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا جبکہ دراج نے شدید بے یقینی سے' اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا' اس کے لیے واقعی یقین کرنا مشکل تھا کیونکہ وہ تو اسے مخاطب کرنا ہی ترک کر چکا تھا۔

''کیا ہوا' میں نے کچھ غلط کہا؟'' اس کی سرخ بھیگی آنکھوں میں زرکاش نے دیکھا..... نفی میں سر ہلاتی وہ سر جھکائے اس کے مقابل کھڑی تھی۔

''آپ نے ٹھیک کہا' میں جانتی ہوں کہ اب مجھ سے بڑھ کر کوئی چیز آپ کے لیے اذیت کا باعث نہیں ہو سکتی.....''

''تمہاری اس بے سروپا بات سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم میری طرف سے کتنی بدگمان ہو۔'' زرکاش نے بات کاٹی۔

''آپ پر پورا یقین ہے اسی لیے تو ہر سچ کہنے کی ہمت کی تھی میں نے..... لیکن آپ نے مجھے معافی تک مانگنے کا موقع نہیں دیا..... آپ کو اندازہ بھی نہیں کہ آپ کی خاموشی تازیانے کی طرح لگتی رہی ہے مجھے' میرے سچ نے مجھے آپ کے دل سے اتار دیا ہے تو میرے بوجھ کو بھی خود سے اور اس گھر سے الگ کر دیں' تنہائی میں یہاں دیواروں سے سر ٹکرانے سے تو بہتر ہے کہ میں آپ کی نظروں سے ہی کہیں دور چلی جاؤں..... مگر آپ فکر مت کریں' آپ کی امانت آپ کے حوالے کر کے ہی جاؤں گی' آخر اپنی اولاد کی خاطر ہی تو مجھے برداشت کرنا پر مجبور ہیں آپ۔'' سر جھکائے وہ آنسو ضبط کرتی لرزتے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''بس یہیں تک سوچ سکتی تھیں تم.....'' زرکاش نے شدید تاسف سے کہا۔

''دراج..... مجھے لگتا تھا کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ اعتبار اور بھروسا تمہیں صرف مجھ پر ہے' ایک میں ہی ہوں جس کے سامنے تم اپنے دل کی ہر بات بلا جھجک کر سکتی ہو۔''

''ایسا ہی ہے' ہمیشہ سے۔'' وہ فوری بولی۔

''نہیں ہے ایسا دراج..... اگر ایسا ہوتا تو تم مجھ سے یہ نہ چھپاتیں کہ شیراز نے کس حد تک تمہارے ساتھ بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا تھا' اس کے ہی چلائے گئے نشتروں سے دلبرداشتہ ہو کر تم میرے سامنے سچ بولنے پر مجبور ہوئیں..... تم نے پردہ رکھا مگر زنائشہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔'' زرکاش کے سخت ناگوار لہجے پر وہ نگاہ نہیں اٹھا سکی۔ ''تمہاری بے اعتباری نے مجھے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری محبت میں کہاں کوئی کسر رہ گئی کہ تمہیں یہ لگنے لگا تمہارا کوئی سچ' کوئی جھوٹ تمہیں میرے دل سے اتار بھی سکتا ہے' دراج سچ صرف یہ ہے کہ تمہارے کسی سچ' کسی اعتراف میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ میرے دل کو تم سے بدظن کر دے..... جس سچ کا اعتراف تم نے کیا وہ روز اول سے مجھ پر آشکار تھا' ایک دنیا دیکھ رکھی ہے میں نے' ایک کیا ہزاروں دراج مل کر بھی محبت کے نام پر میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتی تھیں' خاموش اس لیے رہا کہ کہیں تم مجھ سے مایوس ہو کر کسی غلط راستے پر نہ چلی جاؤ مگر میں نے خود سے عہد ضرور کیا تھا کہ تمہیں ہر آسائش مہیا کروں گا' تمام محرومیوں کو تم سے دور کر دوں گا تاکہ ایک اچھی زندگی کے حصول کے لیے تمہیں مجھ سے محبت کے جھوٹے اعتراف نہ کرنے پڑیں مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری محبت اتنی شدت کے ساتھ ایک واضح حقیقت بن کر تمہارے ہی ہر جھوٹ پر غالب آ جائے گی۔'' سانس روکے دراج دھندلائی نظروں سے بس اسے سن رہی تھی۔

''مجھ سے تمہارا جھوٹ نہیں چھپ سکا تھا تو سچ کیسے چھپ سکتا تھا..... جھوٹے اظہار محبت مجھے تم سے کبھی بیزار نہیں کر سکے تھے تو تمہارے سچے جذبے کیسے میرے دل پر اثر نہ کرتے..... جو سچ میں بہت پہلے سے جانتا تھا اسے میرے سامنے قبول کرنے کی تمہیں ضرورت نہیں تھی دراج..... تم نے میرے پانچ برسوں پر محیط بھاری گناہ سمیت مجھے قبول کیا تھا..... کیا میں تمہیں صرف اس ایک جھوٹ کے لیے خود سے دور کر سکتا ہوں جس کی میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں' مجھے اس وقت بھی پتا تھا کہ تم اپنی نادانی میں جذباتی ہو چکی ہو' تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم میری بڑی سے بڑی غلطیوں سے درگزر کر سکتی ہو' بہت اعلیٰ ظرف ہو اور میں اتنا کم ظرف ہوں کہ اپنی انا کے لیے تم سے اپنی محبت اور تعلق دونوں کو شرمسار کر دوں گا؟'' دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھتا وہ پوچھ رہا تھا مگر دراج کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ تھا' بس بہت سارے آنسو تھے۔ اس کے

مہربان سینے سے سر ٹکائے وہ سسک اٹھی۔

"کبھی کبھی غلطی پر بس نادم ہونا ہی کافی ہوتا ہے' اس کا اعتراف کرنا ضروری نہیں ہوتا کم از کم اس انسان کے سامنے تو بالکل نہیں جس سے کوئی سچ' کوئی حقیقت نہیں چھپی ہوتی۔" اس کے آنسو پوروں سے سمیٹتا وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"اب ایک خوش خبری سنو اور مسکراتی ہوئی نظر آؤ..... کل شیراز سمیت سب آرہے ہیں تمہارے پاس' تمہیں اسی عزت واحترام کے ساتھ یہاں سے لے جانے جس کی تم مستحق ہو' تمہارا مقام نہ میرے دل سے کسی طور کم ہوسکتا ہے اور نہ ہی مجھ سے تعلق رکھنے والوں کے دل سے۔" زرکاش کے قطعی لہجے پر ایک دھیمی سی پُرسکون مسکراہٹ دراج کے چہرے پر بکھری' بھلا ایثار و محبت کے جذبے بھی کبھی رائیگاں گئے ہیں..... نیت خالص اور جذبے سچے کھرے ہوں تو کتنی ہی کٹھنائیاں کیوں نہ درپیش ہوں بیا آخرکار خود کو منوا ہی لیتے ہیں۔

❁.....❁.....❁

تیز اسٹریٹ لائٹ میں اس کا سراپا ہر منظر سے زیادہ نمایاں تھا' گہرے سبز لبادے میں ملبوس وہ دور تک پھیلی تاریکی میں جانے کیا تلاش کررہی تھی کہ عقب میں کھڑی گاڑی سے پشت ٹکا کر اس نے قریب آتے شقران کو دیکھا اور مسکرادی۔

"کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ میں دوبارہ کبھی زندگی میں اس سڑک' اس مقام تک آؤں گی..... بس اچانک میں نے چاہا کہ تمہارے ساتھ یہاں تک آنا چاہیے' کوئی خاص مقصد نہیں تھا میرا' کچھ منفی مت سوچنا....." رجاب کے اچانک ہی کچھ شرمندہ ہونے پر وہ مسکرایا۔

"میں جانتا ہوں' کوئی وضاحت مت دو' اس مقام تک دوبارہ آنے کی خواہش کا دل میں جاگنا' فطری سی بات ہے..... میں بارہا یہاں آتا رہا ہوں' کبھی پچھتاووں کی گھٹن سے گھبرا کر اور کبھی تمہارے وہم سے فرار حاصل کرنے۔" سامنے تاریکی میں نظر جمائے اس نے کہا۔

"پھر..... فرار ہونے کا راستہ ملا؟" رجاب کے سوال پر شقران نے اس کی گہری چمکتی سبز آنکھوں میں دیکھا۔

"راستے بہت ملے مگر ہر راستے میں تم موجود تھیں۔" اس کے گہرے لہجے اور نظروں پر رجاب جھینپ گئی۔

"تمہیں یہاں کوئی خوف کوئی وحشت محسوس نہیں ہورہی؟" شقران نے پوچھا۔

"نہیں..... کیونکہ تم میرے ساتھ ہو۔" وہ مسکرا کر بولی جبکہ شقران چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا نہ اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا سکا تھا۔

"کوئی اپنے مجرم پر اس طرح بھروسا کیسے کرسکتا ہے' کیسے اسے دل میں داخل ہونے کی اجازت دے سکتا ہے؟"

"محبت کے لیے سب کچھ ممکن ہے' یہ جذبہ اپنی منطق کے سامنے دنیا کی ہر منطق کو مسترد کردیتا ہے۔" مسکراتی نظروں سے رجاب نے اس کے بے حد سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

"شاید یہی سچ ہو....." اس نے کہا۔ "محبت کے درد جھیلنے سے فرصت ملتی تو ضرور اس کی منطق کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں..... دراصل محبت دانت کا وہ درد ہے جو مزید کسی درد' کسی منطق کی طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا۔" رجاب کے بہت سنجیدگی سے کہنے پر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"تم واقعی ایک بہت اچھی ڈینٹسٹ ہو۔" اس کی تعریف پر وہ دھیرے سے ہنس دی' تب ہی سڑک پر گونجتے بے ہنگم سے شور نے ان دونوں کو ہی چونکایا' رجاب کی نظریں دور سے آتیں ان بائیکس پر جمی تھیں' جن کی بڑھتی چنگھاڑ وجود کو سرد کررہی تھیں' شقران اس کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھ رہا تھا' جو نامحسوس انداز میں اس کے قریب ہوگئی تھی' بے ہنگم

شور کے ساتھ اسی جانب آتیں ان بائیکس سے نگاہ ہٹاتی وہ چہرہ دوسری طرف پھیر گئی اس طرح کہ اس کا سر شقران کے سینے سے مس ہوا تھا' بالکل سر پر آ جانے والی ان تمام بائیکس کے شور میں اسے اپنے لرزتے وجود کے گرد مضبوط بازو کا حصار بہت ڈھارس دے رہا تھا۔

"اوئے ہوئے..... رومانس ہو رہا ہے....." سیٹیوں کے شور میں بلند ہوتی شوخ آوازوں نے رجاب کو سر اٹھانے پر مجبور کر دیا..... بائیکس رکے بغیر آگے بڑھ گئیں مگر ان پر سوار لڑکوں کی سیٹیاں' شوخ جملے رجاب کو ہوش میں لے آئے۔ کرنٹ کھا کر شقران سے دور ہوتی وہ دوبارہ نگاہ نہ اٹھا سکی۔

"سر عام رومانس کرنے کا الزام لگ گیا جبکہ یہاں تو دور' دور تک رومانس کا کوئی موقع نظر نہیں آ رہا۔" شقران نے مسکراتی نظروں سے اس کے سرخ چہرے کو دیکھا جو شرمندگی کے باوجود اپنی نقرئی ہنسی کو فضاء میں بکھرنے سے نہ روک سکی تھی۔ طویل چمکتی سڑک پر ایک خوشگوار سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ تاریکی دور بہت پیچھے کہیں رہ گئی تھی۔ اب سامنے ایک روشن' شفاف اور ہموار راستہ تھا۔

❁.....❁.....❁

اپنے حنائی ہاتھوں پر نظر جمائے وہ ہتھیلیوں کی لکیروں میں الجھ رہی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ اس کا نصیب اس کا آج اور آنے والا کل ان لکیروں کا محتاج نہیں ہے۔

گزرے وقت میں اسے کبھی یہ گمان تک نہ ہوا تھا کہ تپتے' جلتے لق و دق صحرا کو عبور کرنے میں وہ کامیاب ہو جائے گی' مایوسی' ناامیدی اور تنہائی کا عفریت سب کچھ کہیں بہت پیچھے رہ جائے گا اور اتنے مہربان لوگوں کے درمیان اسے اپنا مقام مل جائے گا' بہت سے مخلص رشتے اس کی سمت کھنچے چلے آئیں گے' گہری سانس لے کر اس نے سامنے دیوار پر سجی اس خوب صورت پینٹنگ کو دیکھا جو اپنی جگہ سے کچھ سرک کر ترچھی ہو گئی تھی حالانکہ یہ پینٹنگ اس نے اپنے سامنے اس دیوار پر لگوائی تھی تب تو ٹھیک تھی' یہ بے ترتیبی وہ زیادہ دیر نظر انداز نہیں کر سکتی تھی' اگلے چند لمحوں میں وہ اپنا عروسی لباس سنبھالے کر پینٹنگ کو ٹھیک کر رہی تھی اس نے تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا' سب کچھ اپنی جگہ پرفیکٹ تھا' اس کی خواہش پر عرش نے گھر کے بالائی حصے میں اس کمرے کو سیٹ کیا تھا۔

ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ کمرہ ٹیرس سے منسلک تھا' دوسری وجہ یہ کہ مشرقی دیوار کی قد آدم کھڑکیوں سے وہ طلوع ہوتے سورج کی روپہلی کرنیں بہ آسانی دیکھ سکتی تھی' مشرقی دیوار تک آ کر اس نے ذرا پردہ ہٹا کر گلاس کے پار اس روشن اور پختہ سڑک کو دیکھا..... سڑک کبھی نہیں بدلتی بس اس پر چلنے والے بدلتے رہتے ہیں' اسٹریٹ لائٹ میں سڑک کی چمکتی سطح پر نظر جمائے سوچتے ہوئے وہ اردگرد سے غافل ہو گئی تھی۔

سامنے اسٹریٹ لائٹ کی تیز روشنی میں اسے کچھ چہرے دکھائی دے رہے تھے' بہت شناسا' بہت مانوس' ان چہروں میں ایک چہرہ اس کا اپنا بھی تو تھا..... شاید وہ سب اس سڑک پر کچھ وقت کے لیے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے یا پھر کچھ نئی آرزوؤں' نئی چاہتوں کے بیدار ہونے تک کا قیام تھا کہ بھلا کبھی چاہتیں بھی ختم ہو سکی ہیں' کبھی آرزوؤں کی شب کا اختتام ہو سکا ہے۔

❁

ایک فسوں ہے تو

طیبہ عنصر مغل

جس نے بھی سنا دانتوں تلے انگلیاں دب لیں' بات ہی کچھ ایسی تھی' بسمہ کے اس عمل پہ باہر والے تو کیا گھر والے بھی انگشت بدنداں رہ گئے تھے' آپ جاننا چاہیں گے کیوں؟ تو چلیں آپ کو بتاتے ہیں۔

بسمہ اپنے بہن بھائیوں میں تیسرے نمبر پہ تھی' دو بہنوں کے بعد اس کی آمد ہوئی تھی۔ اپر مڈل کلاس گھرانہ تھا جس میں تعلیم یافتہ ہونا اور مطالعہ کرنا زندگی کا فرض اولین سمجھا جاتا تھا لیکن پھر بھی بسمہ کی دو عدد بہنوں نے تعلیم کے میدان میں کوئی خاص کارکردگی نہیں دکھائی اور بھائی تو چھوٹے تھے لیکن بسمہ جہاں حسن میں یکتا تھی وہیں تعلیمی میدان میں بھی اپنے خاندانی وقار پہ حرف نہیں آنے دے رہی تھی۔

ابھی پندرھواں سال شروع بھی نہیں ہوا تھا تو بسمہ بی بی کے لیے خاندان بھر کے لائق و نالائق سپوتوں کے رشتوں کے پتھر بسمہ نامی بیری پہ لگنے شروع ہو گئے' قرین از قیاس تھا کہ امی کے پیارے بھتیجوں کو بسمہ پیاری کر دی جاتی جو پہلے سے بسمہ کے پیار میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پہ اختیار نہیں ہوتا اور ان میں سرفہرست محبت ہے سو یہ عارضہ بسمہ کو بھی لاحق ہو گیا لیکن یہ عارضہ ناقابل علاج اس وقت محسوس ہوا جب مومن جس کی محبت میں بسمہ گرفتار ہو چکی تھی اس کی ذات کا مسئلہ' مسئلہ کشمیر سے بھی بڑا بن کر ان کے درمیان آ گیا تھا۔

اب یہ مومن کون ہیں ان سے آپ کا تعارف کرواتے ہیں' یہ نوجوان بمشکل سترہ برس کی بالی عمریا میں بسمہ پہ دل ہار بیٹھے' ایک اچھے متمول گھرانے کی اولاد میں سے تھے' خود تو دل ہارے سو ہارے سال بھر کی کوشش سے بسمہ کا دل بھی پورے جتن سے جیت بیٹھے' بسمہ پہ نظریں رکھنے والے کزن کے گہرے دوست تھے اور بسمہ کے گھر میں بھی آزادانہ آتے جاتے رہے تھے کیونکہ بسمہ کی آپا کو منہ بولے بھائی بنانے کا مرض لاحق تھا اور مومن بھی ان کے منہ بولے بھائی تھے۔

"آپا..... یہ وقت بے وقت آپ کے منہ بولے بھائی جو منہ اٹھائے چلے آتے ہیں تو میں کہے دے رہی ہوں میں کسی دن انہیں ایسی کھری سنانے والی ہوں کہ سب دیکھتے رہ جائیں گے' جب دیکھو ہمارے گھر میں موجود اور تو اور بیڈ روم میں بلب بھی ان سے ٹھیک کروائے جا رہے ہوتے ہیں۔" بسمہ ابھی کالج سے پیدل چل کر آئی تھی۔ تھکن سے برا حال تھا' دل چاہ رہا تھا کہ بستر پہ ڈھیر ہو جائے لیکن آپا کے اور بسمہ کے مشترکہ کمرے کی وائرنگ میں گڑبڑ تھی اور مومن صاحب اس وقت الیکٹریشن کی خدمات ادا کر رہے تھے۔

"بسمہ..... تم اپنا منہ سوچ سمجھ کے کھولا کرو' کام کر رہا ہے وہ اوپر سے تمہارے نخرے اور یہ پسینے کی بساند مارا فوجی یونیفارم..... بدلو فوراً پورے کمرے میں بدبو پھیل گئی ہے۔"

بسمہ کی ان دنوں این سی سی کی ٹریننگ چل رہی تھی اور سارا دن کالج گراؤنڈ میں ڈرل کے بعد پسینہ تو بہنا ہی تھا۔ آپا کی بات پہ بسمہ نے اپنی نازک سی ناک کو آستین سے لگایا تو بے اختیار نظر مومن کی جانب اٹھ گئی' اس کے چہرے پہ تپا دینے والی مسکراہٹ تھی گویا ساری بے عزتی کا حساب آپا کی بات نے چکتا کر دیا ہو۔

یہ بے نیازی کب محبت میں بدلی اور اس کو محبت میں بدلنے کے لیے مومن نے کتنے پاپڑ بیلے یہ تو بہت لمبی کہانی ہے لیکن یہ ضرور ہوا کہ آپا بیاہ کر اپنے گھر رخصت ہو گئی تھیں اور بسمہ کو آپا سے دل ہی دل میں یہ گلہ رہ گیا کہ جب تک وہ مومن سے چڑتی رہی آپا گھر میں ہی اس کو گھساتی رہیں اور اب جب وہ مومن کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوب گئی تو آپا سسرال سدھار گئیں' اب مومن کا گھر میں آنا تو کم ہو گیا لیکن پچھلے کئی دنوں سے وہ ان کی گلی میں کھڑا بسمہ کا منتظر

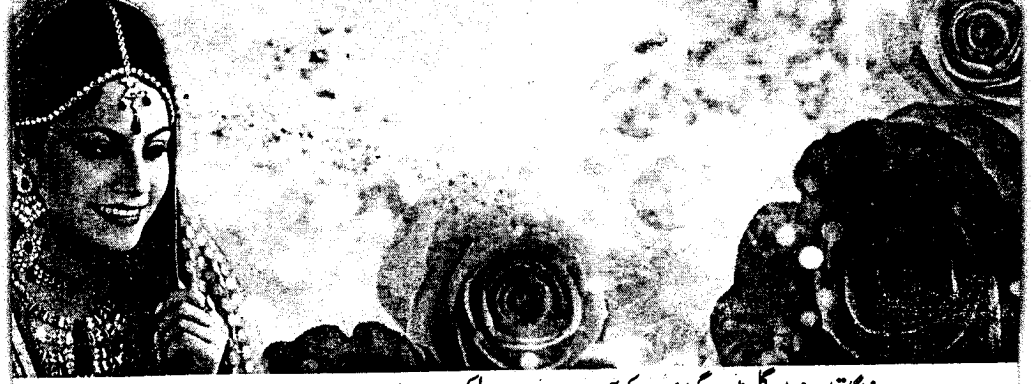

رہنے لگا تھا۔ سنسان گلی میں دو گھڑی اس کی آواز جہاں بسمہ کو سکون بخشتی وہیں مومن کو یہ ملاقاتیں ناکافی لگنے لگی تھیں۔

"بسمہ...... میرا اب اتنی سی ملاقات سے جی نہیں بھرتا مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔" اس نے پہلی بار بسمہ کا نازک سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبایا' بسمہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروانا چاہا لیکن مومن کی گرفت مضبوط تھی' آنکھ پل بھر کو اٹھی تو مومن کی وجاہت کے سامنے لفظ اپنی موت آپ مر گئے۔

ایک ملاقات شاید دوسری کا پیش خیمہ ثابت ہوتی لیکن اس ملاقات کا راز کسی رقیب نے گھر والوں تک پہنچا دیا نتیجتاً بسمہ کا تعلیمی سلسلہ رک دیا گیا۔ وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ اٹھی۔ امی سے معافی مانگی کہ اس پہلی غلطی کو آخری ہی سمجھ لیں اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے پڑھنے سے مت روکیں لیکن امی ٹس سے مس نہیں ہوئیں' ابو نے اتنی اجازت دے دی کہ پرائیویٹ پڑھو اور امتحانات دے ڈالو۔

کم عمری کی محبتیں بھلا دینا آسان نہیں ہوتا مگر بسمہ نے اپنے دل پہ پتھر رکھ لیا اور سرہانے گیلے کرتی رہی' گزرتے وقت اور بڑھتی عمر اور تعلیم کی بدولت وہ یہ بات اچھی طرح جان چکی تھی کہ کچھ روایات غلط ہی سہی لیکن ان کا بوجھ لڑکیوں کے نازک کندھوں پہ ہمیشہ دھرا رہتا ہے' بھائی بھی جوان ہو چکا تھا اور ان دنوں جب وہ بی اے کے امتحانات کی تیاری میں تھی تو انتہائی امیر وکبیر خاندان سے اس کا رشتہ آیا اور جلد ہی وہ منگنی میں بدل گیا۔

اتنے عرصہ بعد بسمہ نے مومن سے منگنی سے پہلے رابطہ کیا اور اسے اس مشکل سے آگاہ کیا کہ وہ کوئی راستہ نکالے لیکن مومن کے جواب نے اس کے ہونٹوں پہ چپ کی مہر لگا دی کہ وہ تو ابھی کسی پوزیشن میں بھی نہیں ہے اس کے بڑے بھائی ابھی غیر شادی شدہ ہیں۔ اس کے دعویٰ اس کی باتیں یاد کرے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

بسمہ کے بھائی نے ڈیک پہ گانے لگا رکھے تھے گویا بسمہ کے ارمانوں کی پھلجڑی بنادی تھی۔

"میں سسرال نہیں جاؤں گی' سال دو سال نہیں جاؤں گی ڈولی رکھ دو کہارو......"

"اللہ...... یہ کیوں نہیں لگایا۔ میں سسرال نہیں جاؤں گی اس سسرال نہیں جاؤں گی۔" شمو جو اس کو تیار کرنے میں مگن تھی بڑبڑائی، بڑی آپا کمرے میں ہی تھیں۔ شمسہ کو اپنی خیریت خطرے میں محسوس ہوئی۔

"اب یہ کیا ہے؟" بڑی آپا سر پہ سوار ہوئیں۔

"کیا ہے' گلا ہے میرا کاٹ دیں۔" آدھا دل میں بولا۔

"بھئی کہاں ہے وہ سونے کا سیٹ جو تمہارے سسرال والے منگنی میں پہنانے کو لائے ہیں، وہ کیوں نہیں پہنا؟"

"آپا...... وہ نہیں پہننا' کپڑے پہن لیے، میک اپ ہو گیا، کافی ہے، نہیں پہننا سونے کا سیٹ۔" بسمہ بدتمیزی سے بولی۔

"میں ابا سے بات کرتی ہوں' وہی بتائیں گے کیا کافی ہے؟" آپا بیگم بولتی ہوئی باہر کو ہولیں۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی آئی تو شمسہ نے ہاتھ باندھے۔

"بس کر دو بسمہ' اب صبر کرو جب مومن نے ساتھ نہیں دیا تو تم بھی صبر کرو اور میرے اوپر رحم کرو، یہ دسویں مرتبہ تمہارا

کا جل بہا ہے' چڑیل بنا کر باہر بھیج دیتی لیکن بے عزتی میری ہوگئی سب کہیں گے میک اپ اسپیشلسٹ صاحبہ نے کیا غضب ڈھایا ہے۔"

"اللہ..... یہ ابا جی کا فرمان سنو، صرف انگوٹھی پہنائی جائے' پورا سیٹ نہیں' وہ تو بسمہ سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں کہ منگنی ہے شادی نہیں' تصویریں بنیں گی، منگنی کوئی مستند رشتہ نہیں ہے۔" آپا کی تقریر جاری تھی کہ اماں نے آ کر ٹوکا۔

"بس کردے ثمانہ کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا تیرے ابا نے، بات کو سمجھو اور یہ ریحانہ کہاں ہے ہم تو سیدھا نکاح کرتے اس ریحانہ کی وجہ سے منگنی کی کہ تب تک ریحانہ کا بھی کوئی معقول رشتہ مل جائے تو نپٹ جائیں اب اس کو باہر لے چلو رسم کرلیں، کتنا تھوپو گی؟" امام ضامن سے لے کر انگوٹھی پہنانے کی رسم تک بسمہ رخصتی کی دلہن کے جیسے وقفے وقفے سے آنسو بہاتی رہی اور پیچھے کھڑی شمسہ کے گھٹنے کمر پہ کھاتی رہی۔ یہ الگ بات کہ شمسہ کی ہمہ وقت کاجل سے سجی آنکھیں بھی بھیانک انداز میں پھیل چکی تھیں راز داری کا ستیاناس کہ رو تو وہ بھی رہی تھی۔ پھر جب کھانا شروع ہوا وہ شمسہ کے ساتھ واپس اپنے کمرے میں آ گئی اور آپا پیچھے۔

"اللہ معاف کرے جو سامان میرے ساتھ جا کر خریدا' سب بہترین ہے لیکن ایک میک اپ کٹ ہی تو رہ گئی تھی جو ناہید (لڑکے کی بہن) پہ چھوڑی تھی وہی نکمی نے بکواس اٹھا کر لانا تھی' وہ تو شمسہ کا اپنا سامان اچھا تھا ورنہ تو صرف آئی شیڈ وار بلش آن سے میک اپ ہو جاتا کیا؟" بسمہ خاموش رہی کیوں کہ اس سے آگے آپا کی لعنت ملامت کا اختتام رونے پہ ہی ہوتا۔

کالج جاتے ہوئے بسمہ کو بارہواں دن تھا' وہ گلی جو اکثر مومن کے وجود سے آباد ہوتی تھی اب سنسان رہتی' بھری آنکھیں لیے بسمہ گھر میں داخل ہوتی اور دیر تک واش روم میں گھس کر آنسو بہاتی رہتی' سہیلیاں جن میں مومن کی چھوٹی بہن بھی شامل تھی اس سے کہتی تھیں کہ دفع کرو جب وہ وقت پہ تمہارا ساتھ نہ دے سکا تو..... مگر وہ چپ چاپ آنسو بہاتی رہتی۔

بالآخر اس سے رہا نہ گیا تو اس نے مومن کی بہن کے ذریعے ایک بار ملاقات کا پیغام بھیجا' بسمہ کے پیغام کے تیسرے دن مومن اس کی چھٹی کے وقت گلی میں موجود تھا مگر یہ تو کوئی اور ہی مومن تھا۔ بے نیاز سا' اس کی طرف دیکھے بنا بات کرنے والا' کلائی میں بندھی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا۔

"جلدی بات کرو' میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے مجھے بہت ضروری کام ہے۔" ہونا تو یہ چاہیے تھا۔ بسمہ اس سے کہتی جاؤ اپنے کام نبٹاؤ لیکن یہ لڑکیاں عجیب ہوتی ہیں اور اس سے عجیب ان کی محبت' جب کوئی کاسۂ دل لیے ان کے قدموں میں بیٹھتا ہے تو شہزادیوں سی بے نیازی دکھاتی ہیں لیکن جہاں ذرا بھر دل بے ایمانی پہ اترے تو دنیا بھر کی ایمان داری اپنی محبت کے لیے اٹھا رکھتی ہیں۔ وہ تو ابھی اس کے رویے پر ہی حیرت زدہ تھی کہ اس کے اگلے جملے نے اسے اس کی اوقات یاد دلا دی۔

"آج کے بعد مجھے آواز مت دینا۔" اتنی گرمی میں کتنا ٹھنڈا لہجہ تھا مومن کا کہ ہر طرف برف کا طوفان آ گیا تھا۔ وہ اس کی ہتھیلی پہ پھول رکھے بغیر اس کی جانب دیکھے بنا گزر گیا۔ سترہ سال کی بسمہ آج بھی پندرہویں سال کی منڈیر پہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

چھٹی کا دن تھا صبح صبح اس کے ہونے والے سسر جو امی کے کزن تھے اخلاق ماموں کی آمد ہوئی تھی۔ اماں نے بڑی آپا کو بھی بلا رکھا تھا۔ نانو بھی تھیں ان ہی کے تو بھتیجے کا بیٹا آفاق بسمہ کے نام لکھا جا رہا تھا۔ وہ سستی سے ریحانہ کے ساتھ کام کروا کے چھت پہ چلی آئی' نیچے سے سب کی باتوں کی آواز آ رہی تھی' بسمہ چارپائی پہ دراز بے حسی سے گدلے آسمان کو دیکھ رہی تھی نہ ہونٹوں پہ دعا تھی، نہ دل میں کوئی صدا' بس آنکھوں میں بے بسی اور ویرانی تھی۔

"پھوپو آپ سے ہی تو یہ رشتے کی لڑی ہے' آپ کو میرا ساتھ دینا چاہیے لیکن آپ میری بات ہی نہیں میرے بیٹے کے نام ہوئی نواسی کا رشتہ توڑ رہی ہیں کچھ تو خیال کریں۔"

اخلاق ماموں نے منت بھرے لہجے میں نانی اماں سے کہا۔ یہ دسواں پھیرا تھا ماموں کا۔

جوں جوں آفاق کے جاپان سے آنے کے دن قریب آ رہے تھے ماموں کا شادی کی تاریخ لینے کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا اور بسمہ کے گھر والوں بالخصوص نانی کا غصہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

''میاں اخلاق...... تم سے زبان کا پاس نہیں ہو سکا جب منگنی کی تھی تو اسی وقت یہ طے ہوا تھا کہ ہماری بچی بی اے کر لے تب ہوگی شادی مگر تم اب ضد پہ اڑ گئے۔'' ابا تلخی سے بولے۔

''آپ کی بات درست ہے بھائی صاحب' مگر میرے بیٹے کو چھٹی ہی ان دنوں میں مل سکتی تھی۔'' اخلاق ماموں گویا گڑگڑا رہے تھے۔

گھر کوئی محل جتنا تھوڑی تھا جو آواز کان لگا کر سنی جاتی' چھوٹا سا چار کمروں کا گھر تھا جس کے درمیان راہداری جتنا تو صحن تھا اور اسی میں اوپن کچن تھا جس کے اندر وہ موڑھے پہ بیٹھی چاول چن رہی تھی سب سنتے ہوئے بھی کسی تاثر سے عاری چہرہ ریحانہ کو تپا گیا۔

''تم بولتیں کیوں نہیں کہ پہلے میری نہ نہ کے باوجود شادی کے لیے ہاں کس لیے اور اب یہ نیا کھڑاگ کہ تاریخ نہیں دینی' تعلیم کا معاملہ ہے' جب ماموں کہہ رہے ہیں کہ تعلیم سے نہیں روکیں گے بلکہ آگے بھی پڑھائیں گے......''

''ریحانہ آپا پلیز...... میں اب کچھ نہیں بولوں گی پہلے بھی سب نے اپنی مرضی تھوپی تو اب بھی اپنی کر لیں' مجھے کیا مطلب کہ زندہ رہنا ہے یا دفن ہونا ہے۔'' اس نے یاسیت بھرے لہجے میں چاولوں کی پرات سلیب پہ رکھی۔

''توبہ ہے یہ نانی بھی پتا نہیں سب ان ہی کی کب سے سننے لگے' میں تو بھئی ماموں کے ساتھ ہوں' کیا ہو گیا جو شادی بی اے کے امتحانات سے پہلے ہو گئی' نہ جی زبان کا مسئلہ ہے کیوں پھرے ماموں زبان سے تو اگر یہ منگنی ٹوٹی تو ابا کی زبان کا کیا ہوگا؟'' بڑی آپا نے کچن میں آ کر خاصی بلند سرگوشی کی۔

''ارے اتنا تو اچھا ہے آفاق' مجھ سے فون پہ بات کی۔''

''ارے...... آپ سے کب بات کی آفاق نے؟''

ریحانہ نے حیرانی سے آپا کی طرف دیکھا۔

''میں تو ماموں کے گھر اکثر جاتی رہی ہوں ایک ہی شہر میں رہ کے اب جبکہ دوسرا رشتہ بھی بن رہا ہے تو کیا نہ جاتی' پتا ہے مجھ سے تو آفاق کی بہنیں کہہ رہی تھیں کہ بھائی سے فون پہ بات کریں' سفارش کروں کہ جب شادی کے لیے آئیں تو آفاق بھیا نئے ماڈل کی گاڑی بھی لے لیں' بڑے بھیا کی طرح مت کریں جب دبئی سے آتے ہیں تو رینٹ پہ کار لیے پھرتے ہیں' پلیز آپ کہیں آپ کی مان جائیں گے۔ میں نے کہا تو کہتا ہے نہ باجی کار نہیں لوں گا۔ تین تین بائیکس ہیں گھر میں اور آپ کو نہیں پتا موٹر سائیکل پہ تو دو ہی بندے بیٹھ سکتے ہیں اور کار میں اس پورے ٹبر کو ہر طرف لے جانا پڑے گا...... ارے میں تو جھینپ ہی گئی اب کیا بولتی سمجھ تو گئی تھی۔'' آپا نے لجاتے ہوئے ایسے کہا جیسے ان کے منگیتر کی بات ہو اور جس کے منگیتر کی ہو رہی تھی اس پہ ان جملوں نے خاک اثر کرنا تھا۔

نانی نے خوب لتے لے کر منگنی کا سارا سامان ایک طرح سے ماموں کے منہ پہ دے مارا تھا۔ ماموں نے سامان پہ ایک نظر ڈالی اور چیزوں کو ہاتھ لگائے بغیر رخصت ہو گئے' ان کے جاتے ہی گھر میں موت جیسی خاموشی چھا گئی تھی' تھوڑی دیر کو تو بڑی آپا بھی چپ رہ گئی تھیں۔

ماموں کی طرف دوسرے دن جب منگنی کا سامان بھجوایا گیا تو ان کی طرف سے بھی بسمہ کے گھر کی طرف سے دی گئی چیزیں لوٹا دی گئی تھیں ان میں منگنی کی تصاویر بھی تھیں' بڑی آپا نے دیکھتے ہی واویلا کر دیا ماموں سے بولیں آفاق سے بھی تصاویر واپس منگوا کر دیں۔

''ارے باولی ہو گئی ہے' اس کے پاس کون سی تصویریں ہیں؟'' نانی نے آپا کو گھورا' بسمہ نے چونک کر آپا کو دیکھا۔

''ارے مجھے پتا ہے میرے ساتھ تو وہ فون پہ ہر بات کرتا تھا اسی نے بتایا تھا کہ بسمہ کی بہت سی تصویریں اس نے انلارج کروائی ہیں منگنی والی البم کی' بہت خوش تھا کہہ رہا

تھا میں نے دو تصویریں تو ایسے لگائی ہیں کہ آتے ہی نظر پڑتی ہے تو تصویر پہ اور جاتے ہوئے نظر پڑتی ہے تو بھی تصویر پہ ہی، میں نے اس اینگل سے دیوار پہ فوٹو لگا رکھے ہیں۔"

"اور تم اب بتا رہی ہو ہمیں، چل جمیلہ..... ذرا فون تو ملا کے دے مجھے' میں اخلاق سے بات کروں۔" یوں یہ قضیہ بھی نمٹ گیا ماموں نے تصویریں منگوا کر آپا کو بلوا کے ان کے سامنے جلا دیں۔ آپا نے روتے یہ احوال یوں سنایا جیسے گویا دنیا کا نظام ان تصویروں سے ہی چل رہا تھا۔

دن پر لگا کر اڑ گئے اور بی اے کے امتحانات کے بعد وہ فارغ ہوگئی۔ اس عرصے میں ریحانہ آپا بھی ایک ادھیڑ عمر شخص سے بیاہ دی گئیں۔ ریحانہ کی داستان بھی ایک المیہ ہی تھی بچپن میں ہوئے پیٹ کے آپریشن اور کم تعلیم نے اسے بار بار مسترد شدہ لڑکیوں کی فہرست میں کھڑا کر دیا تھا ثمانہ کی تو سترہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی تھی لیکن ریحانہ کی اچھی بھلی خوب صورتی کو دو معمولی سے نقائص نے گرہن کیا لگایا جو رشتہ آتا بسمہ کا متمنی ہوتا یوں ایک ادھیڑ عمر انجان خاندان کا نام نہاد ہم ذات بندے کا رشتہ ریحانہ کے لیے آیا تو ریحانہ نے اماں کے آگے ہاتھ جوڑ ڈالے جو بھی ہے جیسا بھی ہے مجھے منظور ہے۔ یوں وہ اس بڈھے کی ہمراہ رخصت ہوئی۔

❁.....❁.....❁

دن رات سب اب بسمہ کے لیے ایک جیسے ہو گئے تھے رفتہ رفتہ حالات معمول پہ آ گئے' ایک روز ٹیوشن پڑھنے آنے والی لڑکیوں میں سے ایک نے بسمہ کی تصویر مانگی بسمہ نے تیکھے چتون سے اسے دیکھا۔

"میری تصویر کیوں بھئی؟ میں تم لوگوں کو پڑھاتی ہوں اداکارہ نہیں ہوں جو میری فین ہو آپ لوگ، میں تصویری آٹو گراف دوں تم سب کو۔" بسمہ کو غصہ آ گیا۔

"ارے نہیں آپی..... وہ ہمارے اسکول میں ایک لڑکی ہے شازیہ وہ پوچھ رہی تھی کہ تم لوگ کس سے پڑھتی ہو جو اتنے اچھے سے سب کام کر لیتی ہو ہم نے نام بتایا تو اس نے کہا اپنی ٹیوٹر کی تصویر بھی ہمیں لا کر دکھاؤ۔" رانی نے جھینپتے ہوئے بسمہ کو بتایا۔

"یہ فون نمبر بھی دیا ہے اس نے کہ میرے ساتھ بات بھی کر لیں میں بھی پڑھ لوں گی ان سے اگر وہ چاہیں۔" بسمہ نے چٹ کو حفاظت سے رکھ لیا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت آپا نے جو میکے آئی ہوئی تھیں' بازار جانے کی فرمائش کی تو بسمہ نے صاف انکار کر دیا۔

"توبہ ہے بسمہ..... ریحانہ بھی یہاں نہیں ہے میں تو اتنے عرصے بعد میکے آئی ہوں تمہارا کیا چلا جاتا ہے کہ اگر میرے ساتھ شاپنگ پہ چلی چلو۔"

"پیاری آپو یہ بات نہیں ہے، گرمی بھی تو دیکھیں کس قدر ہے' مجھے گرمی بہت لگتی ہے اور آپ تو دوپٹے میں ہوں گی مجھے تو عبایا لینا ہوتا ہے۔"

"بس اٹھو چلنے کی کرو۔" بادل نخواستہ وہ چل پڑی۔ کاش نہ جاتی راستے میں' اس دشمن جاں مومن کو ایک دوست کے ساتھ سر راہ دیکھ لیا۔

لیکن..... لیکن وہ تو ایک لاپروا نظر اس پہ ڈال کے پاس سے یوں گزر گیا جیسے کہ کبھی جانتا ہی نہ تھا۔ اتنی ٹھنڈ تو جنوری میں نہ تھی جتنی سرد مہری اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی۔

آپا سبزیاں لینے میں مگن تھیں کہ سامنے جوتوں کی دکان سے نکلتی بانو نے اسے پہچان کر گلے لگا لیا اور جلدی جلدی حال چال پوچھتے ساتھ میں اس کے کان میں صور پھونک دیا۔

"تجھے پتا چلے مومن کے کرتوت' میری آپا کے ہمسائیوں کی لڑکی سے میل بنایا ہوا ہے' سولہ سال کی ہے لیکن رنج کے گندے خاندان کی ہے' ملاقاتیں ہو رہی ہیں' بہت رولے بھی پڑ چکے ہیں ان کے یارانے کے....." بانو اور بھی کہتی۔

"چھوڑ یار بانو' میں سب بہت پیچھے چھوڑ آئی آپا کے کان میں کچھ پڑ گیا تو مشکل ہوگی میرے لیے، جانے دے۔" بسمہ نے اس کا ہاتھ چھوڑا کچھ اور سننے کی طاقت نہیں تھی سو آپا کی طرف بڑھ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

آج گھر پہ بسمہ اور اماں ہی تھے' بسمہ نے سردیوں کی

سنہری دھوپ کو پھیلتا دیکھا موسم بدل رہا تھا اس کے اندر کا نہیں باہر کا، جلدی سے اوپر ٹیرس پہ اماں کی اخبار، عینک اور ضروری اشیاء رکھیں اور انہیں اوپر چڑھا کر آرام سے بٹھایا اور خود نیچے کا سارا کام سمیٹنے آگئی۔

"بسمہ ...... تم تھک گئی ہوگی اب بس کرو دن بھر کام، مہمان داری اور رات دیر تک میری مالش کرتی ہو اب سو جا۔"

"نہیں اماں مجھے جب نیند آئے گی تو سو جاؤں گی مجھے ابھی پیپر کی تیاری کرنی ہے سو گئی تو پھر جاگ کر پڑھ نہیں پاؤں گی۔" بسمہ کے ماسٹرز کے لاسٹ سمسٹرز کے امتحانات ہونے والے تھے اور وہ رات کے بجائے سحری میں پڑھتی تھی۔ اماں کو فالج ہوگیا تھا اس کی خدمت نے ان کا دل اس قدر جیت لیا تھا کہ اب وہ صرف اولاد ہی نہیں ان کی عادت ان کی ضرورت بن چکی تھی، اس دوران ان ہی کی ذات کے ایک آرمی آفیسر کا رشتہ بھی اس کے لیے آیا جو اماں کو اس لیے پسند نہیں تھا کہ وہ اپنے سے اونچے لوگوں میں رشتہ دینا نہیں چاہتی تھیں جبکہ ابا کے لیے اس سے موزوں رشتہ تھا ہی نہیں دراصل اماں کا اب بسمہ کو دور کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ خاندان سے آئے رشتے ابا کو قبول نہیں تھے۔

"جانتی ہو بسمہ، مجھے لگتا ہے تم اب شادی نہیں کرو گی۔" اماں کے لہجے میں فکر ہی فکر تھی۔

"بس اماں...... بھائی سے کہیں مجھے بھی لاء یا جاب کرنے دیں۔" بسمہ کو اپنے پیروں پہ کھڑا ہونا تھا کیونکہ اب یہ طے تھا کہ عمر بھر نہیں ملنا تو پھر کسی اور سے بھی کیوں۔

"آج کرتی ہوں تیرے ابا سے بات، جو بھی ہو تیری کوئی ایک بات تو پوری ہو۔"

اس کا دوستوں جیسا بھائی جو کھیل میں صرف بسمہ کو پارٹنر بناتا تھا کچھ بھی باہر سے لاتا صرف بسمہ سے شیئر کرتا تھا اٹکا بھی تو کس بات پہ جاب نہیں کرے گی نہ ہی لاء کرنے دوں گا لیکن اس بار اماں بسمہ کے لیے ڈٹ گئی تھیں، کھانا پینا چھوڑ دیا شوگر لیول لو ہوگیا، ابا نے پھر بسمہ کو جاب کے لیے اپلائی کرنے کی اجازت دے دی صرف اور صرف ایک شرط پر کہ جاب ملنے کے بعد بسمہ کو خاندان کی ایک پرانی رسم پہ عمل کرنا ہوگا۔ اسے عمر بھر کوزہ مصلہ بیٹھنا ہوگا۔

اب وہ کسی بھی اور کی زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی کہ اسے لگتا تھا کہ وہ اب کسی اور کے قابل نہیں، اس کے ہاتھوں کو کسی نے چھوا ہے، کسی اور کے ہونٹوں کا طلسم ابھی ہتھیلی کی پشت پہ باقی ہے تو اب اسے خائن نہیں بننا، بلکہ ابا کی بات پہ سر جھکا دینا تھا شاید یہ کردہ گناہوں کی سیاہی عبادتوں میں ڈھل جائے اب مانگنے کو بھی تو معافی ہی ہے شاید۔ یوں بہت آرام سے اس نے ابا کی شرط مان لی اور جاب کے لیے انٹرویو دے دیا۔

اماں نے ابا کو کہہ دیا دستور کے مطابق بسمہ کے لیے سارے گھر سے الگ تھلگ ایک کمرہ حجرے کی طرح بنوا دیں جو اس کے آبائی گاؤں والے گھر میں ہوتا کہ جب وہ کوزہ مصلہ کی رسم کے لیے بیٹھے تو اسے دقت نہ ہو پردہ اور عبادت میں رخنہ بالکل نہیں پڑے ملازمت کی اجازت بھی اماں نے اس لیے دلوائی تھی کہ معاشی طور پر آخری عمر میں بسمہ کسی کی محتاج نہ ہو ورنہ یہ رسم تو وہ ابھی کر دیتے فخر سے کہ ان کی بیٹی نے حق بخشوا دیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگالی اللہ والی ہوگئی۔

لیکن وہ جو اوپر بیٹھا ہے ناں اس کے اپنے ہی انتظام ہیں ہر ذی روح کے مقدر میں جو لکھ ڈالا وہ کیسے بھی ہو کچھ بھی ہو فیصلوں کے اختیارات تو اس نے اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔ تو کچھ ایسا ہی ہوا۔

❀......❀......❀

ان دنوں ریحانہ کا شوہر ملک سے باہر چلا گیا تو ریحانہ مستقل میکے میں آ کر رہنے لگی، ابا نے اوپر والے پورشن کے دو کمرے اس کو دے دیے بسمہ تو گھن چکر بن چکی تھی، نوکری کے لیے ٹریننگ شروع ہونے کو تھی، اماں تو اب کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھیں، سارے کام بسمہ کے سر تھے، ریحانہ سے تو دو بچے ہی نہیں سنبھلتے تھے بڑی آپا کبھی کبھار ہی آتی تھیں، ان کے بچے اسکول جاتے تھے۔

حسب معمول صبح سب ناشتہ کر رہے تھے کہ اماں کو فون پر اطلاع ملی کہ ان کی بہت قریبی سہیلی کا انتقال ہوگیا ہے

گاؤں کا معاملہ تھا اور نانی کا جانا بھی ضروری تھا سو اماں ابا نانی کو لے کر جلدی سے رخصت ہوئے' گھر ویران تو نہیں تھا کہ پریشانی ہوتی' ریحانہ کے بچوں کے علاوہ بڑی آپا کی بڑی بیٹی اور بھائی بھی گھر پہ ہی تھا۔ روز کے معمولات کی طرح بسمہ نے گھر کو سمیٹا اور کھانا پکانے کا سوچنے لگی بھائی تو کچھ دیر پہلے بائیک لے کر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی اس کے بائیک کی آواز پہ ریحانہ گیٹ کھولنے کے لیے بھاگی اور الٹے پاؤں بھاگتی ہوئی آئی اور اس کو چھوٹی بیٹھک میں دھکیل کر باہر سے کنڈی لگا دی۔ بسمہ کے تو فرشتوں کو بھی نہیں پتا تھا کیا ہوا۔ وہ تو جب اریب نے دروازے پہ لاتیں برسانا شروع کیں تو پتا چلا کہ اس نے مومن کو گلی میں دیکھ لیا ہے اور اب وہ اس بات پہ اصرار کر رہا ہے کہ یہ بسمہ کے لیے ادھر آیا ہوگا۔ بسمہ دہائی دیتی رہی لیکن وہ تو سننا ہی نہیں چاہتا تھا کچھ بھی۔

اپنے کمرے سے پستول اٹھا کے لے آیا تو ریحانہ نے اس سے کہا کہ بیٹھک کے باہر والے دروازے سے نکل جاؤ گھر پہ کوئی بڑا نہیں ہے میں اس کو روک نہیں سکوں گی۔ وہ جب تک پستول لے کر آیا تب تک بسمہ نے ریحانہ کے کہنے پہ قدم گھر سے باہر نکال دیے پاؤں میں گھر کے سلیپر، کام سے فراغت پا کر ابھی تو وہ کپڑے بھی نہیں بدل سکی تھی۔ بدرنگ کپڑے جو چرمرائے ہوئے بھی تھے ان ہی کپڑوں میں وہ باہر آ گئی۔

کہاں جائے' کیسے چھپے سے آگے کا کوئی سوال کہاں آ سکتا تھا اس وقت اس کے دماغ میں پھر اگلے چند لمحوں میں اس نے فیصلہ کر لیا۔

''بسمہ تم.....!'' بڑی ممانی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ اس کو حیرانی سے دیکھ رہی تھیں۔ اماں سے ان کی ناراضی تھی ایسے میں بسمہ کا ان کے گھر تنہا اور ایسی حالت میں آنا ان کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجا گیا تھا' انہوں نے اسے پیار سے گلے لگایا اور اپنے کمرے میں لے گئیں، پانی پلا کر اسے آرام سے سب بتانے کو کہا وہ ہمدردی کے دو بولوں کے بدلے انہیں سب سچ سچ بتاتی چلی گئی۔

اُف.....'' ممانی کے منہ سے ایک طویل آہ برآمد ہوئی۔ ''اریب کب سے اتنا بڑا ہو گیا کہ ایسی حرکتیں کرنے لگا حد ہے اگر کوئی بات کرنی بھی تھی تو بڑوں کے آنے تک انتظار تو کرتا۔'' اتنے میں احد اور چھوٹے دونوں ماموں زاد بھی آ گئے' وہ بھی بسمہ کی اپنے گھر اچانک آمد پہ پریشان تھے جانے کب سب سے چھوٹے والے بھائی فاخر نے ابا سے فون پہ بات کی اور انہیں آگاہ کیا کہ بسمہ ان کے گھر ہے۔

ابا آئے اور چلنے کا اشارہ کیا تو وہ سہمی سہمی سی ان کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔ وہ کیسے دوبارہ اس گھر میں داخل ہوئی جسے چھوڑے ابھی چند گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس دن ابا اماں اور نانی کے ساتھ ہمنوا ہو کر سب اس کے مسئلے کو حل کرنے بیٹھے تھے۔ اماں کے شدید ردعمل کو مامی کی پیش بندی نے روک دیا تھا۔

''جمیلہ وہ گھر سے گئی ضرور تھی لیکن شکر ہے کہ وہ مومن کے گھر نہیں گئی ہمارے گھر آئی۔'' وہ اماں کو یہ سمجھانا چاہ رہی تھیں کہ اس کی نیت میں کھوٹ ہوتا تو وہ سیدھی مومن کے پاس جاتی لیکن اماں کب گہری باتیں سمجھی تھیں وہ ہمیشہ سے جذباتی تھیں اور جلد باز بھی تو مطلب پہ دھیان دیے بغیر بس مامی کی شکر گزار ہوئی جا رہی تھیں یہ سوچے بغیر کہ ان کی بیٹی کے گھر سے نکلے قدم اسے ان کے میکے کی طرف ہی لے کر گئے تھے۔

ان کی تان تو اس وقت اسی بات پہ ٹوٹی کہ بیرون ملک مقیم بھائی سے بات کر کے اسی ہفتے احمد سے نکاح کر دیا جائے' ممانی کو بسمہ ہمیشہ سے پسند تھی مگر ابا کو احمد ہمیشہ سے ناپسند تھا لیکن اب ممانی کی تو من کی مراد پوری ہو رہی تھی وہ بھی اب تو احسان دھر کر' احمد البتہ دوسرے دن اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''تم اس فیصلے سے خوش ہو جو بڑوں نے ہمارے لیے کیا ہے؟'' پہلی بار احمد کے چہرے پہ بھی اس خاندان کے مردوں جیسا چہرہ محسوس ہوا تھا ورنہ تو وہ ایک ہنستا کھیلتا کشادہ ذہن دوستوں کے جیسا کزن رہا تھا ہمیشہ سے۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو اضطرابی انداز میں مسل رہی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں مومن کی بے وفائی کی وجہ سے اسے بھول چکی؟''

''ہونا تو یہی چاہیے تھا لیکن بہرحال یہ دل کا معاملہ ہے' کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' اس نے ترحم بھری نظروں سے بسمہ کو دیکھا۔

''تو جان لو کہ ابتدأ ضرور مومن نے کی ہوگی لیکن میں اس کی انتہا سے بھی گزر چکی ہوں' میری زندگی کا فیصلہ کچھ بھی ہو ایک بات احمد تم یاد رکھنا' تم بہت اچھے ہو مگر ایک دوست ایک کزن کی طرح، جس دن میری زندگی میں قدم رکھو یہ سوچ کے رکھنا کہ میں خالی وجود ہوں میری روح مومن کی ہو چکی ہے۔'' بسمہ کی آنکھیں شدت ضبط سے لال ہوگئی تھیں۔ ریحانہ جو کمرے میں موجود تھی۔ اس طرح خاموش تھی جیسے تماشائی ہو۔

''احمد میں اور تم ایک سمجھوتہ نبھا سکتے ہیں کم از کم میں کسی کی زندگی میں بھی خائن بن کر شامل نہیں ہونا چاہتی تھی اور تمہاری تو ہرگز بھی نہیں میں جب حق بخش رہی ہوں تو.....'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا احمد اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''پھوپو میں پھوپا کو انکار کر رہا ہوں ہو سکے تو بسمہ کی بات پہ یقین کریں مجھے نہیں لگتا وہ قصوروار ہے' جلد بازی میں کچھ غلط نہیں کر دیجیے گا' جو اس کے لیے ہی نہیں کسی اور کے لیے بھی مشکل بن جائے۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں اور اماں یوں رونے لگیں جیسے بسمہ مر چکی ہو۔

مومن کو احمد سے چھوٹے موحد نے سب بتا دیا جو مومن کے نام پہ بسمہ پہ گزری اور مومن تو ویسے بھی اب اس پوزیشن میں آچکا تھا کہ اپنی بات منوا سکے گھر میں مومن کی شادی کی بات ہو رہی تھی۔ مومن نے اسی دن اپنے گھر والوں کو بسمہ کے گھر رشتہ کے لیے بھیج دیا' خلاف توقع گھر والوں نے مومن کے گھر والوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا' ریحانہ حواس باختہ ہو کر اسے اندرونی دروازے پہ لے آئی لیکن بسمہ کا دل خالی تھا۔ چند تند و طنزیہ جملوں کے تبادلے کے بعد ایک قطعی انکار تھا جو کر دیا گیا۔

مومن کی اماں نے رشتہ کی رسمی کارروائی کی تھی لیکن جب انکار ہوا تو وہ بھی اپنے جلال میں بسمہ کو ہی گھسیٹ بیٹھیں۔

''آپ کی بیٹی اور میرے بیٹے کے پیار نے ہمیں آپ کی دہلیز دکھائی ورنہ ہماری بھی ذات الگ ہے۔'' تو اماں کہاں چپ رہنے والی تھیں۔

''پتا نہیں آج کل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے' ذات کی بڑائی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے اور منہ اٹھا کر رشتہ لے آتے ہیں۔''

''معاف کیجیے' ہم تو اپنے بیٹے کے مجبور کرنے پہ چلے آئے.....'' مومن کی امی کے منہ میں بات ادھوری رہ گئی۔

''بہن..... اپنے بیٹے سے پوچھ لو' ہمارے انکار کے بعد اور بھی بہت دوستیاں گانٹھ رکھی ہیں آپ کے بیٹے نے کل کسی اور گھر بھیج دے گا۔'' اماں نے تاک کے شازیہ والے معاملے کا فائدہ اٹھایا۔

بسمہ نے دل پہ ہاتھ رکھا اور چوکھٹ پہ بیٹھتی چلی گئی۔

''ہائے مومن' آج میں تمہاری نہ بھی بن پائی پر آج تمہارے گھر والوں کے آنے کے بعد اپنے آپ کو انمول تو محسوس کرتی کیا کر دیا تم نے؟ مٹھی بھر خوشی کی چاشنی میں بھی زہر جیسی کڑواہٹ بھر دی۔''

''بس ختم کریں اس معاملے کو' بہت ہو چکا، وہ میری بہن ہے' میں اس کو ماردوں' کنوئیں میں پھینکوں یا ٹکڑے کر دوں یہ ہمارا معاملہ ہے آپ اپنے بیٹے کو سمجھائیں۔'' اریب کی آواز ڈرائنگ روم میں گونجی تو مومن کے گھر والے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بسمہ جلدی سے بھاگ کر سیڑھیاں عبور کر گئی۔ حیران تو وہ بھی تھی کہ جو گھر میں ہوا وہ کیسے مومن تک پہنچ گیا۔ کیا اب بھی وہ اس کی ہر خبر رکھتا ہے اگر شازیہ اس کی زندگی میں آچکی تھی تو پھر رشتہ بسمہ کا کیوں؟

پھر بسمہ نے تو ایک چپ کے ساتھ گھر بھر کے کاموں میں خود کو غرق کر لیا لیکن طعنے کوسنے، سب کی آنکھوں کی نفرت ایک طرف اور اریب کی برادرانہ محبت سے دستبرداری ایک طرف، وہ بسمہ سے نہیں سہی جا رہی تھی معاملہ تھا کہ ہر روز لگتا اب تمام ہوا لیکن روز اریب اس کو نیا کر دیتا۔ آج

مومن کو وہاں دیکھا، آج یہاں اور اس دن تو جب اماں کا دل بسمہ کے لیے پگھل رہا تھا اور وہ یخ بستہ موسم میں سارے کاموں کے ساتھ ساتھ صبح سے گھر بھر کے ڈھیروں کپڑوں کو ٹھنڈے پانی سے دھو رہی تھی۔ چہرہ نزلے اور بخار کی حدت سے سرخ ہو رہا تھا تین وقت کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ ایک وقت تو وہ خود ہی نہیں کھا پائی تھی باقی وقت اریب نے منع کر دیا تھا۔

ابھی اماں نے اس کے لیے دل پگھلتا محسوس کیا تھا تو اس کی مرضی اور پسند کی چیزیں دہی بڑے اور گاجر کا حلوہ ٹرے میں سجا کر کمرے میں رکھوایا کہ وہ کھا لے لیکن ممتا بھری اس خوراک کا ایک لقمہ بھی اس کے نصیب میں نہ تھا۔ اریب تن فن کرتا آیا اور جس چوکی پہ بسمہ نے دھلے کپڑے رکھے تھے ان کو زور دار ٹھوکر لگائی تو گدلے پانی میں کپڑے بکھر گئے اماں ہائے ہائے ہی کرتی رہ گئیں۔

"ہاں آپ جائیں واری صدقے حلوے کھلائیں ذلیل تو ہم ہو رہے ہیں آپ کا کیا جا رہا ہے۔" اریب کے منہ میں جو آ رہا تھا وہ بول رہا تھا' اماں نے نظر اٹھا کر بسمہ کی طرف دیکھا۔ سرخ چہرے پہ سرخ آنکھیں ان کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔

"جا بسمہ باقی کام پھر کرنا' پہلے ریحانہ کے بیٹے کو فیڈر پلا۔" بسمہ مشینی انداز میں اٹھی اور ریحانہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی جانتی تھی اماں اسے منظر سے ہٹانا چاہتی ہیں۔

"ذرا حوصلہ رکھا کر لڑکے۔" اماں نے اریب کی پشت پہ پیار سے ہاتھ پھیرا۔

"حوصلہ' ہونہہ اس کا بڑا بھائی آیا تھا ابا کے آفیسرز سے دوستی ہے اس کی اور ان محترم کو بھی دیکھیں کہ ذات ہماری اور ساتھ یاروں کے دے رہا ہے' ابا کو بلوا کے مومن کے بھائی کے ساتھ مفاہمت سے بات طے کرنے کی درخواست کر رہا تھا تو اب ہم اپنے دفتر میں بھی رشتوں کی بات کریں گے۔ ادھر ابا کے دوست اور اس مومن کے بھائی کے دوست بھی تو مشترکہ ہیں ایڈووکیٹ ضمیر کا فون بھی آیا تھا کہ اجازت دیں تو مل کے معاملے کو طے کرتے ہیں۔"

"ہونہہ..... بات چھوڑو مشکل کس طرح حل کرنی ہے' یہ طے کرلو جیسے ریحانہ کی دفعہ مسئلہ رفع دفع کیا تھا اسی طرح معاملہ نبٹا دو۔" اماں نے کہا۔

"اماں اُس معاملے اور اِس میں بہت فرق ہے وہ کمزور لوگ تھے، یہ بہت مضبوط تعلقات والے ہیں۔ چھ بھائی ہیں سب کے تعلقات ہیں اوپر سے سب دلیر بھی ہیں' آپ کو تو پتا ہے ایک گالی پہ مومن اور اس کے بھائیوں نے شہر کے بہت بڑے بدمعاش کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے ان سے دشمنی مہنگی پڑ سکتی ہے اور وہ سب بھائی ہر صورت مومن کی خواہش پوری کرنے کے لیے زور لگا رہے ہیں۔"

"اب ایسا بھی نہیں کہ کوئی زبردستی کر لے گا۔" اماں کے لہجے میں تفاخر سا تھا۔

"جی آپ تو یہی کہتی رہنا ہمیں تو اپنی جان کے لالے پڑے ہیں' اس کو ٹھکانے لگائیں۔" اریب کے انداز میں بسمہ کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔

"اچھا چل تیرے ابا آلیں تو بات کرتے ہیں' ابھی نیچے چل سردی بڑھ رہی ہے۔" آوازیں دور ہوتے ہی بسمہ نے کمرے سے نکل کر صحن میں بکھرے کپڑوں کی دھلائی کر کے چھت پہ پھیلایا اور صحن کو دھو کر سکھانے لگی کمرے میں ممتا کی بھیگی ٹرے اب بھی جوں کی توں پڑی تھی گیلے کپڑوں میں بسمہ کو سردی لگ رہی تھی لیکن اس وقت پورشن میں کوئی نہیں تھا جس کو کہتی کہ کپڑے نیچے اس کے کمرے سے لا دے۔ وہ انتظار میں تھی ریحانہ اوپر آئے تو وہ اس سے کپڑے منگوا کر بدل لے ریحانہ اوپر آئی تو سہی لیکن ابا، اماں اور اریب کی شرط کا پیغام لے کر جس کو سن کر اس کے اندر بھانبڑ جل اٹھے کپڑے سوکھے نہ جلے پر وہ جل مری۔ ایک باپ کا ایک بھائی کا پیغام تھا۔

"اس کے لیے، دو ہی راستے ہیں تمہارے پاس یا تو ہمیں ہتک عزت کا کیس کرنے دو اور عدالت میں یہ بیان حلفی دو کہ مومن کے پاس تمہاری کچھ ایسی چیزیں ہیں جو اس نے بلیک میل کرنے کے لیے بنائی تھیں اس وقت جب تم

اس کے ساتھ ملتی تھیں یا پھر اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤ ہم کہہ دیں گے بھاگ گئی لیکن اب کہ کسی رشتے دار کے گھر مت جانا تیسری کوئی امید مت لگانا۔" ریحانہ نے بھی سفاک لہجے میں کہہ کر منہ پھیر لیا۔

"ریحانہ ایک بار اماں کو بلوا دو۔" بسمہ کے لہجے میں ہارے ہوئے جواری کی سی شکستگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اماں کے قدموں میں تھی۔

"اماں..... پلیز اماں..... ابا کو کہیں کہ کوئی ایک راستہ بھی میری عزت کو سنبھالنے والا نہیں ہے دونوں فیصلے میری عزت کی چادر کو داغ دار کردیں گے مار دیں پر یہ نہ کریں تیسری راہ ہے تو مار دیں مجھے..... قصہ ختم۔"

"بسمہ جو کبھی مرغی ذبح نہیں کرتے وہ تجھے مار دیں انہیں تو اپنی جان کا خوف جینے نہیں دے رہا میں مرد ہوتی تو تجھے مار دیتی پر میں ماں ہوں۔"

"تو مار دو ناں اماں۔" وہ بلکتے ہوئے ماں کے پیروں پہ لوٹ پوٹ ہوگئی لیکن اریب اماں کو کھینچ کر باہر لے آیا۔

"بسمہ دونوں میں سے کوئی ایک فیصلہ کل صبح سے پہلے کرلے تیسرا سوچنا بھی مت۔" بسمہ کے لیے گیٹ کھول دیا گیا تھا اس نے مڑ کر اندرونی دروازے کی سمت دیکھا۔ سامنے کچن کے پاس کرسیوں پہ ابا اور اریب بیٹھے تھے۔ اس نے معافی کے لیے ہاتھ جوڑے لیکن ابا نے منہ موڑ لیا تو اریب نے ریحانہ سے کہا۔

"جب یہ دفع ہو جائے تو گیٹ پہ تالا ڈال دینا' دیکھتا ہوں کون رکھتا ہے۔" وہ بے جان قدموں سے دہلیز پار کر گئی۔ ریحانہ نے ہلکی سی آواز میں اسے کہا۔

"مجھے معاف کرنا بددعا مت دینا۔" لیکن اس نے مڑ مڑ کر دیکھنا ابھی سے چھوڑ دیا تھا۔

مومن کے گھر کے سامنے جا کر وہ سارے حوصلے ہار چکی تھی' لیکن سب ایک جیسے نہیں ہوتے' جو چادر اس کے بھائی نے اس کے سر سے کھینچی تھی وہ مومن کی جائے نماز پہ بیٹھی ماں نے اس کے سر پہ تان دی' بھائیوں نے سر پہ ہاتھ رکھا اور مومن کے والد کی ایماء پر ایک بار پھر ابا کو فون کیا کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہمارے بیٹے کی طرف سے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا رات کی خاموشی میں بیٹی آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ چاہیں تو خاموشی سے نکاح کر کے ہمیں دے دیں چاہیں تو عزت سے واپس رکھ لیں لیکن ابا کے متکبر لہجے نے انہیں حیران کر دیا کہ وہ ہمارے لیے مر چکی ہے۔

وہ بسمہ جو کل تک مر چکی تھی صرف اریب کی انا اور انتقام کی قربان گاہ پہ ماردی گئی' بسمہ اگلے دن مومن کی منکوحہ تھی دھوم دھام سے مومن کے گھر والوں نے بیٹے کا ولیمہ کیا' آج بسمہ دو بچوں کی ماں تھی..... لیکن آج جب مومن اس کا دم بھرتا ہے اس کے پھول سے بچوں کو دیکھ کر لوگ رشک کرتے ہیں اس کی سسرال اس کی عزت کرتی ہے بس چند سوال ہیں جو اسے تنگ کرتے ہیں۔

اسے یہ سوال پریشان کرتا ہے کہ وہ دنیا کو کیسے بتائے کہ وہ رات کے اندھیرے میں مال لوٹ کر عزت نیلام کر کے نہیں آئی بلکہ خود ہاتھ خالی کر کے نکالی گئی وہ باپ اور بھائی جو غیرت کے نام پر قتل کرتے ہیں کیا وہ زیادہ ظالم ہوتے ہیں یا وہ جو خود اپنے مفادات کی آڑ میں گھر سے نکال دیتے ہیں۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو تمہیں نظر آتا ہے وہ نظر کا دھوکا ہوتا ہے' ہر بار گھر سے قدم باہر نکالنے والی لڑکی مجرم نہیں ہوتی' کچھ کے پیچھے شاید مجبوریاں بھی ہوتی ہیں اور کچھ کے گھر والے بسمہ کے گھر والوں کے جیسے بھی ہوتے ہیں' ظلم کر کے بھی مظلوم بن کر ہم دردی سمیٹنے والے۔

سبق

حیاء بخاری

''منے اور گڑیا کی کلر پنسلز لانا مت بھولیے گا۔'' انیلا سامان کی لسٹ سرمد کو تھماتے ہوئے بولی۔

''اور ہاں جو ہر کسی کی قسم پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتے ہیں ناں' آج مت کیجیے گا ورنہ میں کوئی رعایت نہیں کروں گی۔''

''اب مجھے کیا پتہ قسم جھوٹی ہے کہ سچی' میرے لیے تو قسم اہم ہے' آگے ان کی اپنی نیت۔'' سرمد چشمے کے پیچھے سے جھانکتے ہوئے بولے۔

''ہاں مگر آپ کی سادگی بھگتنی تو مجھے پڑتی ہے ناں' ایک تو سستا سامان لے آتے ہیں امپورٹڈ سمجھ کر اور وہ بھی اتنی مہنگا کہ سارا بجٹ آؤٹ ہو جائے۔''

''تو خود لے آیا کرو بھئی' میں نے تمہیں کب منع کیا ہے؟''

''آپ تو منع نہیں کرتے سرمد مگر طبیعت خراب ہے کہیں چکر آ گئے تو؟''

''تو ایک دو دن ٹھہر کر لے آؤ۔''

''یہ سامان ضروری ہے تب ہی آپ کو زحمت دے رہی ہوں۔'' وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

''اچھا بابا..... ناراض نہ ہو' میں پوری کوشش کروں گا کہ اس بار تمہارے معیار کے مطابق اور بجٹ کے اندر ہی سامان لے آؤں۔''

''گڈ یہ ہوئی ناں بات..... سرمد میں بھول گئی کرن کے لیے بلیک کلر سینڈل بھی لینی ہے۔''

''ایسا نہ ہو غلط ہو جائیں۔''

''ڈونٹ وری۔'' وہ کہہ پھر سے اخبار میں گم ہو گیا۔

''نہیں ڈونٹ وری نہیں چاہیے مجھے' سب سامان صحیح چاہیے۔''

''امی میرا اسکارف بھی لینا ہے ٹیچر کہتی ہیں کہ اب تم بڑی ہو گئی ہو اسکارف لیا کرو۔'' گڑیا نے ٹی وی دیکھتے ہوئے دہائی دی۔

''ہاں بالکل ٹھیک کہتی ہیں تمہاری ٹیچر بیٹا۔'' سرمد نے کہا۔

''ہاں ضرور یاد سے اسکارف بھی لائیے گا۔''

''بھئی تم نے لسٹ میں لکھ دیا ہے نہ سب کچھ بس اب بے فکر ہو جاؤ۔''

''یہ سب نہیں لکھا بھول گئی ہوں' تب ہی تو زبانی یاد کروا رہی ہوں۔''

''لو جب تم بھول گئی ہو تو مجھے کہاں یاد رہے گا' یاد سے سب کچھ لسٹ میں لکھ دو تاکہ میں بازار کے لیے جاؤں۔'' انہوں نے لسٹ واپس پکڑتے ہوئے کہا۔

''آپ بھی ناں.....''

''یہ لیں۔'' وہ تھوڑی دیر میں لسٹ لیے واپس آئی۔

''ٹھیک ہے پھر میں جاتا ہوں' اللہ حافظ۔'' ابھی اس نے دروازے کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ انہیں پیچھے سے انیلا کی پکار سنائی دی۔

''اب کیا ہے بھئی۔'' وہ چڑ ہی گئے۔

''وہ میں بھول گئی کرن کے لیے ایک موبائل بھی لا دیں جوان لڑکی ہے کالج آتے جاتے کبھی دیر سویر ہو جاتی ہے تو یونہی دل ہولتا رہتا ہے' فون سے انسان کم از کم رابطے میں تو رہتا ہے۔''

''یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے انیلا' اس کی دوستیں ہوتی ہیں ساتھ میں' جاتے وقت میں ساتھ رہتا ہوں۔''

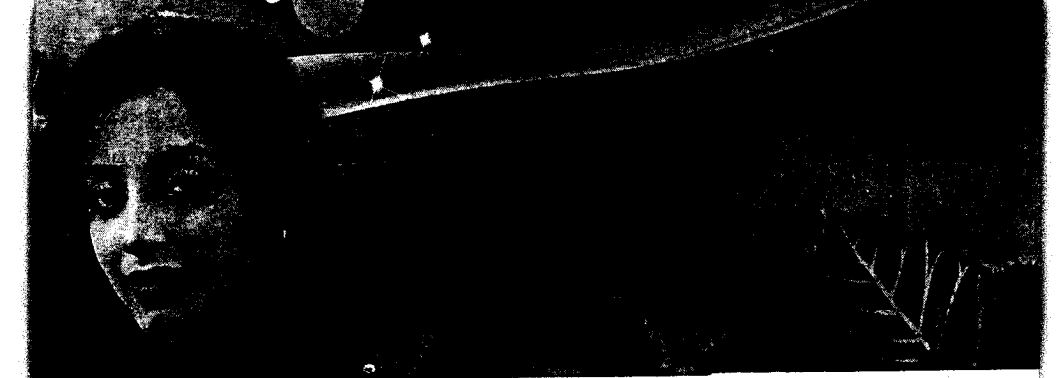

''وہ اصل میں اس کی ساری دوستوں کے پاس ہے تو.....''

''اوہ.....تو یہ بات ہے آپ کی مرضی جیسے آپ کہیں' مگر میں اس کے خلاف ہوں' بچیوں کے لیے موبائل فون مجھے تو اخلاقی موت نظر آتی ہے۔''

''ارے یہ کیا بات ہوئی' میرے پاس بھی تو ہے۔''

''تمہاری بات اور ہے' تم شادی شدہ' سمجھ دار ہو' مگر وہ نادان ہے۔''

''وہ بھلا کس کو دے گی نمبر میرے پاس ہوگا آپ کے پاس اور شاید چند دوستوں کو دے بس۔''

''رانگ کالز بھی تو آجاتی ہیں اور یہ رانگ نمبر کبھی کبھی بڑی تباہی لے کر آتے ہیں۔'' سرمد مطمئن نہ تھے۔

''آپ بھی ناں آپ نے تو بحث شروع کردی۔'' انیلا نے منہ بنایا۔

''اوکے.....میں لیتا آؤں گا۔'' انہوں نے ہار مان لی تھی۔

❁.....❁.....❁

سرمد دفتر میں تھے اور بچے اسکول کالج' انیلا کام کاج سے فارغ ہوکر اپنے پسندیدہ چینل پر نشر مکرر ڈرامے دیکھنے میں مصروف تھی۔ جب موبائل فون کی بیل بجی اس نے یونہی ایک نگاہ موبائل اسکرین پر ڈالی' نیا نمبر تھا۔ اس سے پہلے وہ کال ریسیو کرتی کہ فون بند ہوگیا۔

''کوئی اپنا نہ ہو' غلطی کردی۔ جلدی پک کرنا چاہیے تھا۔'' اسے تاسف نے آگھیرا۔ تب ہی بیل دوبارہ بجی اس نے تیزی سے کال پک کی۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف خاموشی تھی۔

''جی کون بات کررہا ہے' کس سے بات کرنی ہے آپ کو۔''

''میں زین بات کررہا ہوں' مجھے تو قیر سے بات کرنی ہے کیا وہ گھر پر ہے۔'' بھاری لہجہ اسے سخت متاثر کرگیا۔

''جی سوری رانگ نمبر۔'' اس نے کہا اور دوسری طرف سے خود ہی کال ڈس کنکٹ کردی گئی۔

''کتنا شریف انسان تھا' ورنہ تو مرد حضرات مرتے دم تک پیچھا نہیں چھوڑتے..... یا شاید تعلیم یافتہ تھا' ہاں لوگ اب تعلیم یافتہ ہورہے ہیں' بھلا کون عقل مند اپنا ٹائم ضائع کرے گا ایسے کاموں میں۔'' اس نے نمبر ڈیلیٹ کیے بنا ہی موبائل سائیڈ پر رکھ دیا اور دوبارہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہوگئی۔

❁.....❁.....❁

اس کی پھوپی زاد بہن کی شادی تھی' لڑکی والوں کا خاندان چونکہ بہت بڑا تھا' تو ساری رات رسمیں اور بلہ گلہ ہوتا رہتا' وہ لوگ تین دن سے کراچی میں تھے اور ابھی انہیں مزید ایک ہفتہ رہنا تھا مگر اسے یہ ایک ہفتہ وبال جان لگ رہا تھا۔ وہ سرمد اور گھر کو بہت مس کررہی تھی۔ بچے البتہ بہت خوش تھے۔ رات کے تقریباً دو بج

رہے تھے' سب لوگ ہلہ گلہ کررہے تھے لیکن اسے نیند آرہی تھی' بچوں کو جلدی آنے کی تائید کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

وہ چینج کرکے آئی تو موبائل کی اسکرین روشن تھی۔ اس نے فون سائلنٹ پر رکھا تھا' وہ حیران ہوئی' سرمد اس وقت' مگر اسکرین پر انجان نمبر تھا نمبر دیکھتے ہی وہ مایوس ہوئی سرمد کی عادت اسے بے حد بری لگتی تھی کبھی بھی اسے ضرورت کے علاوہ فون کرنا گناہ سمجھتے تھے ٹائم دیکھ کر حال احوال پوچھتے اور فون بند۔ وہ بے قراریوں کے اظہار کے لیے ترستی تھی۔ کال بند ہونے کے بعد فون بارہ بجنے لگا تھا اس نے فون اٹھایا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔

''ہیلو.....'' دوسری طرف بدستور خاموشی تھی۔

''کون ہے بھئی بات کرو۔'' وہ چڑتے ہوئے بولی' بدستور وہی سناٹا۔ چند لمحوں بعد وہ فون بند کرنے کا سوچ رہی تھی کہ گمبھیر آواز اسے متوجہ کرگئی۔

''پورے چار ماہ دن رات انتظار کیا' ہر پل ہر گھڑی بار بار اسی نمبر کو تکتا رہا کہ شاید آپ کی آواز ایک بار پھر سننے کو مل جائے شاید آپ مجھے کال کرلیں۔'' وہ جیسے مدہوش سا بول رہا تھا۔

''لیکن حسن ہو حیاء نہ ہو' ادا نہ ہو بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔'' وہ اس کی آواز پہچان گئی تھی۔ کیوں' وہ شاید خود بھی نہ جانتی تھی۔

''آپ کو شاید یاد بھی نہ ہو' میں نے ایک مرتبہ کال کی تھی' مگر آپ نے رانگ نمبر کہہ کر بند کردیا تھا۔ یقین جانیں اس دن سے دل پچھتا رہا ہے کہ رانگ نمبر کو رائٹ نمبر کیوں نہ بنا سکا۔'' وہ خاموش رہی' نجانے کیوں وہ اسے سننا چاہتی تھی یا شاید اپنی تعریف سننا چاہتی تھی۔

''میں نے چار ماہ تک خود کو سمجھایا' دل نادان کو بار بار سرزنش کرتا رہا مگر دل' دل تو پاگل ہے ناں۔'' وہ مسکرا رہا تھا شاید۔

''کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟'' وہ خاموش رہی۔

''اوکے میں آپ کو ناراض نہیں کروں گا' آئی ایم سوری..... میں اب آپ کو کبھی بھی کال نہیں کروں گا۔'' اس نے کال بند کردی تھی۔

انیلا نے ٹھنڈی سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور آنکھیں موند گئی۔ آج نیند میں بھی اس کے لب مسکراتے رہے تھے۔

❁.....❁.....❁

''انیلا تم نے کرن کو موبائل لے کر دیا ہے کیا؟'' بھابی نے پوچھا تو وہ چونکی۔

''مجھے اقرأ نے بتایا تھا میں تو نہیں مان سکتی۔'' اس کی بھابی بھی شادی پر آئی تھیں۔ انہیں موبائل کا پتہ چلا تو فوراً انیلا کے پاس چلی آئیں پتہ کرنے۔

''حالات ہی کچھ ایسے ہوگئے ہیں' نا چاہتے ہوئے بھی دلانا پڑا۔'' اس نے بات بنائی۔

''بھئی حالات تو موبائل فونز نے ہی خراب کئے ہیں' ورنہ جب بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا جب یہ فون نہیں تھا۔'' وہ منہ بنا گئیں۔ ''اور پھر آج کل تو ہر کوئی اس کی تباہ کاریوں سے پریشان ہے' بنے بنائے گھر ٹوٹ جاتے ہیں اور کرن تو ابھی بچی ہے۔''

''بھابی بہت سمجھ دار ہیں کرن' ورنہ میں تھوڑی نہ اسے لے کر دیتی۔''

''پھر بھی انیلا میں تو کہوں گی سوچ لو عورت چاہے شادی شدہ ہو یا پھر ان چھوئی کلی کی طرح معصوم اسے بھٹکتے دیر نہیں لگتی' میں تو مشورہ دوں گی کہ کرن کی جان چھڑوا دو اس مصیبت سے' ماں باپ کے پاس ہے کافی ہے بس۔'' انہوں نے تو بات ہی ختم کردی۔ انیلہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

کل رات کو بھی اس نے واقعی فون نہیں کیا تھا ابھی کچھ دیر پہلے اس نے خود سرمد کو فون کیا تھا خیر خیریت معلوم کی انہوں نے اسے آرام سے رہنے اور اپنی طرف سے بے فکر ہوجانے کی ہدایت کی نہ کسی بے قراری کا تذکرہ نہ انتظار کا اظہار کیا تھا ان کے لہجے میں عجیب سا بوجھل پن تھا جیسے اپنے سر سے بوجھ اتار رہے ہوں۔ آخر میں بچوں کا پوچھ کر فون بند کردیا تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

وہ خود اپنی اس حالت پر حیران تھی یہ سب پہلے تو اسے کبھی بھی محسوس نہیں ہوا مگر پتہ نہیں کیوں دل میں اب ایک کسک جاگ اٹھی تھی جب کہ بچے بڑے ہورہے تھے اس کی ذمہ داریاں بھی بڑھ چکی تھیں تو پھر سوچیں نجانے کیوں اس کے دل و دماغ پر دستک دے رہی تھیں۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے موبائل اسکرین کی طرف دیکھا جہاں خاموشی تھی۔ اس نے بٹن پش کیا اندھیرے میں موبائل کی اسکرین روشن ہوگئی اس نے دو روز پہلے کا کال لاگ کھولا اور بٹن دباتی گئی حتی کہ اس کا مطلوبہ نمبر اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''دوستی کر لینے میں کیا حرج ہے ویسے بھی شریف انسان ہے ورنہ اتنا عرصہ کافی تنگ کرسکتا تھا۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''مگر یہ کام غلط ہے ایک انجان سے دوستی وہ بھی مرد سے سب سے چھپ چھپا کر کیا گیا کام ہمیشہ غلط ہوتا ہے۔'' دماغ نے ٹوکا تو دل تڑپ اٹھا۔

''تعلق تو بنانے سے بنتا ہے پھر میں تو شادی شدہ ہوں مجھے بھلا اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت؟''

''شادی شدہ کیا عورت نہیں ہوتی عورت کو ہر قدم سوچ کر اٹھانا چاہیے۔'' دماغ بضد تھا۔

''یہی تو اصل بات ہے کیا شادی شدہ عورت کے جذبات نہیں ہوتے کہ اسے سراہا جائے اس کی خوب

AANCHALPK.COM
تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے
آج ہی قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں
ماہنامہ آنچل کراچی
ملک کی مشہور معروف قلمکاروں کے سلسلے وار ناول ناولٹ اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریدہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں ہے جو آپ کی آسودگی کا باعث ہوسکتا ہے اور وہ ہے اور صرف آنچل۔ آج ہی اپنی کاپی بک کرالیں۔
اکائی
عشنا کوثر سردار کا ایک لازاول ناول ایک پڑھے لکھے گھرانے کا احوال جو لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف تھا
جنون سے عشق تک
ضدو انا سے گندھی عشق کی ایک لازاول داستان سمیرا شریف طور کا مدتوں یاد رہ جانے والا دلکش ناول
تیری زلف کے سر ہونے تک
خاندانی اختلاف کے پس منظر میں لکھا گیا اقراء صغیر احمد کا بہترین ناول جو آپ کی سوچ کو ایک نیا رخ دیگا
AANCHALNOVEL.COM
پرچہ نہ ملنے کی صورت میں رجوع کریں (03008264242)

صورتی کو سراہا جائے' وہ بھی کسی کے دل کی حکمران ہو' کسی کے شب و ہجر کی بے قراریاں وابستہ ہوں اس سے۔'' دل مظلوم بن گیا لیکن پھر بھی' دماغ نے بحث کرنی چاہی۔

''صرف دوستی ہی تو ہے۔'' دل نے گویا بات ہی ختم کردی تھی۔

''مجھے دوستی منظور ہے۔'' اس نے تیزی سے ٹائپ کر کے انجان نمبر پر میسج بھیج دیا۔ چند سیکنڈز بعد ہی اس کی کال آنا شروع ہوگئی' اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلی آئی۔ سب ہی باہر لان میں شور شرابا کررہے تھے۔ سب ہی مصروف تھے' صرف وہ اکیلی تھی پھر بھی وہ کال اٹینڈ نہ کرپائی۔ وہ کھڑکی سے ہٹ کر واپس بیڈ پر آ بیٹھی۔ اس کی ہتھیلیاں تک پسینے میں بھیگ گئی تھیں اور ہاتھوں میں پکڑا چھوٹا سا موبائل بھی تر ہوگیا تھا۔ تب ہی میسج ٹون بجی۔ اس نے اوپن کا بٹن دبایا۔ معصوم چہرے اور مسکراہٹ کے ساتھ۔

''بھلا یہ کیسی دوستی ہوئی ہم سے۔''

''ابھی نہیں اس نے مختصر لکھا۔''

''بات نہیں کرسکتیں تو پیغام سے ہی کام چلالیں' کچھ تو ہمارا بھی حال اچھا ہو اتنے مہینے ستایا ہے آپ کی آواز نے۔'' اس کے لہجے میں بے قراریاں تھیں۔ اس کے دل پر اوس پڑی' ٹھنڈی پھواروں کے جیسی سکون دیتی اوس۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''احمر۔'' کھٹ سے جواب حاضر تھا۔

''میرا نام نہیں پوچھیں گے۔'' سوال لکھا۔

''نہیں' میں نے آپ کا جو نام رکھا ہے مجھے وہی پسند ہے۔'' جواب آیا تو وہ کھلکھلا کر ہنسدی' شاید کئی سالوں بعد مدھر سی ہنسی۔ جیسے گاؤں کی پاکیزہ صبح میں بلبلوں کے میٹھے گیت یا دور دراز سے آتی گھنٹیوں کی آوازیں۔

''قدرت نے آپ کو کتنی پیاری آواز سے نوازا ہے' سچ میں تو سنگِ خیال میں آپ کا سراپا تراشتے تراشتے تھک چکا ہوں' کوئی تصویر آپ کے ہم پلہ ہی نہیں لگتی۔'' اس کا شاعرانہ طرز تخاطب اس کا دل دھڑکا رہا تھا۔

''ویسے آپ نے نام نہیں بتایا۔'' انیلہ نے پوچھا۔

''بتایا تو ہے احمر۔''

''نہیں میرا نام جو آپ نے مجھے دیا ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''دل۔'' پیغام آیا۔

''یہ کیا نام ہوا' دل بھی کسی کا نام ہوسکتا ہے بھلا؟'' وہ حیران ہوئی۔

''کیوں نہیں..... دل آویز' دل نشیں' ہزاروں نام ہوں گے.....

مگر میں نے تو آپ کا نام دل ہی رکھا ہے' دھڑکنوں کو قرار بس اس نام سے مل جاتا ہے۔''

''مجھے نیند آرہی ہے۔'' اس نے دھڑکتے دل سے اجازت چاہی۔ اسے لگا اگر وہ مزید بات کرے گی تو اس کا دل بند ہوجائے گا۔

''او کے گڈ نائٹ۔'' اس نے موبائل سائیڈ پر رکھا تو دوبارہ میسج ٹون بجی' اس نے اوپن کا بٹن دبایا۔

''ارے ہاں..... اپنا خیال رکھنا میرے لیے..... او کے۔'' بڑی ہی پیاری اسمائل کے ساتھ میسج پڑھ کر وہ مزید بے قرار ہوگئی تھی۔ بے اختیار اسے سرمد کا خیال آیا۔ سرمد کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ''اپنا خیال رکھنا۔'' اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

❁.....❁.....❁

احمر اور اس کی دوستی کو چھ ماہ گزر چکے تھے' پہلے پہل وہ ٹیکسٹ کے ذریعے ہی بات کرتی تھی' مگر رفتہ رفتہ جب سرمد آفس' بچے اسکول اور کالج چلے جاتے تو وہ باقی کاموں سے فارغ ہوکر اسے کال کردیتی' آہستہ آہستہ

ٹیکسٹ پر بات ختم ہوتی گئی اور کال پر بات کرنا شروع کردی' احمر کا مزاج اسے بہت پسند تھا' وہ بے حد سلجھا ہوا آدمی تھا' اس کے خیال میں وہ اسے تنگ کرسکتا تھا مگر وہ ہمیشہ صبح کے وقت ہی اسے کال کرتا' بچوں کے کالج' اسکول سے واپسی کے بعد ہرگز کال نہیں کرتا تھا۔ اتوار اور بچوں کے چھٹی کے دن بھی تنگ نہیں کرتا تھا۔

آج بدھ کا دن تھا۔ کرن چھٹی کی وجہ سے گھر پر تھی طبیعت خراب کے پیش نظر اس نے چھٹی کرلی تھی۔ انیلا کام نمٹا کر نہانے چلی گئی۔ کرن لاؤنج میں ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ تب ہی انیلا کا موبائل بجا۔ کرن نے اسکرین دیکھی۔ نمبر چمک رہا تھا۔ اس نے کال پک کی۔

''ہیلو انیلہ۔'' دوسری طرف اجنبی لہجہ تھا' لیکن آواز میں اپنائیت تھی۔

''مما نہا رہی ہیں۔ آپ پلیز کچھ دیر بعد فون کرلیں۔'' اس نے آرام سے کہہ کر فون بند کردیا اور دوبارہ ٹی وی دیکھنے لگی۔ انیلا باہر آئی تو کرن نے کال کا بتا کر فون اسے تھمادیا۔ وہ خود ہی کال ملانے لگی۔

''کہاں تھی۔'' دوسری طرف بے چینی تھی۔ وہ مسکرادی۔

''نہا رہی تھی۔'' مسکراتے ہوئے بولی۔

''کاش کہ میں بھی اس وقت تمہاری بھیگی زلفوں سے جھڑتی شبنم کا دیدار کرپاتا۔'' اس کے حسرت بھرے لہجے پر انیلا نے بے اختیار ہی نگاہ سامنے آئینے میں نظر آتے اپنے سراپے پر ڈالی۔ وہ واقعی خوب صورت لگ رہی تھی۔

''تم بھی ناں۔'' وہ کھل کے مسکرادی۔

''اچھا سنو..... یہ ابھی فون کس نے اٹھایا تھا۔'' اس نے سادہ لہجے میں پوچھا۔

''بیٹی ہے میری تمہیں بتایا تو تھا۔'' وہ بالوں کی ایک گیلی لٹ انگلی پر لپیٹتے ہوئے بولی۔

''اوہ..... آئی سی..... مطلب بچی تھی' ہا..... ہا..... ہا۔'' عجیب سا لہجہ' شیطانی ہنسی' انیلہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

''قسم سے آواز تو بالکل تمہاری جیسی چرائی ہے اور کیوں نہ ہو' پھول سے جڑی کلی اس کا ہی تو بدل ہوتی ہے' سچ میں تو کتنے لمحے کھویا سا رہ گیا تھا' یوں لگا جیسے چاروں جانب روشنی بکھری گئی۔'' اور انیلا کو اپنے چاروں طرف اندھیرا پھیلتا محسوس ہوا تھا' جسے وہ روشنی کی کرن سمجھی تھی وہ اصل میں جہنم اور ہوس کی آگ کا شعلہ تھا۔ جواب اس کے بعد اس کی بیٹی کی طرف لپکنے لگا تھا۔ وہ نہ صرف خود گناہ گار ہوئی بلکہ اپنی بیٹی کی بھی' نجانے کیسے اس نے کال بند کی اور پھوٹ پھوٹ کر رودی تھی۔ فون دوبارہ بجنے لگا تو اس نے سختی سے آنکھیں رگڑیں اور کال پک کی۔

''کمینے..... خبردار جواب تم نے مجھ سے رابطہ رکھنے کی کوشش بھی کی۔'' وہ چیخ اٹھی۔

''ارے آنٹی تو بھڑک اٹھیں۔ تم سے بات کرنے کو تڑپ بھی کون رہا ہے۔ گھر کے کام کرو بھئی' بس ذرا فون اس 'بچی' کو تھمادو۔'' غلیظ زبان میں کہتا وہ اسے مزید طیش دلا گیا۔ اس نے موبائل دیوار پر دے مارا۔ وہ ٹوٹ کے وہیں بکھر گیا تھا۔ وہ روتے ہوئے چیخنے لگی' کرن بھاگی آئی لیکن جو سبق اسے ملا تھا وہ ہرگز اسے اپنی بیٹی کے سامنے دہرا نہ سکتی تھی البتہ اپنی اور بیٹی کی عصمت کی آبرو کی حفاظت کا سبق اسے بہت اچھی طرح ازبر ہوگیا تھا۔

متاعِ درد

بشریٰ سیال

بے کراں سمندر' چاروں جانب سناٹا' وحشت انگیز خاموشی اور لامحدود سمندر کی طرح پھیلی تنہائی..... نہ جانے کتنی دیر سے وہاں کھڑی وہ حدِ نگاہ تک پھیلے سمندر کو گھور رہی تھی۔ سمندر کی لہریں بڑھ بڑھ کر اس کے قدموں کو چومتیں تو خوف کی ایک لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کر جاتی' بالآخر ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور فیصلہ ہو گیا تھا۔

"مجھے زندہ نہیں رہنا۔" وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی' سمندر کی سرکش اور بے رحم موجیں اسے نگلنے کو بے تاب تھیں' پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا تھا۔ پانی اسے آگے کو دھکیلنے لگا' اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا ساتھ ہی توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہیں آپ؟" قریب تھا کہ وہ گر پڑتی کہ اچانک کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے کھینچ لیا تھا' اس کا سر بری طرح اُس کے سینے سے ٹکرایا اور خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھ گئی تھی۔

"اس قدر بیزار ہیں زندگی سے تو مرنے کے ہزار طریقے ہیں' اتنی بھیانک موت کیوں؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ساحل پر لے آیا۔ وہ ساحل کی گیلی ریت پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی اور سر گھٹنوں پر رکھ کر چہرہ چھپا لیا تھا۔

"میں مرنا چاہتی ہوں' مجھے زندہ نہیں رہنا' جیسی زندگی میں جی رہی ہوں اس سے موت بہت بہتر ہے پھر اگر مرنا ہی ہے تو کیا فرق پڑتا ہے کہ موت کیسی ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"مرنا اتنا آسان نہیں۔" وہ پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"جب جینا مشکل ہو جائے تو مرنا آسان ہی لگتا ہے۔" اس نے سر اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' اس کی آنکھوں میں درد کا ایک جہان نظر آیا تھا۔

"آپ کو پتا ہے' سمندر کا پانی آپ کی ناک اور منہ کے راستے تیزی سے پیٹ میں داخل ہو جاتا پھر آپ سانس لینا چاہتیں مگر آپ کو سانس نہیں آتا' آپ ہاتھ پاؤں مارتیں' بچاؤ کے لیے دعائیں کرتیں..... مگر شاید آپ کی لاش بھی یہ بے رحم سمندر نگل جاتا۔" اس نے اسے اقدام کی سنگینی اور خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔

"میرے ساتھ ایسا بہت عرصے سے ہو رہا ہے..... سانس لینا چاہتی ہوں مگر سانس نہیں آتا' ہاتھ پاؤں مار رہی ہوں مگر زمین میرے پیروں سے نکل جاتی ہے' ایسا لگتا ہے نہ جانے کب سے خلاؤں میں چکر کاٹ رہی ہوں' مجھے اب کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ٹھہریں....." مہشم خان نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ "میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔" وہ اسے ساتھ لیے واپس مڑا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ' مجھے مر جانے دیں' میں زندہ نہیں رہنا چاہتی اب۔" اپنا ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

"بیٹھیں یہاں۔" اسے ساتھ لے کر وہ اپنی گاڑی تک آیا اور فرنٹ ڈور کھول کر اسے اندر دھکیلا کر دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"گھر کا ایڈریس بتائیں۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ جھلا کر بولا۔

"نہیں بتاؤں گی۔" وہ اپنی کلائی سہلاتے ہوئے بولی۔ مہشم خان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ وہ دیکھنے میں بہت کم عمر لگ رہی تھی' انتہائی سادگی اور معصومیت کے ساتھ کسی ضدی اور روٹھے بچے کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔

"اوکے' نو پرابلم..... پھر آپ کو میں پولیس کے حوالے کر دیتا ہوں۔" اس نے ایک نظر اس کی سمت ڈال کر کہا۔

"وہ خود ہی آپ سے اگلوا لیں گے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے اور گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

❁.....◈.....❁

لاؤنج میں اس وقت موت کا سا سناٹا تھا' وہاں بیٹھے چاروں نفوس سانس بھی آہستگی سے لے رہے تھے شاید کچھ

ہوجانے کا خدشہ تھا' دکھ اور حیرت کے ملے جلے جذبات کا شکار ہوکر وہ سب سر جھکائے اپنی اپنی سوچوں کی الجھی گتھیاں سلجھانے میں محو تھے' فرقان احمد نے ایک بار پھر کاغذ کا وہ ٹکڑا اٹھایا۔

''مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کیجیے گا' میں آپ سب سے دور بہت دور جارہی ہوں..... ایسی جگہ جہاں کوئی دکھ دینے والا اور نہ ہی طعنے دیں ی والا ہو' میں نے آپ سب کو بہت پریشان کیا ہے' ہوسکے تو مجھے معاف کردیجئے گا۔

بدنصیب عذبہ احمد۔''

فرقان نے بے یقینی کے ساتھ حیرت سے کاغذ کے اس ٹکڑے کو دیکھا تھا۔

''بڑے بھیا میں اسے ڈھونڈنے جارہا ہوں' میں ایسے آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔'' مدثر فیصلہ کن انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہاں تلاش کرو گے اسے؟'' فرقان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کوئی کہیں نہیں جائے گا۔'' ذیشان نے بارعب آواز میں کہا۔

''صبح کا انتظار کرو' پھر جا کر اس کی لاش لے آنا۔'' انہوں نے سفاکی سے کہا۔

''فار گاڈ سیک بڑے بھیا۔'' مدثر زور سے چلایا۔ ''آپ جانتے ہیں کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اس نے انہیں ان کے الفاظ کی بدصورتی کا احساس دلانا چاہا۔

''مدثر..... تم اب اس کی طرف داری کرنا چھوڑ دو' کیا نہیں کیا ہم نے اس کے لیے مگر اسے کسی کی محبت کی کوئی پرواہ نہیں۔'' ذیشان اٹھ کر بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔

''مرنے کا اتنا ہی شوق تھا تو گھر پر رہ کر پورا کرلیتی' سارے خاندان میں مذاق بنوادیا ہمارا۔'' بھابی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''آہ.....'' مدثر کے منہ سے ایک سسکاری برآمد ہوئی' اس نے متاسف نظروں سے بھابی کی طرف دیکھا۔

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ داخلی دروازے کے کھلنے سے اس خاموشی میں پل بھر کو ارتعاش پیدا ہوا' اس کے ساتھ ہی کوریڈور میں قدموں کی آواز ابھری سب نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا' مدثر اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''عذبہ.....!'' ان میں سے کوئی بھی ہلنے کے قابل نہ رہا' مدثر اس کے قریب آیا' اس کے کپڑے گیلے اور پاؤں جوتے کی قید سے آزاد تھے۔ چہرے پر خوف کے سائے کے ساتھ ہونٹوں پر پپڑی بھی جمی ہوئی تھی' آنکھیں پھاڑے وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔

''تم..... تم..... ٹھیک تو ہو ناں؟'' مدثر نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے نرمی سے دباتے ہوئے بے قراری سے پوچھا۔ شاید اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا' وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

''آؤ تمہارے روم میں چلتے ہیں۔'' مدثر نے مڑ کر ایک نظر ان سب پر ڈالی۔

''رکو.....'' ذیشان کی گرجدار آواز پر اس کا دل دہل کر رہ گیا۔ عذبہ کے ہاتھ پر اس کی گرفت اور مضبوط ہوگئی تھی۔

''روز جیئے' روز مرنے سے بہتر ہے کہ ایک ہی بار ہمیں مار دو۔'' ذیشان تیزی سے مڑے' کچھ دیر بعد ان کی واپسی ہوئی اور اب ان کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر سب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔

''نہیں بڑے بھائی.....'' مدثر نے عذبہ کو اپنی اوٹ میں چھپالیا' فرقان بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جس بہن کو کبھی ڈانٹا بھی نہیں' اسے مار کیسے سکتا ہوں۔'' ان کا ہاتھ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا' عذبہ دم سادھے کھڑی تھی۔ سب کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ ''مگر اس روز روز کی اذیت سے چھٹکارا چاہتا ہوں اب۔'' ہاتھ کچھ اور اوپر اٹھا اور انہوں نے پستول اپنی کنپٹی پر رکھ لیا۔

''میرے مرنے کے بعد جو دل چاہے کرنا۔'' ان کی نظریں ہنوز عذبہ پر جمی تھیں۔

''کیا ہوگیا ہے ذیشان' کیوں بچوں کی طرح بی ہیو کر رہے ہو۔'' فرقان تیزی سے ان کے قریب آیا۔

''چھوڑیے بڑے بھیا.....'' مدثر نے آگے بڑھ کر پستول ان کے ہاتھ سے لینا چاہا۔

''چھوڑ دو' مرجانے دو مجھے۔'' عذبہ اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہ رہی' پتھر کی مورتی بنی بن اپلکیں جھپکائے وہ اس سارے منظر کو دیکھ رہی تھی۔

''اللہ کے واسطے رحم کریں مجھ پر اور اپنے بیٹے پر۔'' بھابی

روتے ہوئے ان کے بازو سے لپٹ گئیں۔ مدثر نے پستول ان کے ہاتھ سے لینا چاہا۔

"چھوڑ دو مجھے۔" انہوں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی۔ ذیشان کسی طرح بھی پستول چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ لاؤنج میں اس وقت خوب چیخ وپکار مچی ہوئی تھی۔ تہشم خان خاموشی سے آگے بڑھنے لگا' نامحسوس انداز میں وہ ذیشان کی پچھلی طرف آیا' اس نے مکا پستول پر مارا اور وہ دور جا گرا' مدثر نے بھاگ کر پستول اٹھالیا۔ چکراتے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر وہ زمین بوس ہوگئی تھی۔

❁.....◈.....❁

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ اندر کی جانب بڑھا' پورا بنگلہ اس وقت تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کی چال شکستہ تھی۔

"مہشم صاحب....." آواز سن کر اسے رکنا پڑا۔ "آج بہت دیر کردی آپ نے؟" اس نے فکرمندی سے کہا۔

"خادم حسین..... کتنی بار کہا ہے کہ میرا انتظار نہ کیا کرو' سو جایا کرو۔" وہ اندر داخل ہوا اور زینے کی جانب بڑھ گیا۔

"برسوں کی عادت ہے صاحب' آپ کے ایسے کہنے سے نہیں چھوٹے گی۔" اس نے سعادت مندی سے سر جھکاتے ہوئے محبت سے کہا۔

"میں اپنے بیڈروم میں ہوں' مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔" وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

"صاحب کھانا؟" اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"خادم حسین....." اگلی سیڑھی پر قدم رکھتے اس کے پاؤں وہیں رک گئے۔ "جانتے ہو نا آج ۱۴ دسمبر ہے' پھر بھی....." اس کی آنکھوں میں دکھ اور حیرت کے سائے ہلکورے لے رہے تھے۔

"صاحب سات سال گزر گئے اس واقعے کو' اب آپ خود کو سنبھال لیں' کب تک یوں خود کو اذیت دیتے رہیں گے۔" خادم حسین سیڑھیوں کے قریب آیا اور ریلنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"خادم حسین....." اس نے ایک سرد آہ فضا کے سپرد کی۔ "سب کچھ جانتے ہوئے بھی بھول جانے کو کہتے ہو؟ یہ ایسا زخم ہے جو کبھی مندمل نہ ہوگا' بہت سے پچھتاوے ہیں جو چین نہیں لینے دیتے' میں نہیں بھول سکتا خادم حسین' کبھی نہیں۔" وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

اپنے بیڈروم میں قدم رکھتے ہی اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ وہ جوتوں سمیت بستر پر لیٹ گیا۔ آنکھیں موندے چند ثانیے لیٹا رہا' یکایک اس کے قریب سسکیوں کی آواز ابھری۔

"نور فاطمہ....." وہ تیر کی طرح تیزی سے اٹھا۔

"نور کہاں ہو تم؟" وہ پاگلوں کی طرح اسے آوازیں دینے لگا۔ "مت کرو میرے ساتھ ایسا۔" ہوش میں آنے کے بعد وہ گھڑی بھر یوں ہی کھڑا رہا اور پھر الماری سے البم نکال لایا۔

"کاش..... اے کاش..... مجھے ایک موقع اور مل جائے تو میں تمہیں....." البم کھلتے ہی سامنے سب سے پہلی تصویر اس کی تھی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

"کہاں چلی گئی ہو تم؟ آ کر دیکھو میں کتنا تنہا ہوں تمہارے بغیر۔" اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ البم وہیں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ آہستگی سے سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آیا' اس کا رخ نور فاطمہ کے کمرے کی طرف تھا۔

"میں کہیں بھی جاؤں' میرا روم لاکڈ مت کروایا کریں' اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھ کر مجھے عجیب سی گھبراہٹ ہوتی ہے۔" اس کے کانوں میں سرگوشی ابھری۔ اس کی نظریں روم کے لاک سے الجھ کر رہ گئیں۔ اس نے لاک کھول کر دروازے کو دھکیلا' اس میں سے عجیب سی آوازیں نکل کر ماحول کو دہشت ناک بنانے لگیں۔

"میرا بس چلے تو دن میں بیس بار اپنے روم کی ڈسٹنگ کرواؤں' ذرا سی بھی ڈسٹ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔" وہ آگے بڑھا' بیڈ' ڈریسنگ ٹیبل' صوفے' ٹیبل' وارڈ روب' ہر چیز گرد سے اٹی ہوئی تھی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آن رکا اس پر اس کی رنگ برنگی چوڑیاں ویسی کی ویسی رکھی تھیں۔ اس کے اندر حشر برپا ہونے لگا تھا' وہ گھبرا کر مڑا اور کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

❁.....◈.....❁

دوپہر کا وقت تھا۔ اسے کمرے میں کچھ گھٹن محسوس ہوئی تو اٹھ کر باہر آ گیا۔ بڑے دونوں بھائی اور بھابیوں میں سے اسے کوئی دکھائی نہ دیا' مدثر ابھی تک یونیورسٹی سے نہیں آیا تھا' سہج سہج قدم اٹھاتی وہ پچھلے صحن میں آ گئی' دھوپ دیواروں سے اتر کر صحن میں پھیل چکی تھی' درختوں کے کچھ پتے جھڑ کر زمین پر گرے ہوئے تھے' وہ آ کر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

"عذبہ حسین۔" اسے لگا کسی نے اس کا نام پکارا ہو' اس

نے چونکتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ ''اِدھر.....'' اب اس نے بغور آواز کی سمت دیکھا تو سناٹے میں آ گئی۔ سامنے تایا ابا کے ٹیرس پر عبدالمعیز کھڑا تھا۔ اس سے نظریں ملتے ہی مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلانے لگا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ ایک حیرت کے عالم میں آنکھیں پھاڑے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ ہوش کی دنیا میں آئی' ایک جھٹکے سے اٹھی اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''کہاں تھی یار' میں کب سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں؟'' اس کے اندر قدم رکھتے ہی مدثر بے تابی سے اس کے قریب آیا۔

''یہیں تھی۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''آر یو آل رائٹ؟'' مدثر نے اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والے پسینے کے ننھے ننھے قطرے دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا۔

''ہوں.....'' وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ ''کچھ لوگ کتنے باہمت اور کونفیڈنٹ ہوتے ہیں ناں مدثر۔'' اب وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''کسی دوسرے پر ظلم ڈھا کر' اس سے کیے گئے وعدے توڑ کر' اس کا مان خاک میں ملا کر پھر سے اس کا سامنا اس طرح کرتے ہیں' اس انداز سے ملتے ہیں جیسے کچھ غلط تو انہوں نے کیا ہی نہیں' کچھ برا تو کیا ہی نہیں۔'' بات مکمل کرتے سر جھکائے وہ لب کاٹ رہی تھی۔

''عبدالمعیز آیا تھا کیا؟'' مدثر کی رگیں تن گئیں۔

''نہیں ٹیرس پر کھڑا میری طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے یوں ہاتھ ہلا رہا جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔'' اس کے بتانے پر مدثر چند ثانیے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم تیار ہو جاؤ' ہم پارک چلتے ہیں' میں پانچ منٹ میں آتا ہوں۔'' اس کا جواب سنے بغیر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

❁.....◈.....❁

وہ وہاں سے جا چکی تھی مگر عبدالمعیز ابھی بھی ریلنگ کو تھامے آگے کو جھکا اسی جگہ کو دیکھ رہا تھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ بیٹھی تھی۔

''عبدالمعیز .....'' وہ زور سے پھنکارا' اپنے سامنے مدثر کو دیکھ کر وہ چونکا۔

''اب کیا چاہتے ہو؟'' اس نے کوئی جواب نہ دیا' ہنوز خاموش کھڑا رہا۔

''دوبارہ کبھی غلطی سے بھی میری بہن کی طرف مت دیکھنا' بات کرنے کا تو سوچنا بھی مت۔'' اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔

''ایسا کیوں کہہ رہے ہو' وہ کزن ہے میری۔'' وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بولا۔

''کزن ہے نہیں کزن تھی۔'' اس نے فوراً تصحیح کی۔ ''سب رشتے ناطے ختم ہو چکے ہیں' اب اس کی آنکھوں میں آنسو آئے اور وجہ تم بنے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' وہ درشتی سے بولا۔

''اس کے آنسوؤں کی وجہ میں نہیں ہوں مدثر' میں تو خود تقدیر کی اس ستم ظریفی پر حیران ہوں' کس طرح لمحوں میں سب کچھ بکھر گیا اور ہم دونوں کو سمیٹنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔'' اس کے لہجے میں ملال تھا۔

''میں تم سے کوئی وضاحت نہیں مانگ رہا۔'' وہ زہرخند ہوا۔

''میری نظر میں آج بھی وہ خاندان کی سب سے اچھی لڑکی ہے' میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں مگر.....''

''شٹ اپ.....'' مدثر نے اس کی بات کاٹی۔ ''میری بہن کیسی ہے اس کی گواہی مجھے تم جیسے گھٹیا شخص سے نہیں چاہیے' تم سے جو بات کہہ رہا ہوں اسے اچھی طرح سمجھ لو اور اپنے ذہن میں بھی بٹھا لو۔'' وہ غضب ناک ہوا' اپنی بات کے اختتام پر ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔ عبدالمعیز اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا تھا۔

❁.....◈.....❁

''ذیشان..... کیا سوچ رہے ہیں؟'' فریحہ ان کے لیے کافی لائی تو انہیں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں مستغرق پایا۔

''ہوں.....'' انہوں نے چونکتے ہوئے فریحہ کی طرف دیکھا۔ ''کچھ بھی نہیں۔'' خود کو سنبھالتے ہوئے وہ سیدھے ہو بیٹھے اور کافی کا مگ پکڑ لیا۔

''کچھ پریشان ہیں؟'' فریحہ نے جانچتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ہوں.....'' وہ پُرسوچ نگاہوں سے فریحہ کو دیکھنے لگے۔ ''اکلوتی بہن کو دیکھتا ہوں تو دل کٹنے لگتا ہے' سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔''

"آپ پریشان نہ ہوں' اللہ بہتر کرے گا۔" اس نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ جانتی تھی وہ کتنے دکھی ہوگئے ہیں۔ بہن کی وجہ سے۔

"منگنی ٹوٹ گئی' خاندان میں تو دوبارہ کسی نے پوچھا بھی نہیں' باہر کے بھی سو مسائل ہیں۔" وہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی کو مسلتے ہوئے بولے۔

"بہت سی لڑکیوں کی منگنی ٹوٹ جاتی ہے بلکہ ڈائیورس بھی ہوجاتی ہے مگر پھر دوبارہ شادی ہوجاتی ہے' آپ اتنا مت سوچیں' کوئی نہ کوئی سبب بن ہی جائے گا۔" شوہر کو مضطرب دیکھ کر وہ خود بھی پریشان ہونے لگی تھی۔

"پتا نہیں کیا ہوگا اور خود عذبہ ہمارے فیصلے سے بہت ہرٹ ہوئی ہے' ہم پر اس کا اعتبار ختم ہوگیا ہے۔" انہوں نے طویل سانس خارج کرتے ہوئے مگ ہونٹوں سے لگایا' فریحہ شوہر دیکھتی رہ گئی تھی۔

❁.....◈.....❁

وہ اسے ساتھ لے کر باہر آیا' فضا خوش گوار تھی' وہ دونوں چہل قدمی کرتے ہوئے قریبی پارک کی طرف جارہے تھے۔

"پھر تم نے کیا سوچا پڑھائی کے متعلق؟" اس نے خاموشی سے ساتھ چلتی عذبہ پر ایک نظر ڈالی۔

"تمہیں لگتا ہے مجھے یونیورسٹی جانا چاہیے؟" الٹا اس نے سوال کیا۔

"بالکل جانا چاہیے۔" وہ دونوں پارک میں داخل ہوگئے تھے۔

"میں خود میں اس کی ہمت نہیں پاتی اور تم بھی پلیز' اس ٹاپک پر دوبارہ کوئی بات نہ کرنا۔" وہ دونوں جاکر سنگی بینچ پر بیٹھ گئے۔

"تمہیں آگے پڑھنا ہے' کامیاب ہونا ہے' تھک ہار کر بیٹھ جانے والوں کو وقت کچل کر گزر جاتا ہے۔" اس نے ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔

"وقت آل ریڈی مجھے کچل چکا ہے' اب کسی بات کا کوئی ڈر نہیں' کوئی خوف نہیں' سب خوف ختم ہوگئے..... کیونکہ کھونے کے لیے اب میرے پاس کچھ نہیں بچا۔" وہ سر جھکائے بغور اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھور رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں کھویا تم نے۔" مدثر نے اسے دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے وقت کی ایک عادت کتنی اچھی ہے؟" عذبہ سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اچھا ہو یا برا گزر جاتا ہے اور الحمدللہ وہ برا وقت بھی اب گزر گیا ہے' تم بھول جاؤ اسے۔" اس نے پیار سے سمجھایا۔

"وہ وقت نہیں گزرا مدثر....." اس کے لہجے کا کرب اسے صاف طور پر محسوس ہوا تھا۔ "میری زندگی میں ٹھہر گیا ہے۔ میں کیسے بھول سکتی ہوں بھلا۔"

کچھ دیر پارک میں بیٹھنے کے بعد وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے' مدثر کچھ کام سے رک گیا اور وہ اپنے ہی خیالوں میں چلی جارہی تھی کہ اچانک سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکرائی اور زمین پر گرگئی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" وہ تیزی سے گاڑی میں سے نکل کر اس کے پاس آیا اور زمین پر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی..... میں ٹھیک ہوں۔" وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔

"مائی گاڈ.....!" مہشم خان نے اس کی طرف دیکھا۔

"خودکشی کا یہ دوسرا طریقہ بھی مجھے پسند نہیں آیا۔" مدثر جو سڑک پار کرکے اس کے لیے آئسکریم لینے گیا تھا' بھاگ کر وہاں آیا۔

"عذبہ....." وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ "ٹھیک ہو' چوٹ تو نہیں لگی؟" اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا۔

"ہوں۔" اس نے مختصراً کہا۔

"سوری۔"

"او..... تو یہ آپ ہیں۔" مدثر نے آگے بڑھ کر معانقہ کیا' وہ دونوں سے دور ہٹ کر لاتعلق سی کھڑی تھی۔

"آپ آئیں ناں ہمارے گھر' بڑے بھیا بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں مگر ہمیں آپ کا ایڈریس نہیں پتا تھا۔" مدثر گرم جوشی سے بولا۔

"ضرور آؤں گا' ابھی کسی ضروری کام سے جارہا ہوں' آپ مجھے اپنے بھیا کے آفس کا ایڈریس اور فون نمبر دے دیں۔" مدثر نے اسے نمبر اور ایڈریس دے دیا' نمبر لے کر وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔ عذبہ کی بے اختیار نظر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف اٹھی وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا' دونوں کی نظریں ملیں' عذبہ نے سٹپٹا کر نظروں کا زاویہ بدلا جبکہ مہشم خان نے دلفریبی سے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھادی تھی۔

❁.....◈.....❁

"مدثر تم انکار کردو میری طرف سے۔" مہشم خان نے اس

کے لیے رشتہ بھیجا اور اسے جب سے پتا چلا تو اس کی جان پر بنی آئی تھی۔

"بہت اچھے انسان ہیں وہ....." مدثر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مدثر..... مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی' پلیز مجھے فورس مت کرو۔" یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔

"عبدالمعیز کے لیے جوگ لینا چاہتی ہو؟" انجانے میں وہ اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ گیا۔

"مدثر.....!" اس نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں کیوں کسی کے لیے جوگ لوں گی' جس شخص نے مجھے اپنی زندگی سے نکال دیا' مشکل میں میرا ساتھ دینے کے بجائے جلتے انگاروں پر چلنے کے لیے مجھے تنہا چھوڑ گیا' میں کیوں اس کے لیے ایسا سوچنے لگی' میں نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال دیا ہے۔" مدثر کی بات سے اسے بہت رنج پہنچا تھا۔

"ہم سب اس رشتے پر خوش ہیں' ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے' ضد مت کرو۔" وہ رسانیت سے بولا۔

"تم لوگ مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہو؟" وہ جذباتی ہوئی۔

"دیکھو عذبہ.....!"

"مدثر تمہارے بھائی تمہیں بلا رہے ہیں' ان کی بات سن لو۔" بھابی کے آجانے سے اس کی بات بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔

"عذبہ میری ایک بات کان کھول کر سن لو' ہم اس رشتے کے لیے کسی صورت انکار نہیں کریں گے' اتنا اچھا رشتہ ہے' بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے تم انکار کر رہی ہو' یہ بے وقوفی اور پاگل پن ہے۔" فریحہ بھابی نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی۔

"آپ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ ہم پر اس قدر مہربان کیوں ہو رہے ہیں۔" اس نے جب بھی اس بارے میں سوچا پریشان ہی ہوئی۔

"وہ نہیں' اللہ مہربان ہوا ہے' بس اب تم کچھ نہیں بولو گی اور اب بھی اچھے لوگ اس دنیا میں ہیں۔" بھابی واپس جانے لگیں۔

"میری طرف سے انکار ہی رہے گا آپ لوگوں کو جو کرنا ہے کریں۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟" وہ غیظ و غضب کی حالت میں واپس مڑیں۔

"شادی سے محض دو روز پہلے تمہارے سسرال والوں نے انکار کر دیا' یہ سن کر بھی وہ شریف النفس انسان تم سے شادی کے لیے رضا مند ہے' کسی چیز کی کمی نہیں ہے اسے' اتنا ہینڈسم' کروڑوں کی جائیداد کا مالک ہے' اپنا بزنس کرتا ہے..... نہ ساس نند کا جھنجٹ اور کیا چاہیے تمہیں؟" تیوری پر بل ڈالے وہ بولیں۔

"بھابی....." بھرائی ہوئی آواز میں اس کے منہ سے محض یہی ایک لفظ نکلا۔ "آپ جانتی ہیں میرا رشتہ کیوں ٹوٹا تھا' میرا کوئی قصور یا خرابی نہ تھی اس میں۔" وہ رو دی۔

"تمہاری اس بات پر کون یقین کرے گا' ذرا باہر نکل کر تو دیکھو' اگر یہ سب اتنا نارمل ہوتا تو تمہارے بھائیوں نے اتنے ہاتھ پاؤں مارے' کہیں تو بات بن جاتی' سب کی زندگی عذاب ہوگئی ہے' تمہارے بھائی تمہارے لیے کتنے پریشان ہیں تمہیں کچھ....."

"کوئی پریشان نہیں ہے۔" اس نے ان کی بات کاٹی۔ "میرا رشتہ میرے بھائیوں کی خود غرضی کی وجہ سے ٹوٹا' ان سے کہہ دیں اب میری فکر کرنا چھوڑ دیں' مجھے اب ان ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"تمہارے بھائیوں نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے' وہ لوگ ایک نمبر کے بلیک میلر تھے' ان کی بات مان کر ہم اور زیادہ ذلت اٹھاتے۔"

"سب نے اپنے آپ کو بچایا اور سب کے حصے کی ذلت بہت آرام سے میری جھولی میں ڈال دی گئی' عبدالمعیز نے اپنے مرد ہونے کا ثبوت دیا اور مجھ سے رشتہ ختم کر کے سزا دی' فرقان بھائی نے بھی اپنی خوشیاں بچائیں' اب مجھے کسی کی کوئی بات نہیں سننی۔" وہ روتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ فریحہ متاسف نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❁.....◈.....❁

وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی مگر سوچ کا پنچھی دور' انجانے دیس کی سیر کو نکلا ہوا تھا۔

"مہشم خان تم سے ملنا چاہتا ہے' ڈرائنگ روم میں

آجاؤ۔" آواز سن کر وہ خیالوں کی دنیا سے حال میں لوٹ آئی۔

"مجھے کسی سے نہیں ملنا۔" ان کی جانب دیکھے بنا سپاٹ لہجے میں بولی۔

"ضد مت کرو وہ کیا سوچے گا' ملاقات کرنے میں کیا حرج ہے۔" وہ مصالحت آمیز لہجے میں بولیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"پلیز بھابی..... مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔ چند ثانیے وہ خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہیں اور پھر سر ہلا کر واپس چلی گئیں تھوڑے دیر بعد پھر سے دروازہ بجا مگر وہ ان سنی کر کے لیٹی رہی۔

"آپ.....!" اپنے سامنے ہشم خان کو دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"آپ میرے روم میں کیوں آئے؟" اس نے دروازے کی جانب دیکھا' وہ سکون سے کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

"شادی کرنا چاہ رہا ہوں آپ سے' آپ انکار کر رہی ہیں' میں وجہ معلوم کرنے آیا تھا' آپ کو ڈرائنگ روم میں بلایا مگر آپ نہیں آئیں تو مجبوراً مجھے یہاں آنا پڑا۔" اس نے پل بھر کو توقف کیا جبکہ وہ دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ کو ڈسٹرب کرنے کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔" اس نے سکون سے کہا۔

"آپ کو میرے روم میں نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ ہنوز کھڑی رہی۔

"آپ کو ڈرائنگ روم میں آ کر مجھ سے ملنا چاہیے تھا پھر۔" وہ دوبدو بولا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟" وہ غصے کا گھونٹ پیتے ہوئے بولی۔

"آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے سکون میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ دو قدم آگے ہوئی۔ "نہ آپ سے نہ کسی اور سے۔"

"مگر مجھے شادی کرنی ہے' صرف اور صرف آپ سے۔" اتنی بڑی بات اس نے بہت آسانی سے کہہ دی تھی۔

"مجھ پر ترس کھا رہے ہیں؟" وہ کھوجتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"ترس کیوں؟" وہ حیران ہوا۔ "آپ کے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں' پڑھی لکھی' خوب صورت ہیں' ترس کیوں کھاؤں گا' بس مجھے اچھی لگنے لگی ہیں آپ۔" اس کے اتنے واضح الفاظ میں کہنے پر وہ دنگ رہ گئی۔ "امید کرتا ہوں آپ اب انکار نہیں کریں گی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں آپ کو بتا چکی ہوں....."

"اوں ہوں....." اس نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے بولنے سے روکا۔ "بہت بری بات ہے' کوئی اتنی چاہت سے آپ کو اپنانا چاہتا ہے اور آپ مسلسل انکار کر رہی ہیں۔"

"مجھے آپ کی ہاں کا انتظار رہے گا۔" وہ باہر کی جانب بڑھ گیا' جبکہ وہ پتھر کا بت بنی لب نیم وا کیے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی۔

❀.....◈.....❀

"عذبہ....." وہ اپنے کمرے میں تھی جب فرقان بھائی آئے' انہیں سامنے دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا اتنی خفا ہو کہ اپنے بھائی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں۔" وہ اس کے پاس بیٹھ گئے۔

"اپنی جگہ تمہاری خفگی بجا ہے' مگر یہ تو سوچو بیٹا کہ جس بات پر ہم عبدالمعیز کو برا بھلا کہہ رہے ہیں' اس نے اپنی بہن کا گھر بسانے کے لیے....." ایک دم وہ خاموش ہو گئے' کبھی کبھی کچھ باتیں جو ہمیں بہت آسان معلوم ہوتی ہیں وہ کہہ دینا کتنا مشکل ہوتا ہے' اتنا کچھ سوچ کر آئے تھے مگر سب کچھ ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

"اگر میں بھی ایسا کرتا تو میرے لیے بھی اسی طرح سب باتیں بناتے جیسے عبدالمعیز کے لیے کر رہے ہیں۔" وہ بدقت تمام اپنی بات مکمل کر پائے۔

"آپ کو اپنی محبت عزیز تھی' آپ نے اسے حاصل کر لیا' میرے ساتھ جو بھی ہو یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔" وہ ان کی طرف دیکھے بغیر بولی' وہ پل بھر کو خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"اگر تمہیں میں غلط لگ رہا ہوں تو پھر تمہیں عبدالمعیز کو سراہنا چاہیے..... اس نے اپنی بہن....."

"اسٹاپ اٹ فرقان بھیا۔" وہ تقریباً چلائی۔ "میں اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔" اس نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

"ہشم خان بہت اچھا انسان ہے' عبدالمعیز سے کئی گناہ

زیادہ۔" ان کی بات نے اسے سیخ پا کر دیا۔

"فرح بھابی کو بھی آپ سے زیادہ اچھا مل جاتا' پھر آپ نے کیوں صرف ان کا سوچا' بہت فکر تھی ناں آپ کو ان کی' وہ ہرٹ نہ ہوں اور ذیشان بھیا' فریحہ بھابی نے بھی آپ کا ساتھ دیا' مجھے میری اوقات اچھی طرح پتا چل گئی ہے' مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔" اس نے رخ پھیر لیا۔

"کاش....." انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "تم سمجھ سکو میں ذیشان..... ہم سب کتنے مجبور تھے' آج تک میں عبدالمعیز کو برا بھلا کہتا رہا ہوں' مگر اب سوچ رہا ہوں شاید اس نے ٹھیک کیا' کم از کم اسے اپنی بہن سے یہ تو نہ سننا پڑتا ہوگا کہ تم خود غرض ہو' میرا خیال نہ کیا' کاش مجھ میں بھی اتنی ہمت ہوتی کہ ایک لڑکی کی آنکھوں سے تمام خواب چھین کر اپنی بہن کا گھر بسا لیتا۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے نہیں فوراً باہر نکل گئے تھے۔

❁.....◈.....❁

وہ آہستگی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی' ٹیرس پر کھڑی وہ آسمان کو دیکھ رہی تھی' رات بہت گہری اور سیاہ تھی' وہ ٹہلنے لگی' ٹہلتے ٹہلتے اس کی نظر تایا ابا کے گھر کے صحن کی طرف اٹھی' وہاں سے ہوتی اس کی نظریں ٹیرس پر جا ٹھہریں..... سامنے عبدالمعیز کھڑا تھا۔ وہ تیزی سے واپس مڑی۔

"عذبہ..... میری بات سنو۔" وہ تیزی سے قریب آیا' اس نے مڑ کر ایک کاٹ دار نظر اس کی سمت اچھالی اور تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ جی بھر کر روئی' اس نے ہشم خان کا رشتہ قبول کر لیا تھا۔

❁.....◈.....❁

وہ پارلر نہیں گئی' دونوں بھابیوں اور مدثر کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس نے مان کر نہ دیا۔

"لاؤ میں تیار کر دیتی ہوں۔" فرح بھابی اس کے پاس آ کر اپنائیت سے بولیں۔

"نہیں..... بہت شکریہ۔" اسے سامنے دیکھ کر اسے نئے سرے سے اپنے نقصان یاد آنے لگے' پنک کلر کی میکسی کے ساتھ ہلکا سا جیولری سیٹ اور لائٹ سے میک اپ کے ساتھ وہ کہیں سے بھی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

"یہ فیصلہ تمہارے لیے بہت اچھا ثابت ہوگا' تم دیکھ لینا۔" مدثر نے اس سے کہا۔

"مجھے اب اچھے یا برے کی پروا نہیں' ان فیکٹ فرق ہی نہیں پڑتا۔" وہ تلخی سے بولی تو لمحہ بھر کو تو مدثر چپ ہو گیا مگر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھال کر بشاشت سے گویا ہوا۔

"اس سادگی میں بھی بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اس کا انداز بھرپور محبت لیے ہوئے تھا۔ "بھابی بتا رہی تھیں تم نے کھانے سے منع کر دیا تھا کیوں؟" اس نے بہت پیار سے پوچھا۔

"بھوک نہیں تھی۔" اس نے مہندی اور چوڑیوں سے خالی اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسے ہی بھوک نہیں ہے' میں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گا۔" اس نے کھانا منگوایا اور زبردستی اسے کھلایا۔

خاندان کے کچھ قریبی لوگ شادی میں مدعو تھے' رخصتی کے وقت اس نے ایک آنسو بھی نہ بہایا' بڑے دونوں بھائی داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑے تھے' ان کے قریب ہی چچا' تایا' ان کی فیملیز' بھابیاں اور چند دیگر مہمان تھے' وہ مدثر کے بازوؤں کے حلقے میں چلتی ہوئی گیٹ پر کھڑی گاڑی تک آئی' ہشم خان نے پچھلی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔ عذبہ کی حالت غیر ہونے لگی' اس نے مڑ کر دونوں بھائیوں کو دیکھا' کیا کچھ نہ تھا اس کی نظروں میں' ان دونوں نے نظریں پھیر لیں' وہ واپس مڑی تو مدثر نے اسے ساتھ لگا کر سر پر ہاتھ رکھا..... اسے ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

"تمہارے علاوہ کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا' مجھے قدم قدم پر میری رسوائیوں کا احساس دلایا' پلٹ کر اس گھر میں کبھی نہیں آؤں گی' خوش ہو جائیں سب۔" سسکیاں اس کے اندر دم توڑ رہی تھیں۔ ہشم خان سب سن رہا تھا۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" مدثر کو آنسوؤں پر ضبط نہ رہا' عذبہ کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے استفہامیہ نظروں سے ہشم خان کی طرف دیکھا' اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر اسے چلنے کے لیے کہا' گاڑی گیٹ سے باہر نکل گئی تھی۔

❁.....◈.....❁

بارات کے ساتھ آئے ہوئے لوگ وہیں سے پلٹ گئے تھے۔ گاڑی گیٹ سے بنگلے میں داخل ہوئی' گھر پر خاموشی کا مکمل راج تھا۔ ہشم خان گاڑی سے اترا اور پھر اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا' وہ نیچے اتر آئی' اس نے نگاہ اٹھا کر اس پُرشکوہ بنگلے کو

دیکھا جس کی پیشانی پر آویزاں ''نورمحل'' رات کی تاریکی میں بھی جگمگا رہا تھا۔

''سلام صاحب!'' اندر داخل ہوتے ہی خادم حسین نے ان کا استقبال کیا۔

''وعلیکم السلام! خادم حسین سوئے نہیں ابھی تک؟'' اس نے ہمیشہ کی طرح سوال کیا۔

''آج تو بہت خاص دن ہے صاحب' بہت خوشیوں والا' آپ کی زندگی کا سونا پن ختم ہوگیا' اس گھر کی رونقیں بحال ہوگئیں۔'' وہ اس کا بہت ہی وفادار ملازم تھا۔ اس کی خدمت کو عبادت سمجھتا تھا۔

''خادم حسین میرا بہت ہی خاص دوست ہے' میرے ہر دکھ سکھ میں ساتھ نبھانے والا' دنیا میں کسی انسان کی بے لوث محبت پر اگر مجھے اعتبار ہے تو وہ یہی ہے۔'' اس نے عذبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' دوسری طرف خادم حسین اس کے لفظ ''دوست'' پر جھوم اٹھا۔

''آپ ایزی ہوکر بیٹھ جائیں' میں ابھی آتا ہوں۔'' اسے بیڈروم میں چھوڑ کر وہ باہر نکل گیا۔

''خادم حسین.....'' اسے ڈھونڈتا ہوا وہ سرونٹ کوارٹر میں آیا' خادم حسین وضو کررہا تھا۔

''جی صاحب۔'' مہشم خان بان کی چارپائی پر بیٹھ گیا' وہ سر جھکائے پاس کھڑا رہا۔ ''تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''حکم صاحب۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولا۔

''اپنی بیگم صاحبہ کو کبھی بھی نور کے متعلق کچھ مت بتانا' مناسب وقت آنے پر میں خود ہی بتادوں گا۔'' اس نے خادم حسین کی طرف دیکھا۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔'' سینے پر دایاں ہاتھ رکھ کر وہ آگے کو جھکا۔ مہشم خان اٹھ کھڑا ہوا۔

''اور ہاں.....'' وہ جاتے جاتے مڑا۔ ''اگر کبھی نور فاطمہ کے کمرے کے متعلق پوچھے کہ یہ کیوں بند رہتا ہے تو.....'' اس کی زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

''تو کہہ دینا اس میں پرانا سامان ہے۔'' اس کے دل میں ایک ٹیس اٹھی۔

''جو حکم سرکار۔''

''اور تم سے کتنی بار کہا کہ یہ کوارٹر چھوڑ دو' گھر میں اتنے کمرے خالی ہیں' ان میں سے کسی ایک میں شفٹ ہوجاؤ' کیوں نہیں مانتے میری بات۔'' وہ پیار بھری خفگی سے بولا۔

''گستاخی معاف صاحب۔'' انسان کو ہمیشہ اپنی اوقات میں رہنا چاہیے' اسی میں اس کی عزت اور سکون ہے' انسان کی بربادی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں وہ اپنی حیثیت اور مقام بھولنے لگتا ہے۔'' اسے خادم حسین سے ایسی ہی بات کی توقع تھی' وہ بہت خوددار تھا۔ وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا تھا۔

❁.....◈.....❁

اسے کئی گھنٹے گزر گئے تھے کمرے کا دروازہ بند کیے بیٹھا تھا' کچھ دیر بے چینی میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتا رہا' بالآخر ٹیرس پر آگیا۔ اس کا رخ چچا جان کے گھر کی طرف تھا' عذبہ کے کمرے کی بند لائٹس اس کے سونے پن کا احساس دلا رہی تھیں۔

''تمہارے کمرے کی لائٹ کیوں جلتی ہے ساری رات' کیا تم سوتی نہیں ہو؟'' اسے یونیورسٹی سے واپسی پر پک کیا تو راستے میں پوچھنے لگا۔

''عبدالمعیز ..... ایگزامز بہت قریب ہیں' اسٹڈی کرتے رات گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔'' وہ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

''اتنا مت پڑھا کرو آنکھیں خراب ہوجائیں گی۔'' اس نے پیار بھری خفگی سے گھورا۔

''مجھے بہت سارا پڑھنا ہے اور تم کبھی مجھے منع نہیں کرو گے۔'' اس نے جتاتے ہوئے کہا۔

''جو پڑھنا ہے ابھی پڑھ لو' شادی کے بعد میں تمہیں پڑھنے نہیں دوں گا۔'' وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

''تو پھر میری طرف سے انکار ہے۔'' وہ بھی دھمکی دینے پر اتر آئی تھی۔

''عذبہ'' اس نے خفگی سے اسے گھورا۔ ''دوبارہ مذاق میں بھی کبھی ایسا نہ کہنا۔'' وہ واقعی سنجیدہ ہوجاتا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' خفت کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ ''میں نے صرف مذاق میں کہا تھا تم برا مان گئے۔'' اس نے فوراً وضاحت کی۔

''یار..... مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جو کسی کو اندر تک ہلا دے۔'' وہ ابھی تک سنجیدہ تھا۔ اس کے اندر توڑ پھوڑ جاری تھی۔ دل کا بوجھ حد سے سوا تھا۔

''عبدالمعیز میری بات سنو پلیز..... ایسے مت کرو میرے ساتھ' تم تو کہتے تھے ہمیشہ میرا ساتھ دو گے..... یوں بیچ راستے میں چھوڑ کر جا رہے ہو۔'' اس کے آس پاس سسکیاں ابھر رہی تھیں۔

''اگر فرقان میری بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا تو پھر عذبہ بھی میری بہو نہیں بنے گی۔'' تائی اماں کی آواز نے اس کے کانوں میں سیسہ انڈیلا تھا' وہ بے یقین نگاہوں سے ان دونوں ماں بیٹے کو گھور رہی تھی۔

''تائی اماں اس میں عذبہ کا کیا قصور؟'' ذیشان بھیا بولے تھے۔

''قصور تو میری بیٹی کا بھی کوئی نہیں ہے۔'' وہ کسی قدر خود غرضی سے بولی تھیں۔

''ثمینہ کی طلاق کا ہمیں بہت افسوس ہے' اس کے لیے میں خود رشتہ ڈھونڈوں گا' مگر پلیز اس وقت شادی سے دو دن پہلے آپ کی یہ ضد ہم سب کا بہت بڑا نقصان کر سکتی ہے۔'' اس نے مصالحت آمیز انداز اختیار کیا تھا۔

''اس میں کوئی انہونی نہیں ہے' فرقان کی منگیتر کی کہیں بھی شادی ہو جائے گی' میری بیٹی عمر بھر بیٹھی رہے گی۔'' وہ بے حسی سے بولیں۔

''اپنی بیٹی کا گھر بسانے کے لیے آپ کسی دوسری لڑکی کی جھولی میں رسوائیاں ڈالنا چاہتی ہیں۔'' فرقان خاموش نہ رہ سکا تھا۔

''تم صرف اتنا بتاؤ' تمہیں یہ رشتہ منظور ہے کہ نہیں؟'' وہ دو ٹوک انداز میں بات کرنے آئی تھیں۔

''ہرگز نہیں۔'' ایک پل کا توقف کیے بغیر فرقان نے کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''میں عبدالمعیز اور عذبہ کا رشتہ بھی ابھی اسی وقت ختم کرتی ہوں۔'' وہ سفاکی سے بولیں۔

''عبدالمعیز..... تم سمجھاؤ انہیں یار۔'' ذیشان اٹھ کر کھڑے ہوئے اور اضطراری انداز میں اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''میں اس معاملے میں بے بس ہوں ذیشان بھائی۔'' وہ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''امی کی مرضی کے بغیر میں شادی نہیں کر سکتا..... کیونکہ میری اس من مانی کا خمیازہ عذبہ کو عمر بھر بھگتنا پڑے گا' امی اور ثمینہ آپی کے بدصورت رویوں کی صورت میں۔'' اس نے قصداً عذبہ کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو عبدالمعیز؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو؟'' مایوں کے پیلے جوڑے میں اس وقت اس کا رنگ بھی زرد ہو رہا تھا۔ عبدالمعیز کے دل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔

''عذبہ وہ ماں ہیں میری' میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا' تم مجھے معاف کر دینا۔'' وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

''اگر تم سے ان حالات میں شادی کر بھی لی تو ہم دونوں کے ہی دل خوشیوں سے خالی رہیں گے کیونکہ مجھے قدم قدم پر احساس دلایا جائے گا کہ میں نے خود غرضی کی اور اپنا گھر بسا لیا' بہن کا خیال نہ کیا' حالانکہ میں جانتا ہوں امی کی ڈیمانڈ غلط ہے' مگر تم اپنے آپ کو سنبھالنا..... کاش یہ سب نہ ہوتا۔'' وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو گیا تھا۔ امی اور ثمینہ آپا نے مل کر اس کے ساتھ بہت برا کیا تھا۔

''عذبہ اللہ تمہیں بہت خوشیاں دے' آمین۔'' اس نے دل سے اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کی تھی۔ اس کے سوا وہ اسے کچھ دے بھی نہ سکتا تھا۔

❁.....◈.....❁

اس نے طائرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا' ایک ایک چیز نہایت قیمتی اور مالک کی نفاست پسند طبیعت کا منہ بولتا ثبوت نظر آ رہی تھی۔ وہ صوفے پر جا بیٹھی۔ دروازہ کھلا' اس کے انداز نشست میں کوئی فرق نہ آیا' کارپٹ پر اس کے بے آواز قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے' عذبہ کی نظریں اس کے جوتوں سے ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر جا ٹھہریں۔ وہ فوراً نگاہیں جھکا گئی۔

''آپ ناراض ہیں مجھ سے؟''

''نہیں.....'' اس کی نظریں گود میں دھرے اپنے ہاتھوں پر تھیں۔

''اپنے گھر والوں سے تو ہیں ناں؟'' اس کی بات پر اس کا جھکا ہوا سر تیزی سے اوپر اٹھا۔

''یہ میرا اور ان کا پرسنل میٹر ہے۔ آپ اس سے دور رہیں۔''

''آج سے آپ کے اور میرے میٹرز الگ نہیں ہیں۔'' اس نے واضح الفاظ میں کہا۔ ''میری خواہش اور کوشش یہی

ہوگی کہ ہمیشہ ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دوں' آپ کو سپورٹ کروں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''میں چاہتا ہوں کہ ہم اچھے دوستوں کی طرح رہیں' ہر پرابلم کو مل کر حل کریں' کیا آپ میرا ساتھ دیں گی؟'' عبدالمعیز کے انکار اور اس پر بھائیوں کی بے اعتنائیوں اور خودغرضی نے اسے اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایسے میں ہشم خان کا نرم لہجہ اس کے زخموں پر مرہم رکھ رہا تھا۔ ہشم خان کا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا' اس نے پل بھر کو اس کی چوڑی ہتھیلی کو دیکھا پھر کچھ جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

''تھینک یو۔'' وہ دلفریبی سے مسکرایا۔ ''ارے.....!''

اچانک اس نے اس کے ہاتھوں پر غور کیا۔ ''یہ ہاتھ کسی دلہن کے تو نہیں لگ رہے۔'' اس کی بات پر وہ شرمندہ ہوئی اور اپنا ہاتھ واپس کھینچنا چاہ مگر مقابل کی گرفت مضبوط تھی۔

''مجھے مہندی لگانا آتی ہے' میں آپ کے لگاتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر باہر چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی۔

''چلیں اب آپ کو مہندی لگاتا ہوں۔'' اس نے انکار کیا مگر ہشم خان اس کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ڈیزائن بنانے لگا اور اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ بہت اچھی مہندی لگا رہا تھا۔

❁.....◈.....❁

''کیوں نہیں جائیں گے آپ ولیمے پر؟'' ذیشان نے ولیمے پر جانے سے انکار کر دیا تھا اور فریحہ تب سے ان کے پیچھے تھیں کہ وہ بھی ساتھ جائیں۔

''طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔'' انہوں نے بہانہ بنایا۔

''سب کچھ خیریت سے ہو گیا ہے' ہماری سوچ اور توقع سے بڑھ کر اچھی جگہ اس کا رشتہ ہوا ہے' کل سب اس کی قسمت پر رشک کر رہے تھے' اب کس بات پر آپ کی طبیعت ناساز ہے؟'' وہ ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

''وہ ہم سب سے ناراض ہو کر یہاں سے گئی ہے' وہ یہ سمجھتی ہے کہ ہم نے خودغرضی دکھائی ہے اور اس کا رشتہ عبدالمعیز سے توڑا ہے' حالانکہ سارے حالات اس کے سامنے تھے۔'' اکلوتی بہن کی ناراضی ان کے لیے قطعی ناقابل برداشت تھی۔

''دراصل وہ ہم سب سے بدگمان ہے اور بدگمانی میں انسان آنکھوں سے نہیں دیکھتا' بلکہ جو اس کی نیگیٹو سوچ اسے دکھانا چاہتی ہے وہ وہی دیکھتا ہے' آپ دل پر مت لیں۔'' انہوں نے شوہر کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کی۔

''وہ سمجھتی ہے کہ یہ فیصلہ میں نے فرقان کی وجہ سے کیا' حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا۔'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئے۔ ''مجھے کسی کی آہوں اور بددعاؤں سے ڈر لگتا ہے' میں کیسے فرقان کی بیوی کے ساتھ وہی ظلم کرتا جو تائی ماں نے عذیہ کے ساتھ کیا۔'' وہ شاید صفائی دے رہے تھے یا اپنے دل کی تسلی کے لیے ایسا کہہ رہے تھے۔

''کچھ وقت گزرے گا تو سب سمجھ جائے گی' نادان ہے کم عقل نہیں' آپ اتنا مت سوچیں پھر جس کی وجہ سے یہ ہوا وہ دونوں تو ولیمے میں جانے کی تیاری کر رہے ہیں' آپ ہی ایسا سوچ رہے ہیں۔'' ان کا اشارہ فرقان اور فرح کی طرف تھا۔

''وہ مجھ سے زیادہ ناراض ہے' اسے ایسا لگتا ہے کہ میں نے فرقان کو سپورٹ کیا اور اگر میں ایسا نہ کرتا تو.....'' انہوں نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اگر آج بھی آپ نہ گئے تو وہ آپ سے مزید بدگمان ہو جائے گی۔'' وہ دل میں ٹھان کر آئی تھیں کہ انہیں منا کر ہی دم لیں گی۔

❁.....◈.....❁

سرخ رنگ کا لباس زیب تن کیے' ڈائمنڈ کے سیٹ اور کلائیوں میں پہنے طلائی کنگن اور پارلر سے تیار ہو کر وہ کل کی نسبت بہت مختلف اور اچھی لگ رہی تھی' چہرے پر کل والی اداسی اور پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا مگر سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

''واؤ..... یہ لڑکی میری بہن ہی ہے ناں؟'' مدثر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولا تو وہ ہنس دی۔

''نہیں..... میری روح ہے۔'' وہ ہنسی روکتی ہوئی بولی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو۔'' اس کے کہنے پر وہ ہولے سے مسکرا دی' ہشم خان کے پاس کھڑی ذیشان بھیا نے بغور اس کی طرف دیکھا' اسے ہنستا دیکھ کر انہیں ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا' وہ دوبارہ ہشم خان کی جانب متوجہ ہوئے۔

''ہشم میرے پاس الفاظ نہیں ہیں' میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔'' اسے ساتھ لے کر وہ نسبتاً تنہائی والے گوشے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''اس کی ضرورت نہیں' بس دعا کریں میں اسے نارمل

زندگی کی طرف لانے میں کامیاب ہوجاؤں۔" وہ اپنائیت سے ذیشان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا' بس میری تم سے درخواست ہے کہ کبھی بھی اسے تنہا نہ چھوڑنا' بہت لاڈ اور پیار سے پالا ہے ہم نے اسے۔" ذیشان کی بات پر مہشم خان نے اسٹیج کی طرف دیکھا جہاں وہ ہنس ہنس کر مدثر سے باتیں کررہی تھی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے اسٹیج کے قریب آئے' دونوں بھابیاں بھی وہیں تھیں۔

ولیمے کی تقریب کے بعد عذبہ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ جانے سے انکار کردیا تھا' فرقان بھائی اس کی ناراضی سے واقف تھے اس لیے اصرار نہیں کیا تھا۔

❁.....◈.....❁

اتوار کا دن تھا' وہ دیر سے اٹھا..... ناشتہ کرتے ہوئے وہ اخبار دیکھ رہا تھا۔

"عبدالمعیز مارکیٹ سے کچھ سامان لادو گے؟" امی نے آ کر کہا۔

"لسٹ بنادیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ امی کچن میں چلی گئیں اس نے اخبار رکھ کر میگزین اٹھالیا۔ صفحات کو لاپروائی سے پلٹتے ہوئے اس کے ہاتھ تھم گئے' بصارت پتھرا گئی' بنا پلکیں جھپکائے وہ تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

"نامور بزنس مین مہشم خان کی شادی گزشتہ روز انجام پائی' دعوت ولیمہ میں نامور شخصیات کی شرکت۔" اس کے اندر شعلے بھڑکنے لگے' مہشم خان نے کس قدر استحقاق سے عذبہ کا ہاتھ تھام رکھا تھا' وہ دونوں ہی مسکرا رہے تھے۔

"تو یہ تھی تمہاری محبت' اتنی جلدی تم نے مجھے بھلادیا۔" اس نے نفرت سے اخبار اور میگزین لپیٹ کر زور سے میز پر پٹخا۔

"دولت میں بہت کشش ہوتی ہے' بھلا میں اپنی معمولی سی تنخواہ میں تمہیں کیا دے سکتا تھا۔" ناشتہ ادھورا چھوڑ کر وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔

❁.....◈.....❁

مہشم خان نے اسے سرسری انداز میں میکے جانے کے لیے کہا تو وہ ٹال گئی' پھر اس نے بھی دوبارہ بات نہ کی تاکہ وہ اس سے بھی بدگمان نہ ہوجائے۔ شادی کو دو ہفتے گزر گئے تھے۔ ان دو ہفتوں میں بھابیوں نے اسے کئی فون کیے مگر وہ گھر نہیں گئی' مدثر تو دن میں بیسیوں بار کال اور میسج کرتا تھا۔

مہشم خان گھر پر نہیں تھا' وہ لاؤنج میں بیٹھی میگزین دیکھ رہی تھی' خادم حسین کے آجانے سے وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"خادم حسین یہ "نور" کون ہے؟" اسے یوں اچانک اس سوال کی توقع نہ تھی۔ وہ گھبرا گیا' فوری طور پر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"وہ..... جی..... وہ صاحب کے والد صاحب۔" جلدی میں اسے یہی سوجھا۔

"اچھا....." وہ پُرسوچ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ "یہ بتاؤ....." خادم حسین کی گھبراہٹ اس سے مخفی نہ تھی۔

"چلو رہنے دو۔" اس نے دوبارہ میگزین اٹھالیا۔ خادم حسین نے بھی وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔

"کوئی بے وفا اور بے مروت ہو تو تمہارے جیسا۔" اپنے خیالوں میں گم بیٹھی تھی کہ مدثر کی آواز سن کر چونک گئی۔

"ابھی میں تمہیں ہی یاد کررہی تھی۔" اسے سامنے دیکھ کر عذبہ کو واقعی دلی مسرت ہوئی۔

"کوئی نہیں یاد کررہی تھی تم مجھے' ورنہ ملنے چلی آتیں' کم از کم ایک کال یا میسج تو ضرور کرتیں۔" وہ خفا ہوا۔

"ایسا نہیں ہے مدثر' تم سب جانتے ہو' تم تو ایسی باتیں مت کرو۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوئی۔

"میں سب جانتا ہوں اسی لیے تو کہہ رہا ہوں ختم کرو سب باتیں اور غصہ' وہاں سب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔" وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"میں تمہیں بہت مس کررہا ہوں۔" وہ افسردگی سے بولا۔

"مجھے بھی تمہاری یاد آتی ہے مدثر۔" وہ افسردگی سے بولی۔

"تم بھول گئی ہو سب' تمہیں یاد ہے' ہم ہر بات آپس میں شیئر کرتے تھے' ہم بیسٹ فرینڈز تھے۔"

"تھے نہیں' ہم ابھی بھی بیسٹ فرینڈز ہیں۔" اس نے ہیں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر میری بات مانو اور میرے ساتھ گھر چلو۔" اس کے اس طرح کہنے پر وہ لمحے بھر کو خاموش رہ گئی۔

"زندگی میں بعض حادثات ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے بہت پیارے' کسی بہت اپنے کو ہم سے دور بہت دور لے جاتے ہیں' رشتوں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ جانے کیوں اور کیسے لمحوں میں پیدا ہوجاتا ہے' پھر ہم لاکھ کوشش کرلیں وہ

فاصلہ سمٹتا ہی نہیں، ہم جتنا بھی قریب ہونے کی کوشش کریں وہ کسی سراب کی مانند ہم سے دور بھاگتے رہتے ہیں۔'' ایک طویل سانس فضا کے سپرد کر کے وہ خاموش ہوا۔

''مدثر ایسا تو کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ گھبرائی۔

''تمہیں ایسا لگتا ہے کہ اس حادثے نے صرف تمہیں اکیلا کیا ہے، کبھی ہمارے اندر بھی جھانک کر دیکھو، ہم نے بھی اپنا سب کچھ کھو دیا ہے...... اپنی اکلوتی بہن۔'' اس کے لہجے کا کرب عذبہ سے مخفی نہ رہا تھا۔

''میرا کوئی قصور نہیں ہے مدثر، میرا دل اب کسی پر بھی اعتبار کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔'' وہ بھیگے لہجے میں بولی۔

''رشتوں میں اعتبار بہت ضروری ہے عذبہ اور پھر ضروری نہیں کہ یہ ہر بار ٹوٹے۔'' وہ چلا گیا اور وہ دیر تک اس کے الفاظ میں کھوئی رہی تھی۔

❀......❀......❀

''فرقان میرا خیال ہے کہ ہم خود جا کر عذبہ کو لے آتے ہیں۔'' وہ آفس سے آیا تو فرح نے کہا۔

''کیوں؟'' جوتے اتارتے ہوئے اس نے نظریں اٹھا کر فرح کی طرف دیکھا۔

''وہ ناراض ہے سب سے۔'' فرح کو ان کے سوال پر حیرت ہوئی۔

''ہمارے ساتھ وہ بالکل نہیں آئے گی، تم اس کی فکر مت کرو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''آپ کی بہن ہے، میرے لیے اس کی خوشی، غم یا ناراضی بہت اہم ہے اور پھر جو کچھ ہوا اس کے ساتھ اس میں وجہ کہیں نہ کہیں تو میں بھی ہوں۔'' جو بات اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی آج اس کی نوک زبان پر آ ہی گئی تھی۔

''تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے یار۔'' وہ کوٹ لٹکا کر پلٹی تو فرقان نے ہاتھ پکڑ کر اسے ساتھ بٹھایا۔ ''اسے صرف غلط فہمی ہے کہ جو کچھ ہوا میری اور تمہاری وجہ سے ہوا تھا مگر جب اسے احساس ہوگا خود معافی مانگے گی اپنے رویے کی۔'' اس نے فرح کو مطمئن کرنا چاہا، وہ بھی مجبوراً مسکرا کر سر ہلانے لگی۔

''چائے پئیں گے؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''ہوں۔'' اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں۔ فرح باہر نکل گئی تھی۔

❀......❀......❀

وہ دونوں ڈنر کے لیے ریسٹورنٹ میں آئے تھے اور وہ مینو کارڈ ہاتھ میں تھامے مہشم خان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کیا کھائیں گی آپ؟'' اس نے پوچھا۔

''تھائی سوپ اور ریشمی کباب۔'' اس نے بتایا۔

''ایکسکیوز می۔'' مہشم خان نے ویٹر کو بلایا، اس کی پسند کے ساتھ اس نے بنگش فش اور اٹیلین سیلڈ بھی آرڈر کر دیا۔

''آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' اچانک مہشم خان نے سوال کیا۔

''جی پوچھیے۔''

''کیا آپ نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟'' اس کے اتنے صاف اور واضح انداز میں پوچھنے پر لحہ بھر کو تو وہ خاموش رہ گئی، مگر اگلے لمحے خود کو سنبھال کر گویا ہوئی۔

''عبدالمعیز سے تو بالکل نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''عبدالمعیز کون؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

''میرا کزن اور......'' وہ فوراً ہی خاموش ہوگئی، زبان نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

''اور کیا عذبہ؟'' اسے نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے وہ بولا۔

''میرا ایکس فیانسی۔'' الفاظ بمشکل اس کے منہ سے ادا ہوئے تھے۔

''او آئی سی۔'' مہشم خان نے ہونٹ سکیڑے۔

''بھیا نے آپ کو بتایا ہوگا۔'' اسے اچنبھا ہوا۔

''شاید کچھ بتایا تو تھا، میں بھول گیا تھا۔'' اس نے کہا۔

''اتنی امپورٹنٹ بات آپ کیسے بھول گئے؟'' اسے یقین نہ آیا۔

''میرے لیے وہ امپورٹنٹ نہیں تھا اس لیے۔'' آرڈر سرو ہوا تو وہ محبت بھرے اصرار کے ساتھ اسے ہر چیز کھلا رہا تھا۔

''میرے لیے یہ بات امپورٹنٹ ہے کہ اب آپ میری بیوی ہیں، اور یہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔'' وہ بہت آرام سے بات کر رہا تھا۔ اس کا لہجہ اور آنکھیں اس کے الفاظ کی صداقت کا ثبوت دے رہی تھیں۔ وہ بس اسے دیکھتی ہی رہی۔

''میں پرفیکشن پر یقین نہیں رکھتا، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ

پرفیکٹ ہے یا جسے وہ چاہتا ہے وہ پرفیکٹ ہو تو یہ غلط ہے' انسان کو اس کی خامیوں اور خوبیوں سمیت قبول کرنا ہی عقل مندی ہے۔'' مہشم خان سوپ کی جانب متوجہ ہوا جبکہ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کیسا لگا سوپ؟'' اس نے اچانک عذبہ کے حیران اور الجھے چہرے پر نظر ڈالی۔

''بہت مزے کا۔''

''میں یہاں اکثر آتا ہوں اور بلیوی آج سے پہلے کچھ بھی اتنا اچھا نہیں لگا تھا۔''

''میں مدثر سے بہت محبت کرتی ہوں' وہ صرف میرا بھائی ہی نہیں میرا بیسٹ فرینڈ بھی ہے۔'' اس نے اچانک کہا۔

''صرف مدثر؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ خاموش ہی رہی۔

''اینی ویز.....'' اس نے سر جھٹکا۔ ''محبت ایک بہت ہی وسیع جذبہ ہے' اسے ایک دو بندوں تک محدود نہیں رکھنا چاہیے۔'' اس نے مدبرانہ انداز میں کہا۔ ''جیسے میں اپنے گھر' بزنس' خادم حسین اور اب آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ اس کی بات پر عذبہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

''کیا آپ مجھ سے محبت نہیں کرتیں؟'' اس اچانک حملے کے لیے وہ بالکل تیار نہ تھی' حیرت سے لب نیم وا کیے اسے دیکھتی رہی۔

''پتا نہیں۔'' وہ اچانک جیسے ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی اور سر جھٹک کر کباب کی جانب متوجہ ہوگئی۔ ''یہ بہت مزیدار ہیں۔'' اس کی بات کا اثر زائل کرنے کے لیے بولی۔

''مجھ سے محبت چاہے کرو یا نہ کرو' مگر مجھ سے نفرت کبھی نہ کرنا کیونکہ رشتوں کو کھونے سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

''میں بھلا کیوں نفرت کروں گی آپ سے؟'' اسے مہشم خان کی بات پر حیرت ہوئی' اس کی باتیں کبھی کبھی اسے الجھا دیتی تھیں۔ وہ ایسا ہی تھا۔

''آپ نے کسے کھویا ہے' جو آپ اتنا ڈر گئے ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''میں نے بہت کچھ کھویا ہے عذبہ۔'' اس نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔

''مثلاً.....'' وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''پھر کبھی بتاؤں گا۔'' وہ ٹال گیا' بل ادا کر کے وہ اٹھے تو عذبہ ایک دم جیسے سناٹے میں آ گئی۔ مہشم خان باہر کی سمت بڑھا مگر وہ پتھر کا بت بنی وہیں کھڑی رہی۔ اس کی دھڑکنیں رکنے لگی تھیں۔

سامنے عبدالمعیز کھڑا تھا۔ وہ ان سے پچھلی میز پر بیٹھا تھا۔ اب پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا وہ جان بوجھ کر ان کی باتیں سننے کے لیے وہاں رکا گیا تھا۔

''کوئی اتنی جلدی بھی محبت کو بھلا سکتا ہے؟ حیرت ہے۔'' اس کے قریب آتے ہوئے اس نے طنز کا نشتر چلایا۔ عذبہ نے باہر جاتے ہوئے مہشم خان کو دیکھا۔

''اونہہ محبت.....'' اس نے سر جھٹکا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی مہشم خان کے قریب پہنچ گئی' عبدالمعیز انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسے مہشم خان کے ساتھ دیکھ کر اپنی شکست کا بھرپور احساس ہو رہا تھا۔

''سی سائیڈ چلیں؟'' مہشم خان نے موڑ کاٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''موڈ نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اچھا.....!'' وہ حیران ہوا۔ ''ابھی تو آپ کا موڈ بالکل ٹھیک تھا' ایک دم سے کیا ہوا؟''

''تھک گئی ہوں۔'' اس نے بہانہ بنایا اور پھر مہشم خان نے بھی ضد نہ کی اور گاڑی گھر کی جانب موڑ دی۔

گاڑی سگنل پر رکی تو پھول بیچنے والی لڑکی ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ مہشم خان نے اس سے تمام پھول لے کر عذبہ کی گود میں رکھ دیے۔

''تھینک یو.....'' وہ مسکرائی' اس کا موڈ بحال ہوتے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

❁.....◈.....❁

''عبدالمعیز۔'' وہ آفس سے آ کر سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ثمینہ اس کے پیچھے آئی' آنکھیں موندے وہ ایزی چیئر پر بیٹھا تھا۔

''جی۔'' اس نے آنکھیں کھولیں مگر انداز نشست میں کوئی فرق نہ آیا۔

''ناراض ہو مجھ سے؟'' وہ شرمندہ تھی' بھائی سے نظریں

ملانے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

"نہیں۔" وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ "آپ سے بھلا کیوں ناراض ہونے لگا۔" اس نے ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔ "ان فیکٹ میں کسی سے بھی ناراض نہیں ہوں اور ناراض تب ہوتا اگر میں خود بے قصور ہوتا اور میری بزدلی میرا سب سے بڑا قصور ہے۔" اس کا شکستہ لہجہ ثمینہ کو مزید شرمسار کر گیا۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا میری وجہ سے ہی ہوا' میں نے امی کو بہت سمجھایا تھا مگر انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔" عبدالمعیز خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "جبکہ میں تو قسمت کے چکر میں اجڑی اور تمہیں امی کی خودغرضی نے....." دانستہ وہ خاموش ہوگئی۔ "عذبہ کیسے رہے گی تمہارے بغیر' یہ خیال مجھے چین نہیں لینے دیتا۔" عبدالمعیز کے چہرے پر اذیت کے آثار تھے۔

"وہ بہت خوش ہے اپنے ہزبینڈ کے ساتھ۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"تمہیں کیسے پتا؟" وہ چونکی۔

"میں لنچ کرنے کے لیے ریسٹورنٹ گیا تھا' وہاں وہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ بیٹھی تھی' بہت خوش اور مطمئن۔" اس کے لبوں پر زہرخند مسکراہٹ آئی۔

"جس سے آپ سب سے زیادہ محبت کرتے ہوں اس کے بغیر رہنا بہت مشکل ہوتا ہے عبدالمعیز' مگر تم جتنی جلدی اس حقیقت کو تسلیم کرلو تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہے۔" اس نے سمجھانا چاہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے' اتفاق سے اس سے سامنا ہوا' میں ٹھیک ہوں' آپ فکر مت کریں۔" وہ نگاہیں چراتے ہوئے بولا۔

"تم باہر آجاؤ میں چائے بناتی ہوں' ہم مل کر پیتے ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"میں فریش ہوکر آتا ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اقرار کرنا پڑا' وہ بہن کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

❁.....◈.....❁

"آپ کی پھوپو نے ہمیں دعوت پر انوائیٹ کیا ہے۔" رات کے کھانے پر مہشم خان نے اسے بتایا تو منہ کی طرف جاتا ہوا اس کا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے میرا رشتہ ٹوٹنے کے بعد ہمارے گھر کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا' اگر کوئی آتا تو زخموں پر نمک پاشی کرکے چلا جاتا' اب آپ کے اسٹیٹس سے امپریس ہوکر رابطے بڑھانے کی کوشش کررہے ہیں' کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو آئندہ کسی سے بات کرنے کی۔" اس نے مچ واپس پلیٹ میں رکھا۔ مہشم خان سے کچھ بھی تو چھپا ہوا نہ تھا۔ اس نے بھی یہ بات صاف کہہ دی۔

"اوکے' ریلیکس' آئندہ بات نہیں کروں گا' مگر آپ کھانا تو کھائیں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"بھوک نہیں ہے۔" وہ اٹھنے لگی تو مہشم خان نے ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھایا۔

"پلیز..... بات کو اتنا سیریس مت لیں' انہوں نے کال کی اور میں نے آپ کو بتادیا۔" اس کے مزاج کے خلاف بات ہوئی تھی اس لیے وہ خفگی سے کھڑی تھی اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے ایک ہفتے کے لیے آفس کے کام سے مری جانا ہے۔" اچانک یاد آنے پر اس نے بتایا۔

"تو میں کہاں رہوں گی اتنے دن؟" وہ متفکر ہوئی' مہشم خان نے بھی اس کا دھیان بٹ جانے پر دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

"آپ ذیشان کی طرف چلی جائیں۔" اس نے فوراً حل پیش کیا۔

"میں وہاں ہرگز نہیں جاؤں گی۔" اس نے بغیر کوئی لگی لپٹی رکھے صاف کہا۔

"اوہ تو اب کیا کریں' آئی مین آپ گھر پر اکیلی بھی تو نہیں رہ سکتیں ناں۔" وہ پیشانی کو انگلی سے مسلتے ہوئے بولا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" اس نے کچھ ہچکچا کر کہا۔

"میں کام میں بزی ہوں گا آپ بور ہوجائیں گی۔"

"آپ سے شکایت نہیں کروں گی۔" اس کے مان جانے پر وہ خوش ہوئی۔

"اوکے آپ پیکنگ کرلیں' ہم کل لاہور جائیں گے' پھر وہاں سے مری۔" اس نے عذبہ کو پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

❁.....◈.....❁

"بیگم صاحبہ آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔" پیکنگ کرنے

کے بعد وہ فریش ہو کر بالوں میں برش کر رہی تھی جب ملازمہ نے اطلاع دی۔

''مجھ سے ملنے؟'' اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''جی۔'' اس نے سر ہلایا' کچھ سوچتے ہوئے دوپٹا اوڑھ کر وہ نیچے آ گئی۔

''السلام علیکم!'' اسے دیکھ کر ذیشان بھیا اٹھ کھڑے ہوئے' انہیں اچانک سامنے دیکھ کر وہ سکتے میں رہ گئی۔

''وعلیکم السلام!'' وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے' اسے دیکھ کر چونکے ہاتھ اس کے سر پر رکھا تو اس کا دل عجیب انداز سے دھڑکا۔

''یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔'' انہوں نے سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھے شاپرز کی طرف اشارہ کیا۔

''تھینک یو۔'' اس نے ایک سرسری سی نظر ان چیزوں پر کی اور کارپٹ کو گھورنے لگی۔

''دراصل میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' انہوں نے بلا تمہید مدعا بیان کیا' اس کا جھکا ہوا سر تیزی سے اٹھا۔

''ارے واہ..... آج سورج کہاں سے نکلا تھا؟ بڑے بڑے لوگ ہمارے گھر آئے ہوئے ہیں۔'' مہشم خان بشاشت سے کہتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''چلو اچھا ہوا آپ آ گئے' عذبہ بھی مل لی آپ سے' دراصل آج رات کی فلائٹ سے ہم لوگ لاہور جا رہے ہیں۔'' ذیشان اٹھ کر اس سے بغل گیر ہوا۔

''اچھا..... خیریت؟'' انہوں نے ایک نظر خاموش بیٹھی عذبہ پر ڈالی۔

''دراصل آفس کے کام سے مری جانا ہے' تھوڑا سا کام لاہور میں بھی ہے' پھر وہاں سے اپنی گاڑی میں جائیں گے اور ساتھ کچھ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی' عذبہ ذرا نادیہ (ملازمہ) سے کہنا اچھی سی چائے لے آئے۔'' مہشم خان نے خیالوں میں گم بیٹھی عذبہ سے کہا۔

''جی۔'' اس نے وہاں سے اٹھ جانے میں ہی عافیت جانی۔

''مری سے واپسی پر ہماری طرف ضرور آنا۔'' جانے سے پہلے اس کے پاس کھڑے وہ مہشم خان کو کہہ رہے تھے جبکہ وہ سر جھکائے لب کاٹتی رہی' مہشم خان ان کے ساتھ باہر تک گیا' وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

❁.....◈.....❁

ایئرپورٹ سے گاڑی انہیں لینے آئی تھی' مہشم خان نے فون پر ڈرائیور کو اپنے آنے کی اطلاع کر دی تھی' جس وقت وہ گھر پہنچے رات کے اڑھائی بجے کا وقت تھا۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' بیڈروم میں آ کر مہشم خان نے عذبہ سے پوچھا۔

''نہیں میں سونا چاہتی ہوں۔'' اس کی آنکھیں نیند کے باعث سرخ ہو رہی تھیں۔

''چائے یا کافی؟'' اس نے مزید پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں..... بس تھکن بہت ہے۔'' وہ لیٹتے ہوئے بولی۔ مہشم خان اٹھنے لگا۔

''سنیں۔'' وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ''یہ ہاشم خان کون ہے؟'' عذبہ نے سوال کیا۔

''میرے ڈیڈی۔''

''واٹ.....؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''مگر خادم حسین تو کہہ رہا تھا کہ آپ کے فادر کا نام نور تھا۔'' مہشم خان نے بری طرح چونکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''اس نے ایسا کیوں کہا' حیرت ہے؟'' وہ پل بھر کو رکا' ''خیر..... آپ سو جائیں۔'' اسے بیڈروم میں چھوڑ کر وہ باہر نکل گیا' کچھ ہی دیر میں وہ سو گئی تھی۔

قدم قدم پر گزرے وقت کی یادیں بکھری ہوئی تھیں' وہ داخلی دروازے کی سمت دیکھ رہا تھا۔ جہاں کچھ لوگ ڈیڈی کو چارپائی پر ڈالے لے رہے تھے' ممی رو رہی تھیں' نانی اماں انہیں سنبھالنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ یکا یک منظر بدلا' ممی دلہن بنی کھڑی تھیں۔

''ممی مجھے چھوڑ کر نہ جائیں۔'' ننھا سا وجود ان کے دوپٹے کا پلو تھامے حیران اور خوف زدہ نظروں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔

''ممی مجھے آپ کے ساتھ جانا ہے۔'' ایک اور آواز ابھری۔ انہوں نے آہستگی سے دوپٹا چھڑایا' وہ جا رہی تھیں۔

''ممی..... ممی.....'' ننھا وجود نانی کی بانہوں میں مچل رہا تھا۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے انہیں جاتا دیکھتا رہا۔

''آپ کو پتا ہے پھولوں کی کیئر نہ کی جائے' ان سے محبت کرنا چھوڑ دی جائے' یہ بھی خفا ہو جاتے ہیں اور یہ اپنی خفگی کا

اظہار مرجھا کر کرتے ہیں' پھولوں کی یہ بات بہت غلط ہے کہ منانے کا موقع بھی نہیں دیتے۔'' وہ گلاب کے پودے کے پاس کھڑی تھی' مہشم خان تیزی سے آگے آیا تھا۔

''تم بھی تو مجھ سے روٹھ کر چلی گئیں' منانے کا ایک موقع تو دیتیں' تم یہ کیوں بھول گئیں کہ تم سے میں اس پوری دنیا میں زیادہ محبت کرتا ہوں۔'' وہ گلاب کے اس پودے کے پاس آ کھڑا ہوا' اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

''واٹ از امیزنگ۔'' وہ ہنس رہی تھی۔ ''لوگ پھول تو ایک دوسرے کو گفٹ کرتے ہیں' آپ نے تو پورا گلاب کا پودا ہی مجھے گفٹ کر دیا یہ میری لائف کا سب سے ڈفرینٹ اور ویلیو ایبل گفٹ ہے' ہر صبح اٹھنے کے بعد میں اسے دیکھنا چاہوں گی۔'' وہ مسکرا رہی تھی' اس کی مسکراہٹ پھولوں سے زیادہ خوب صورت تھی۔

''نور.....'' وہ پنجوں کے بل پودے کے پاس بیٹھ گیا' محبت سے پھولوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے دل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ''کیوں چھوڑ کر چلی گئیں تم مجھے' کاش تم ایک بار تو میرے بارے میں سوچتی۔'' تمام رات اس نے سارے گھر میں یادوں کی کتاب کے بکھرے اوراق کو جمع کیا تھا۔

❁.....◈.....❁

صبح آنکھ کھلتے ہی اس کی نظر تکیے کے قریب رکھے سرخ گلابوں کے گلدستے پر جا ٹھہری' وہ خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کا شکار ہوتی اٹھ بیٹھی اور پھول اٹھا لیے۔

''یہاں بھی پھول۔'' اسی وقت مہشم خان اندر داخل ہوا۔

''یس.....'' وہ مسکرایا۔ ''ہم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جائیں ہر صبح یہ مہکتے ہوئے پھول آپ کو ضرور ملیں گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''دیکھ لیں میں عادی ہوتی جا رہی ہوں ان پھولوں کی' اور اگر کسی دن آپ بھول گئے تو مجھے لگے گا' کچھ بہت امپورٹنٹ مسنگ ہے' میں بہت فیل کروں گی۔'' وہ محبت سے پھولوں پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

''ہم اگر بوڑھے بھی ہو گئے ناں تو ہاتھ میں چھڑی تھامے صبح سویرے آپ کے لیے پھول لینے نکل جایا کریں گے۔'' وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا۔

''ہاؤ رومینٹک۔'' وہ ہنس دی اور گلدستے میں سے ایک پھول نکال کر اس کی طرف بڑھایا جسے تھامنے میں اس نے ایک لمحہ نہیں لگایا تھا۔

''تھینکس۔'' پھول لے کر اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ ناشتے کے بعد وہ لوگ مری کے لیے روانہ ہو گئے۔ سفر اچھا گزرا تھا' مہشم خان بہت احتیاط سے ڈرائیونگ کر رہا تھا' پہاڑی وادی میں گھرا ہوا ہٹ نما گھر بہت خوب صورت تھا' چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ آنکھوں کو تر و تازگی بخش رہا تھا' انواع و اقسام کے پھول ماحول کو خوش گوار بنا رہے تھے گاڑی سے اترتے ہی اسے سردی کا احساس ہوا تھا' مہشم خان کی ہمراہی میں چلتی ہوئی وہ اندر آ گئی تھی۔

''یہ گھر بھی آپ کا ہے؟'' اس نے اشتیاق سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''ہاں یہ بھی ہمارا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں تیرتے پسندیدگی کے رنگ وہ صاف پڑھ سکتا تھا۔

''بہت خوب صورت ہے یہ گھر..... جسٹ لائیک اے ڈریم لینڈ۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھ گئی۔ مہشم خان نے آتش دان میں آگ جلائی' صوفے پر بیٹھی وہ دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔

''نور کو بھی یہ گھر بہت پسند تھا' وہ بھی یہاں آ کر بہت ایکسائٹڈ ہو جایا کرتی تھی۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا' اس نے جلدی سے عذبہ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی' اس نے نہیں سنا تھا۔ مہشم خان نے اپنی رکی ہوئی سانس بحال کی۔

''چائے پیو گی یا کافی؟'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''کافی۔'' وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی' کچھ ہی دیر میں مہشم خان کافی بنا کر لے آیا۔

''بہت مزیدار ہے کافی۔'' اس نے پہلا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''یس' آئی نو..... میں کافی بہت مزیدار بناتا ہوں۔'' وہ کپ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے اداسی سے مسکرایا۔

''اچھا یہ کس نے بتایا؟'' وہ شریر لہجے میں بولی' مہشم خان نے جواب نہیں دیا' بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ''ایک بات پوچھوں؟'' وہ بغور مہشم خان کے تاثرات کو جانچتے ہوئے بولی۔

''شیور۔'' وہ چونکا۔

''کیا آپ کسی لڑکی کو پسند کرتے تھے؟'' اس کی بات پر وہ ساکت رہ گیا۔ ''آئی مین کسی سے محبت نہیں کی کبھی؟'' اس نے فوراً سوال بدلا۔

''کرتا ہوں محبت' بہت زیادہ کرتا ہوں۔'' عذبہ کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا' وہ پل بھر کو خاموش ہوا۔

''آپ سے۔'' مہشم خان نے اس کی طرف دیکھا' اس نے گویا اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔

''سچ بتاؤں تو مجھے محبت کرنے کے لیے ٹائم ہی نہیں ملا..... اِدھر اُدھر دیکھنے کی شروع سے ہی عادت نہیں تھی' اسٹڈی' پھر بزنس' اپنی لائف سیٹ ہوئی تو پہلی نظر آپ پر پڑی' آپ اچھی لگیں' شادی کرلی اور آپ سے محبت ہوگئی۔'' اس نے تفصیلی جواب دیا۔

''لیکن ایک بات میں آپ سے کہوں گا' محبت آزاد فضاؤں میں اڑنے والے پنچھی کی طرح ہے' اسے اگر مٹھی میں قید کرنے کی کوشش کرو تو بہت جلد مر جاتی ہے۔'' اس کی بات پر چند ثانیے وہ خاموشی سے مہشم خان کو دیکھتی رہی' وہ کیا جتانا چاہ رہا تھا وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''مگر اپنی چیز کی حفاظت اور خیال رکھنا بھی تو ضروری ہے بعض اوقات ذرا سی لاپروائی ہماری سب سے بڑی خطا بن جاتی ہے۔'' وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ مہشم خان سمجھ نہ سکا۔

''انسانوں اور چیزوں میں بہت فرق ہوتا ہے عذبہ۔'' اس نے رسانیت سے سمجھایا۔ ''چیزوں کو بچانے کے لیے احتیاط شرط ہے مگر رشتوں کو بچانے کے لیے احترام اور اعتبار بہت ضروری ہے' ان میں سے اگر ایک بھی چیز چلی جائے تو سمجھو ہم نے اپنا بہت قیمتی سامان کھو دیا۔'' اس نے بغور مہشم خان کے چہرے کو دیکھا۔

''تو ڈاؤٹ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر اعتبار کرنا بھی کبھی کبھار ہمارے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے کیونکہ جن پر ہم زیادہ اعتبار کرتے ہیں وہی ہمیں اندھا ثابت کردیتے ہیں۔'' اس نے مہشم خان کی بات سے صاف انکار کیا۔

''دیکھو عذبہ' سچویشن اور وقت پر ڈپینڈ کرتا ہے' ضروری نہیں ہر بار وقت ہمیں آزمائے۔''

''آپ کی لاجک میری سمجھ سے باہر ہے۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔ مہشم خان ہنس دیا۔

''مجھے اچھا لگا آپ نے مجھ سے اختلاف کیا' نیک پروین قسم کی بیویاں مجھے اچھی نہیں لگتیں' ان فیکٹ شوہر کی جو بات بری لگے کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' مہشم خان کافی کے کپ اٹھا کر چلا گیا جبکہ وہ صوفے پر نیم دراز ہوگئی تھی۔

❀.....◈.....❀

''تمہیں پتا ہے عذبہ اپنے ہزبینڈ کے ساتھ ہنی مون منانے مری گئی ہے۔'' وہ ایک لمحے کے لیے چونکا پھر فوراً سنبھل کر بولا۔

''اچھی بات ہے۔'' اس نے نظریں فائل پر مرکوز رکھیں۔

''کیا یہی بات تمہارا دل بھی کہہ رہا ہے؟'' مائرہ اس کے عین سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔

''ہاں۔'' اس نے لب سختی سے بھینچ لیے۔

''غلط' بالکل غلط۔'' وہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ''تمہیں پتا ہے تمہاری آنکھیں تمہارے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہیں' تم نے پھوپو کی بات مان کر صرف اپنے ساتھ برا کیا ہے' اس کا نقصان نہیں ہوا۔'' وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''تم تو یہی چاہتی تھی ناں' تو پھر اب خوش ہوجاؤ۔'' اس کے لہجے کی پھنکار وہ واضح محسوس کرسکتی تھی۔

''جن سے محبت کی جاتی ہے ناں عبدالمعیز' انہیں دکھ میں دیکھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی' دل بے چین ہونے لگتا ہے' تمہارا درد مجھے اپنے دل میں محسوس ہوتا ہے۔'' وہ اس کے سامنے آ بیٹھی' دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''اتنے خاموش کیوں ہوگئے ہو' کیا میں نہیں جانتی عذبہ کے جانے سے تم کتنے.....''

''پلیز مائرہ.....'' اس کے دل میں درد اٹھا تو ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

''مت لو اس سنگدل اور بے وفا کا نام میرے سامنے۔'' اس کے چہرے کی رنگت زرد ہونے لگی تھی۔

''سنگدل وہ نہیں تم ہو' بے وفائی اس نے نہیں تم نے کی ہے۔'' پتا نہیں وہ عذبہ کی حمایت کررہی تھی یا اسے اس کی بے حسی کا احساس دلانا چاہ رہی تھی۔

''اتنی جلدی مجھے بھلا دیا' شادی کرلی' اسے تم کیا کہو گی؟'' اس کے دل کا درد اس کے لہجے اور آنکھوں سے عیاں تھا۔

''جو رسوائیاں تم نے اس کے مقدر میں لکھ دی تھیں' تمہیں لگتا ہے وہ اس کے بعد بھی تمہارا انتظار کرتی' پتا نہیں یہ تمہاری محبت ہے یا پھر خود غرضی۔'' اس نے استہزائیہ انداز

میں کہا۔ ''اور پھر ہر لڑکی مائرہ نہیں ہوتی عبدالمعیز کہ بار بار ٹھکرائے جانے اور دھتکارے جانے کے بعد بھی محبوب کا در نہ چھوڑے۔'' آج پہلی بار وہ اس کی باتوں کو یوں خاموشی سے سن رہا تھا ورنہ تو ہمیشہ سختی سے چپ کروا دیتا تھا۔

''میری اور عذبہ کی محبت میں بہت فرق ہے' میری محبت یک طرفہ ہے اور تم دونوں.....'' وہ بات مکمل نہ کر پائی اور نگاہیں جھکا لیں۔ ''یک طرفہ محبت بڑی جان لیوا ہوتی ہے عبدالمعیز' پل پل امیدیں ٹوٹتی ہیں' آس کا دیا ہاتھ لگنے سے پہلے ہی بجھ جاتا ہے دو طرفہ محبت میں بھی کم نقصان نہیں ہوتے اور کبھی کبھی انا محبت کی سنہری مچھلی کو کسی بے رحم مگرمچھ کی طرح نگل لیتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا عبدالمعیز.....'' وہ رو دی۔ ''محبت انسان کو تکلیف کے سوا کچھ نہیں دیتی۔''

''محبت میں بزدلی ناقابل معافی جرم ہے مائرہ' میری بزدلی نے سب کچھ ختم کر دیا۔''

''یہی قسمت میں لکھا تھا عبدالمعیز۔'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ کر ہلکا سا دبایا۔

''انسان کب تک اپنی غلطیوں کو قسمت کے کھاتے میں ڈالتا رہے گا' وہ میری تھی' میں نے خود اسے کھو دیا' میں کیسے رہوں گا اس کے بغیر مائرہ۔'' وہ اس کے سامنے اپنا دکھ بیان کر بیٹھا اور اس میں بھی مائرہ کا ہی ہاتھ تھا۔ وہ چاہتی تھی عبدالمعیز بولے تاکہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو سکے۔

❁.....◈.....❁

اس کی آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا' اس نے بتیاں جلائیں اور کھڑکی سے پردہ ہٹایا' شام ہو چکی تھی نیچے وادی میں اندھیرا پھیل رہا تھا' اچانک اس کا موبائل بجنے لگا مدثر کی کال آ رہی تھی۔

''بھول گئیں ہمیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔ وہ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں؟''

''بہت بے وفا لڑکی ہو یار اتنا نہیں ہوا وہاں پہنچ کر ایک کال یا ٹیکسٹ ہی کر دیتی۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

''آئی ایم سوری۔'' اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا' کچھ دیر بات کر کے اس نے فون بند کر دیا تھا۔

❁.....◈.....❁

مہشم خان واپسی پر اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لایا تھا۔

''اس گھر میں کوئی ملازم آئی مین کک وغیرہ نہیں ہے؟'' کھانا کھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''نہیں..... یہاں میں بہت کم آتا ہوں اور سیلف سروس سے ہی کام چلاتا ہوں کیونکہ آفس کے کاموں کے لیے زیادہ تر باہر ہی رہتا ہوں تو لنچ اور ڈنر تو عموماً باہر ہی ہو جاتے ہیں۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''یہ گھر بہت خوب صورت ہے۔'' وہ ایک بار پھر کہہ اٹھی۔

''پتا نہیں کیوں محبت کرنے والے سب ہی لوگوں کو یہ گھر بہت بھاتا ہے' ڈیڈی نے اسے بہت شوق اور محبت سے بنوایا تھا مگر اس کے بننے کے چھ ماہ بعد ہی ان کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔''

''آپ اپنے ڈیڈی سے بہت محبت کرتے تھے؟''

''بہت زیادہ' وہ بہت اچھے انسان تھے عذبہ۔'' جواب میں وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''کھانا کھا لو پھر ہم باہر چلتے ہیں۔''

''اس سردی میں؟ میری تو قلفی جم جائے گی۔'' اس نے توبہ کی۔

''اگر آپ مری آئی ہیں تو سردی کا مقابلہ کریں۔'' اسے سردی سے ڈرتے دیکھ کر وہ ہنسا۔

''آپ کی ماما کی ڈیتھ کب ہوئی؟'' اس نے اچانک پوچھا۔ مہشم خان نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''وہ زندہ ہیں۔'' اس کے چہرے پر ایک تاریک سایہ سا لہرایا تھا۔

''تو پھر.....'' اس کی بات ادھوری رہ گئی' مہشم کا موبائل بجنے لگا تو وہ اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔

❁.....◈.....❁

صبح آنکھ کھلنے پر پھولوں کا گلدستہ اس کے سرہانے رکھا اس کا منتظر تھا' جسے دیکھ کر وہ ہنس دی' مہشم خان تیار ہو کر چلا گیا تھا۔ دوپہر میں کال کر کے اسے یاد کروایا کہ شام میں تیار رہے۔

''السلام علیکم!'' شام کو وہ آیا تو عذبہ اس کی منتظر تھی۔

''ریڈی ہو جائیں' میں نے کہا بھی تھا میرے آنے تک تیار رہنا۔'' اس نے ایک نظر اس کے سادہ سے حلیے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں..... تیار ہو چکی ہوں۔'' اس نے ایک نظر اپنے

لباس پر ڈال کر کہا۔
"یہ آپ تیار ہوئی ہیں.....!" اس کی آنکھیں تحیر کے عالم میں پھیلتی چلی گئیں۔
"جی۔" خفت کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "آپ مطمئن نہیں تو میں چینج کرلیتی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔
"ویسے آپ کو کسی انتہائی کنجوس اور بدذوق شخص کی بیوی ہونا چاہیے تھا۔" اس کی بات پر وہ ہنس دی۔ "بال کھول لیں۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے بالوں کو کیچر کی قید سے آزاد کیا' اسٹیپس میں کٹے اس کے خوب صورت بال شانوں پر بکھر کر اسے ایک نئی اور بہت پیاری لک دے رہے تھے۔ "لپ اسٹک تھوڑی ڈارک کریں۔" ایک نیا حکم دیا۔ گھر سے نکلے تو سرد ہواؤں کے تھپیڑوں نے ان کا استقبال کیا۔ وہ کافی دیر اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔
"آئس کریم کھاؤ گی؟" گاڑی روکتے ہوئے اس نے پوچھا۔
"نہیں۔" اس سردی میں آئس کریم کھانے کے تصور سے ہی وہ کانپنے لگی تھی۔
"آپ کے اندر کوئی بوڑھی روح گھس گئی ہے' جسے میں باہر نکال کر ہی دم لوں گا' عموماً لڑکیاں ایسے موسم میں آئس کریم بہت شوق سے کھاتی ہیں۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی جبکہ عذبہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔
انہوں نے بہت ساری شاپنگ کی' عذبہ نے مدثر کے لیے کچھ تحائف بھی خریدے تھے۔
"بڑے بھائیوں اور بھابیوں کے لیے بھی کچھ خرید لیں۔" اسے کہنا پڑا۔
"اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے صاف منع کردیا۔ مہشم خان نے ان سب کے لیے بھی تحفے خریدے۔ اس کے بعد انہوں نے ڈنر کیا' واپسی پر گاڑی مہشم خان نے ایک بہت بڑی عمارت کے سامنے روک دی۔ جس کی پیشانی پر بڑا سا بورڈ لگا تھا جس پر "پناہ" لکھا ہوا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" وہ مہشم خان سے پوچھنے لگی۔
"یہ پناہ گاہ ہے بے سہارا خواتین کے لیے۔" گاڑی لاکڈ کرتے ہوئے وہ اسے بتانے لگا' جیسے ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئے سامنے سے مختلف عمروں کی بہت ساری لڑکیاں بھاگتی ہوئی اس کے پاس آگئیں۔
"مہشم بھائی کیسے ہیں آپ؟"
"مہشم بھائی اس بار اتنی دیر سے کیوں آئے؟"
"مہشم بھائی میں آپ کو بہت یاد کررہی تھی۔" ایک بہت چھوٹی سی لڑکی معصومیت سے بولی۔ مہشم خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔
"مہشم بھائی یہ کون ہیں؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگیں۔
"یہ میری مسز ہے' عذبہ مہشم خان۔" اس نے تعارف کروایا۔
"آپ نے شادی کرلی اور ہمیں انوائیٹ بھی نہیں کیا؟" وہ ناراض ہونے لگیں۔
"شادی اچانک ہوئی اور وہ بھی سادگی سے' کسی کو بھی انوائیٹ نہیں کرسکا' اس کے لیے معذرت مگر میں اپنی بہنوں کی ایک اچھی سی دعوت ضرور کروں گا۔" عذبہ نے محسوس کیا کہ مہشم خان ان سب سے سگے بھائیوں کی طرح پیار کرتا ہے' اس کی آنکھوں میں بہت احترام تھا ان سب کے لیے' وہ ان سب کے ساتھ چلتا ہوا اندر آگیا۔
"مہشم بھائی میرا موبائل لائے ہیں؟" ایک لڑکی نے پوچھا۔
"سب چیزیں لایا ہوں' جس نے جو بھی کہا تھا' ابھی میں مسز فاروقی سے مل لوں۔ آپ لوگ تب تک اپنی بھابی کو کمپنی دیں۔" اسے ان کے پاس چھوڑ کر وہ آفس میں چلا گیا۔
"السلام علیکم سر۔" مسز فاروقی اسے دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں۔
"کیا رپورٹ ہے' مسز فاروقی؟" سلام کا جواب دے کر وہ بیٹھ گیا۔
"پچھلے ڈیڑھ ماہ میں دس لڑکیاں اور آئی ہیں' باقی تو ایڈجسٹ ہوگئی مگر ایک لڑکی الگ تھلگ رہتی ہے' کھانا پیتی بھی کم ہے' کبھی کبھی بہت جارحانہ ہوجاتی ہے۔" انہوں نے ساری تفصیل بتائی۔
"کہاں ہے' میں اس سے ملتا ہوں' پھر دیکھتے ہیں۔" مسز فاروقی کے ساتھ راہداری سے گزرتے ہوئے وہ اس کے کمرے میں پہنچا۔ وہ سامنے کرسی پر بیٹھی تھی۔
"نور....." مہشم خان آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔ اتنے سالوں کے بعد اسے سامنے دیکھ کر وہ ساکت کھڑا رہ گیا تھا' وہ لڑکی اسے گھور رہی تھی۔ ایک دم جیسے وہ ہوش میں آیا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا؟" اس نے مڑ کر مسز فاروقی سے پوچھا۔

"لاریب۔" وہ قریب آتے ہوئے بولیں' اس لڑکی نے مہشم خان کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا ہے' مجھے بتاؤ؟" مہشم خان نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تو اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھرنے لگیں۔

"میرے بھائی اور بھابی نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا؟" عذبہ دروازے میں آ کھڑی ہوئی' وہ لڑکی زار و قطار روتے ہوئے۔ مہشم خان کو اپنی کہانی سنا رہی تھی۔

"مہشم مجھے گھر جانا ہے۔" اسے بری طرح گھبراہٹ ہونے لگی' مہشم نے مزید وہاں رکنے کا ارادہ ترک کیا اور واپسی کے لیے تیار ہو گیا۔ لڑکیوں نے عذبہ کو بہت سارے تحائف دیے اور دوبارہ آنے کا وعدہ لے کر اسے جانے دیا تھا۔

❁.....◈.....❁

گاڑی میں صرف عذبہ کے رونے کی آواز ابھر رہی تھی۔ اس نے اسے چپ نہیں کروایا' وہ خود بھی چاہتا تھا کہ آنسوؤں کے ذریعے اس کا کچھ غم کم ہو جائے' گاڑی گھر میں داخل ہوئی' اسے لاؤنج میں چھوڑ کر وہ کچن میں چلا آیا۔

"یہ پانی پی لیں۔" مہشم خان نے پانی کا گلاس اسے تھمایا۔

"کوئی بھائی اپنی بہن کو کیسے گھر سے نکال سکتا ہے؟" اسے حیرت کے ساتھ ساتھ دکھ بھی ہوا۔

"نکال سکتے ہیں۔" مہشم خان اس کی ذہنی کیفیت سے واقف تھا۔

"بلکہ غیرت کے نام پر قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

"ایسا کیوں ہوتا ہے؟" اس کی آنکھوں کے سامنے ان سب بے سہارا لڑکیوں کے چہرے گھوم رہے تھے۔ "ایسے وقت میں تو اپنوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے مگر....." اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔

"ہاں یہ بہت دکھ کی بات ہے کہ کچھ لوگوں کو اپنی انا' اکڑ اور نیک نامی رشتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے' ان فیکٹ لڑکیوں سے زیادہ کیونکہ یہ معاشرہ تو ہے ہی مردوں کا' ان کے گناہ اور غلطی کو فراموش کر دیا جاتا ہے مگر عورت بے قصور ہو کر بھی معتوب ٹھہرا دی جاتی ہے۔"

"عورت مرد سے کتنی محبت کرتی ہے' ہر رشتے میں باپ' بھائی' شوہر اور پھر بیٹا..... مگر مرد کیا کرتا ہے اس کے ساتھ؟" وہ بہت اپ سیٹ ہوئی۔

"ویسے سب مرد تو برے نہیں ہوتے عذبہ۔" اس نے تصویر کا دوسرا رخ بھی نامحسوس انداز میں اسے دکھانا چاہا۔

"جیسے مدثر کو دیکھ لو' کتنا لونگ اور سپورٹر بھی ہے۔"

"میرے سب بھائی بہت اچھے ہیں۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"اور اپنے ہزبینڈ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"آپ اس دنیا کے سب سے اچھے ہزبینڈ ہیں۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی جبکہ وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیا تھا۔

❁.....◈.....❁

تمام رات وہ بے چین رہی اور کروٹیں بدلتی رہی' صبح کافی دیر سے اٹھی۔ وہ کل سے اپنے بھائیوں' اپنی زندگی اور اپنے حالات کا مقابلہ ان لڑکیوں سے کر رہی تھی' مہشم خان نے اس پُرسوچ کے لیے در وا کر دیے تھے' یہی اس کا مقصد تھا عذبہ کو وہاں لے کر جانے کا اس نے اپنے لیے کافی بنائی اور کمرے میں آ گئی' مہشم خان جا چکا تھا عذبہ کا موبائل ہپ دے رہا تھا۔ اس نے بے خیالی میں کال اٹینڈ کی۔

"ہیلو....."

"پلیز عذبہ..... فون بند مت کرنا۔" عبدالمعیز کی آواز وہ لمحوں میں پہچان گئی تھی۔

"ایک بار میری بات سن لو۔" شدید خواہش کے باوجود وہ فون بند نہ کر سکی۔

"تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔" اس نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہا۔

"بہتر ہو گا آپ آئندہ مجھے کال نہ کریں۔" اس نے کسی قسم کے لحاظ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا کزن اور دوست بھی ہوں' تم بھول گئیں کہ ہم نے کتنا سارا وقت ساتھ گزارا' کیا اب اتنا بھی حق نہیں رہا میرا کہ تم سے بات کر لوں۔" اس کی بے رخی نے عبدالمعیز کو تڑپا دیا تھا۔

"ایکسکیوزمی..... آپ کا کسی قسم کا کوئی حق نہیں اب' میں اپنے ہزبینڈ کے ساتھ بہت خوش ہوں' وہ میرے بہت اچھے

دوست ہیں ان کے علاوہ اگر مجھے کسی دوست کی ضرورت ہے تو وہ میرا بھائی مدثر ہے۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔ وہ اسے کسی قسم کی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

"ہاں..... اب تو خوش ہوگی تم' اتنا امیر کبیر شوہر جو ملا' اب ہم جیسے تنخواہ دار معمولی کزن کہاں یاد ہوں گے۔" اس نے طنز کیا۔

"آپ کو جو کہنا ہے کہیں' مجھے اب واقعی کوئی پرواہ نہیں' پہلے میں سمجھتی تھی کہ آپ بدل گئے ہیں' مگر اب سمجھ میں آیا کہ درحقیقت آپ بے نقاب ہوئے ہیں۔" وہ زہرخند لہجے میں بولی۔

"یہی اصلی چہرہ ہے آپ کا' جسے پہچاننے میں دیر کی میں نے۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی اس کا انداز بیگانگی لیے ہوئے تھا۔

"تم جو مرضی کہہ لو کہ میری پروا نہیں ہے مگر جانتا ہوں تم کبھی بھی مجھے بھول نہیں سکتیں۔" وہ پُریقین لہجے میں بولا تو عذبہ کا مارے غصے کے برا حال ہوا۔

"شرم آنی چاہیے آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے اور یہ محض آپ کی خام خیالی ہے' شادی سے پہلے واقعی مجھے ایسا لگتا تھا' مگر میرے ہزبینڈ اتنے اچھے' سوفٹ اینڈ کائنڈ ہارٹڈ ہیں کہ میں نے سب کچھ بھلا دیا۔" عذبہ کی بات سے عبدالمعیز کے غصے میں اور اضافہ ہوا۔

"لگتا ہے اب تو تمہارے ہزبینڈ سے ملنا ہی پڑے گا۔" وہ صاف تمسخر اڑا رہا تھا۔ اس نے غصے سے کال منقطع کردی' مہشم خان سامنے کھڑا تھا اور نہ جانے کتنی دیر سے کھڑا تھا۔

"وہ..... مدثر..... کی..... کال تھی۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی' الفاظ اس کا ساتھ چھوڑ رہے تھے' مہشم خان خاموشی سے اس کے فق ہوتے چہرے کو دیکھ رہا تھا' اس کے سیل پر کال آرہی تھی' اس نے دیکھا' مدثر کا نمبر تھا۔

"ہیلو۔"

"مہشم بھائی کب سے عذبہ کا نمبر ٹرائی کررہا ہوں' مگر بزی جارہا ہے' پلیز اس سے بات کروائیں' مجھے فوری بات کرنی ہے۔" مہشم موبائل فون کان سے لگائے وہ مسلسل عذبہ کو دیکھ رہا تھا' اس کی آنکھوں میں خوف و پریشانی کے سائے تھے' وہ اضطراری انداز میں انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"لو مدثر سے بات کرو۔" مہشم خان نے موبائل اسے تھمایا اور خود باہر نکل گیا تھا۔

❁.....◈.....❁

"ذیشان' پلیز سوپ پی لیں کیوں بچوں کی طرح ضد کررہے ہیں۔" فریحہ ان کے لیے سوپ لائیں اور اب اصرار کررہی تھیں کہ وہ پی لیں' مگر وہ پینے سے انکاری تھے۔

"جی نہیں چاہ رہا۔" وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے' انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا کچھ دیر قبل ہی انہیں اسپتال سے ڈسچارج کیا گیا تھا۔

"بڑے بھیا..... پلیز تھوڑا سا پی لیں۔" مدثر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"جب دل چاہے گا پی لوں گا۔" انہیں اس طرح بیمار اور بستر پر پڑا دیکھ کر سب پریشان تھے۔

"بڑے بھیا' ہمیں بہت فکر ہورہی ہے آپ کو ایسے دیکھ کر۔" مدثر نے پیالہ بھابی کے ہاتھوں سے لیا۔ "پلیز بھیا' آپ کو عذبہ کی قسم یہ سوپ پی لیں۔" اس نے ایسی بات کہہ دی کہ اب وہ انکار بھی نہیں کرسکتے تھے' خاموشی سے پیالہ مدثر کے ہاتھ سے لیا اور سوپ پینے لگے مگر ان کے چہرے سے بیزاری مترشح تھی۔

❁.....◈.....❁

مدثر سے بات کرنے کے بعد وہ موبائل لے کر باہر آئی' دروازے سے آگے بڑھنے کی اس میں ہمت نہیں ہورہی تھی' صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے' آنکھیں موندے وہ بیٹھا تھا' بمشکل چلتی ہوئی وہ اس کے قریب آئی۔

"یہ..... موبائل۔" اس کی گھبرائی ہوئی آواز مہشم خان کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میز پر رکھ دیں۔" اس کے انداز نشست میں کوئی فرق نہ آیا۔ اسی طرح آنکھیں موندے بیٹھا رہا' موبائل میز پر رکھ کر وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"آپ نے کہا تھا ہم ڈنر باہر کریں گے' میں تیار ہوجاؤں؟" اس نے ہمت مجتمع کرکے پوچھا' مہشم خان کی خاموشی اسے عجیب سی لگ رہی تھی۔

"موڈ نہیں ہے میرا..... آپ کو جو کھانا ہے بتادیں' میں منگوا دیتا ہوں۔" وہ سیدھا ہوا۔

"نہیں....." وہ آنسو ضبط کرتی واپس مڑ گئی۔ مزید کچھ کہنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا۔

"اس کا مطلب ہے وہ سب کچھ سن چکے ہیں' کیسے ان کی

غلط فہمی دور کروں۔" کمرے میں بیٹھی اضطراب کے عالم میں وہ اس کی راہ دیکھ رہی تھی' دوپہر سے شام اور پھر شام سے رات ہوگئی مگر وہ کمرے میں نہ آیا۔ وہ کئی بار کمرے کے دروازے تک آئی مگر ہر بار ہمت ساتھ چھوڑ دیتی' بالآخر اس نے بات کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

"کچھ کھائیں گے میں لے آؤں؟" اس کی آواز کا بھیگا پن اسے صاف محسوس ہوا' ایک نظر اس پر ڈال کر مہشم خان نے پھر نگاہیں پھیر لیں۔

"سر میں درد ہے' کچھ کھانے کا موڈ نہیں۔" وہ کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے بولا۔ لہجے کا بیگانہ پن ہنوز برقرار تھا۔

"لائیں میں سر دبا دیتی ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" مہشم خان نے اس کا ہاتھ ہٹایا۔ "میں ریسٹ کرنا چاہتا ہوں' مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔" وہ اندر چلا گیا اور عذبہ کا دل ایک بار پھر بھر آیا۔

"بس یہی تھی آپ کی محبت..... اتنا ہی حوصلہ تھا آپ میں..... آپ بھی عام مردوں جیسے نکلے۔" اسے وہاں بیٹھے بہت دیر گزر گئی تھی۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے وہ سوچوں میں غلطاں تھی۔

"اندر چل کر سو جائیں' صبح ہمیں واپس جانا ہے۔" عذبہ نے تیزی سے سر اٹھایا اور اس کے تنے ہوئے نقوش دیکھے' اس کے چہرے کے تاثرات اس کے لہجے سے زیادہ سخت تھے۔

"آپ مجھ سے لڑیں' ڈانٹیں' برا بھلا کہہ لیں مگر پلیز اس طرح مجھ سے ناراض مت ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ناراض نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ موسم سے زیادہ سرد تھا۔

"اگر ناراض نہیں ہیں تو مجھ سے بات کیوں نہیں کررہے' میری طرف دیکھتے کیوں نہیں؟" وہ عین اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی' اس کی آنکھوں کی سطح پر تیرتی نمی سے مہشم خان نظریں چرا گیا۔

"میں پہلے ہی بہت کچھ کھو چکی ہوں' آپ کو کھونا نہیں چاہتی' آپ تو ایسے نہ تھے..... پلیز ایسا مت کریں۔" اس کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر گرنے لگے۔ "مجھ سے بات کریں' چاہے غصے سے ہی سہی۔" وہ منت سے بولی۔

"بس چپ۔" مہشم خان نے اس کے آنسو انگلی کی پوروں پر چن لیے۔ "میں ناراض تو نہیں ہوں یار....." اسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر وہ اندر آ گیا' اسے بٹھا کر خود بھی پاس بیٹھ گیا۔ "میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں میں کبھی بھی آپ سے ناراض نہیں ہوں گا' مگر میں ہرٹ ضرور ہوا ہوں عذبہ۔" لہجے میں ازلی نرمی اور دوستانہ پن عود کر آیا تھا۔

"پرامس میں دوبارہ کبھی عبدالمعیز سے بات نہیں کروں گی۔" اس کے بات کرنے سے گویا عذبہ کے مردہ جسم میں جان پڑ گئی تھی۔

"آپ سے کس نے کہا میں عبدالمعیز سے بات کرنے پر ناراض ہوا ہوں۔"

"تو پھر؟" اسے حیرت ہوئی۔

"آپ کو پتا ہے ہم کسی سے جھوٹ کب بولتے ہیں؟" اس نے پل بھر توقف کیا' عذبہ اسے دیکھتی رہی۔

"جب ہمیں اس پر اعتبار نہیں ہوتا' ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سچ سننے کے بعد وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا اور مجھ سے جھوٹ بول کر آپ نے ثابت کردیا کہ آپ مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں۔" وہ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔

"میں ڈر گئی تھی' مجھے لگا کہ اگر آپ کو بتایا کہ عبدالمعیز سے بات کررہی تھی تو آپ کو برا لگے گا۔" اس نے گال رگڑے۔

"مجھے کیوں برا لگے گا؟ وہ آپ کا کزن ہے' آپ بات کریں یا ملیں' ہماری شادی ہوئی ہے' میں نے آپ کو خریدا نہیں ہے کہ مجھ سے پرمیشن لے کر ہر کام کرنا ہے آپ نے۔" اس نے وضاحت کی تو عذبہ اس کے ظرف کو دل ہی دل میں سراہنے لگی۔ "اور آپ یہ کیوں بھول گئیں کہ ہماری دوستی کا اصول ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔" اس نے یاد دلایا۔

"سوری..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا' بس میں نے آپ کی ناراضی کے ڈر سے جھوٹ بولا تھا۔" وہ شرمندہ ہوئی۔

"جھوٹ بول کر ہرٹ کرنے سے بہتر ہے کہ سچ بول کر ناراض کردو' دوبارہ کبھی بھی ایسا مت سوچنا کہ میں آپ کے متعلق کچھ غلط سوچوں گا۔"

"تھینک یو مہشم۔" اس نے ممنونیت سے کہا۔

"اب کچھ کھالیں؟" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ کے سر میں درد ہے اور کچھ کھانے کا موڈ بھی نہیں۔" وہ منہ پھلا کر مصنوعی خفگی سے گویا ہوئی۔

"سر درد ٹھیک ہوگیا ہے اور بھوک بھی لگنے لگی ہے اب۔" مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"اب اگر میرا موڈ نہ ہو تو؟" وہ شریر ہوئی۔

"تو میں خفا ہو جاؤں گا۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ہوتے ہیں تو ہوا کریں اب میں نہیں مناؤ گی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولی۔ ہنستے ہوئے وہ دونوں کچن میں آ گئے تھے۔

❁.....◈.....❁

"عبدالمعیز۔" وہ سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ امی کی آواز سن کر اٹھ بیٹھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

"امی آپ مجھے بلا لیتیں کوئی کام تھا؟"

"کب تک اس کی شادی کا سوگ مناؤ گے زندگی میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔" وہ اس کے پاس آ بیٹھیں۔

"میں کسی کا سوگ نہیں منا رہا۔" وہ سپاٹ انداز سے بولا۔

"وہ بھی خوش ہے اپنی زندگی میں تم بھی....."

"نہیں ہے وہ خوش۔" اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

"خوش ہوتی تو واپس بھائیوں سے ملنے تو آتی مگر وہ شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں آئی۔"

"تم کیوں اس کی اتنی خبریں رکھ رہے ہو؟" وہ تیکھے پن سے بولیں۔

"امی..... ساتھ ساتھ گھر ہیں ہمارے۔" اس نے کچھ خفگی سے ان کی طرف دیکھا۔ "اتنا تو پتا چل ہی جاتا ہے۔"

"میں نے کافی جگہ ثمینہ کے لیے کہہ رکھا ہے جیسے ہی اس کی کہیں بات بنی ساتھ ہی تمہاری شادی بھی کر دوں گی۔" وہ سکون سے کہہ رہی تھیں۔

"اگر ثمینہ آپا کی بات کہیں اور ہی طے کرنی تھی تو میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولا۔

"میں نے پہلے صرف ایک بات کی تھی مگر جب انہوں نے ثمینہ کے لیے انکار کیا تو مجھے شدید غصہ آیا بس میں نے بھی سوچ لیا کہ ان کی بیٹی کو بھی سزا ملنی چاہیے۔" وہ نفرت سے پھنکاریں۔

"سزا صرف آپ کے بیٹے کو ملی ہے آپ کی ضد نے سب سے زیادہ میرا نقصان کیا ہے۔" وہ ایک بار پھر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔

"کوئی نقصان نہیں ہوا تمہارا..... اس سے زیادہ اچھی لڑکی لاؤں گی تمہارے لیے۔" اس کے جذبات سے بے خبر وہ اپنی کہہ رہی تھیں۔ وہ لب بھینچے پڑا رہا تھا۔

❁.....◈.....❁

ذیشان اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ کچھ دیر قبل فریحہ انہیں دوا کھلا کر گئی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے۔

"بھیا....." آواز سن کر انہوں نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں انہیں یہ سب اپنا وہم لگا۔

"عذبہ.....!" ان کا مرجھایا چہرہ یک دم روشن ہوا۔ "میری گڑیا....." اتنے عرصے کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے وہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

"مجھے معاف کر دیں بھیا میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا میں بہت بری ہوں۔" وہ ان کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی۔

"نہیں میرے بچے..... تمہارا کوئی قصور نہیں حالات نے اچانک ایسا پلٹا کھایا کہ ہم سب ہی شاکڈ تھے۔" وہ ہیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"آپ تو میرے بھائی بھی اور بابا بھی ہیں پتا نہیں میں کیسے یہ بات بھول گئی تھی۔"

"بس بھی کرو یار۔" مدثر بھی وہاں آ گیا اس کے پیچھے ہی فرقان بھیا اور فرح بھابی بھی تھے۔ اس کے آ جانے سے وہ سب بہت خوش نظر آ رہے تھے۔

شام کو وہ سمیر اور مدثر کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہی تھی سامنے بڑے بھیا بیٹھے انہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے اپنے گھر کی چھت پر کھڑا عبدالمعیز بغور عذبہ کے دمکتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

❁.....◈.....❁

"کیسے ہیں آپ؟" وہ اپنے کمرے میں آئی تو مہشم خان کی کال آ گئی۔

"فی الحال تو بہت اچھا ہوں..... لیکن اگر آپ نے واپسی کی راہ نہ لی تو برا بھی بن سکتا ہوں۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا۔

"اچھا تو دھمکی دے رہے ہیں بڑے بھیا سے شکایت کروں گی آپ کی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اوہ....." اس نے مصنوعی ٹھنڈی سانس خارج کی۔ "بھائی سے صلح کروا کر ہم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار لی۔"

"خیر آج شام میں آفس سے واپسی پر آپ کو پک کروں

گا۔" اب کی بار وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"آج نہیں' میں ایک دو دن تک آجاؤں گی۔" اس نے فوراً منع کیا۔
"اوکے مگر ایک دو دن سے زیادہ نہیں..... ورنہ میں پولیس لے کر پہنچ جاؤں گا۔" اس کی بات نے اسے لطف دیا' وہ دیر تک ہنستی رہی۔
"اچھا ویسے مجھے اندازہ نہ تھا کہ میکے آنے سے ایسے قدر بڑھتی ہے اپنے شوہر کے سامنے۔" وہ ایک بار پھر غیر سنجیدہ ہوئی۔
"مگر یہ بے چارہ شوہر تو پہلے ہی بیوی کی بہت قدر کرتا ہے۔" وہ اس کے موڈ کی خوش گواری کو بھانپ چکا تھا۔
"بڑے بھیا مجھے شاپنگ کے لیے لے رہے ہیں' واپسی میں دیر ہو جائے گی ورنہ میں آج ہی آجاتی۔" اس نے بتایا۔
"نہیں یار! اٹس اوکے..... نو پرابلم' ایزی ہو کر شاپنگ کرنا۔" اس نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔
"تھینکس۔"
"آج میں بہت اداس ہوں' کسی بہت اپنے قریبی عزیز یار دوست کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گیا۔
"اوہ..... خیریت' میں آجاتی ہوں۔" وہ متفکر ہوئی۔
"نہیں گھر جا کر فریش ہو جاؤں گا۔ ڈونٹ وری..... خادم حسین سے کہہ کر اچھی سی چائے پیوں گا۔"
"ایک تو یہ خادم حسین....." وہ منہ پھلا کر بولی۔
"کیوں' کیا کہا خادم حسین نے؟" اس نے استفسار کیا۔
"کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے خادم حسین آپ کی پہلی بیوی ہے اور میں دوسری۔"
"ہاہاہا....." مہشم خان ہنسا۔ "بیوی تو نہیں پہلی محبت کہہ لو۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔
"اچھا اور میں؟" وہ خونخوار ہوئی۔
"آپ آخری۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔ "آپ کو جیلسی فیل ہوتی ہے اس سے؟" وہ عذبہ کی باتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔
"جی ہوتی ہے اور بہت زیادہ ہوتی ہے..... اوور اسمارٹ بنتا ہے' جب آپ آفس سے واپس آتے ہیں تو ایسے منتظر کھڑا ہوتا ہے جیسے میں نہیں وہ آپ کی بیوی ہو۔" وہ جل کر بولی۔
"اچھا.....!" مہشم خان نے بھرپور قہقہہ لگایا۔
"دراصل وہ شروع سے میرے ساتھ رہتا ہے' بہت خدمت کی ہے اس نے میری' اسی لیے میرے دل میں بھی اس کی بہت قدر ہے' بہت بھلا آدمی ہے' آپ کی بھی بہت رسپیکٹ کرتا ہے۔" مہشم خان نے اس کی طرف داری کی۔
"جی بالکل اور آپ نے اس سے پوچھا نہیں کہ آپ کے فادر کا نام کیوں غلط بتایا۔" مہشم خان چونکا اور پھر فوراً سنبھل بھی گیا۔
"وہ..... ہاں وہ کہہ رہا تھا مجھے بیگم صاحبہ کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔" اس نے بات بنائی۔
"دراصل اس کی سمجھ میں صرف آپ کی بات آتی ہے۔" وہ بولی۔
"اوکے..... سی یو۔" مہشم خان نے کسی کے آجانے پر فوراً سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

❁.....◈.....❁

عبدالمعیز اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا' اس نے جب سے عذبہ کو چچا کے گھر دیکھا تھا' دل پھر سے کسی ضدی بچے کی طرح مچلنے لگا تھا۔
"عذبہ....." اسے وہ سامنے سیڑھیوں پر کھڑی دکھائی دی' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔ "پلیز صرف ایک بار میری بات سن لو۔" وہ لجاجت سے گویا ہوا۔
"راستہ چھوڑو میرا۔" وہ واپسی مڑی۔
"ایسا مت کرو میرے ساتھ۔" ندامت کے مارے اس سے نگاہیں اٹھانا مشکل ہوا۔
"ان سب باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں۔" اس نے ایک نظر دیکھتے ہوئے کہا۔
"امی نے مجھے بہت مجبور کیا' ورنہ میں تو تم سے بہت محبت....."
"تم محبت نہیں کرتے تھے مجھ سے عبدالمعیز۔" وہ درشتی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "جن سے محبت کی جاتی ہے ناں انہیں یوں بیچ راہ میں نہیں چھوڑا جاتا۔" وہ واپس مڑی۔
"کیا تم خوش ہو؟"
"آف کورس۔" وہ ہنسی۔ "میں بہت خوش ہوں' مہشم خان مجھے اداس ہونے ہی نہیں دیتے' میں مہشم خان کے ساتھ بہت

اچھی زندگی گزار رہی ہوں اور بہت پیار ہے۔"

"اور اگر تمہیں واقعی مجھ سے کبھی محبت تھی تو میں تمہیں اس کے بوجھ سے آزاد کرتی ہوں۔"

"محبت بوجھ نہیں ہوتی عذبہ۔"

"جو نبھا نہ سکیں ان کے لیے یہ بہت بڑا بوجھ ہوتی ہے۔" وہ جا چکی تھی اور عبدالمعیز کو ایسا محسوس ہوا کہ اس نے اپنی بہت قیمتی متاع کھو دی ہو۔

"عذبہ....." وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تو لاؤنج میں فرقان بھیا سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"جی بھیا۔" وہ فوراً ان کے قریب آئی۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا؟" وہ ابھی تک شرمندہ تھے۔

"پلیز بھیا....." وہ احتجاجاً بولی۔ "بھول جائیں ناں سب۔"

"بخدا میں خود غرض نہیں تھا' فرح تم سے زیادہ عزیز نہ تھی مجھے مگر میں....."

"آپ نے بالکل ٹھیک کیا' آپ نے وہ نہیں کیا جو عبدالمعیز نے میرے ساتھ کیا' یہ سراسر خود غرضی ہوتی اگر آپ ایسا کرتے۔" اس کی باتوں سے فرقان کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوگیا تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہارا دل بہت ٹوٹا ہے' تم اور عبدالمعیز ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر.....!"

"ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے بھیا۔" اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"فرح بہت گلٹی فیل کرتی رہتی ہے کہ اس کی وجہ سے تمہارے ساتھ اتنا برا ہوا۔"

"ان کا تو اس پورے واقعے میں کوئی قصور نہیں ہے۔" اس نے پل بھر کو توقف کیا۔ "اب اس ٹاپک پر ہم کوئی بات نہیں کیا کریں گے کبھی بھی' جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔" اس نے بات ختم کر دی۔

"بدر کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی کام ہے؟" انہوں نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی بھیا' دراصل مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس وقت؟" وہ حیران ہوئے' رات ہوگئی تھی۔

"مہشم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اس لیے....."

"میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔" انہوں نے آفر کی اور گاڑی کی چابی لینے اندر چلے گئے جبکہ عذبہ اپنا سامان لینے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

❁.....◈.....❁

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے بوجھل قدموں کے ساتھ چلتا ہوا وہ اندر کی جانب بڑھا' ایک ہاتھ میں لیپ ٹاپ کا بیگ تھا دوسرے پر کوٹ ڈالے وہ اندر آیا تھا۔

"صاحب۔" خادم حسین کی آواز سن کر وہ رک گیا۔

"آپ....."

"آج ۱۴ دسمبر ہے خادم حسین۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر خادم حسین کو بولنے سے منع کیا۔

"صاحب بس کر دیں نور بی بی کا غم منانا' آپ کی زندگی میں آپ کی بیوی آ گئی ہے' اس گھر میں خوشیوں کو داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔" خادم حسین پچھلے کئی سالوں سے اس کی یہ حالت دیکھ رہا تھا۔

"نور کے بعد خوشیاں مجھ پر حرام ہوگئی ہیں خادم حسین' یہ غم اور دکھ قرض ہیں مجھ پر' جنہیں مرتے دم تک چکانا ہے مجھے۔" کہہ کر وہ رکا نہیں اپنے کمرے میں آ گیا۔

کچھ دیر بیٹھا ماضی کی راکھ کریدتا رہا پھر البم نکال کر بیٹھ گیا۔ سب زخم پھر سے تازہ ہونے لگے تھے' اچانک اسے نہ جانے کیا ہوا کہ وہ البم وہیں چھوڑ کر باہر کی جانب بڑھا' اس کا رخ نور کے کمرے کی طرف تھا۔ اپنے آپ میں مگن وہ باہر گاڑی کی آواز بھی نہ سن سکا عذبہ نے مسکراتے ہوئے بیڈ روم میں قدم رکھا۔

اسے سرپرائز دینے کے لیے بغیر بتائے فرقان بھیا کے ساتھ آ گئی تھی' سامنے البم کھلا ہوا تھا اس نے بے خیالی میں ہی اسے اٹھا لیا۔ البم دیکھتے ہی سامنے ایک بے حد خوب صورت لڑکی کی تصویر تھی' اس نے جلدی جلدی اگلی تصویریں دیکھیں اور شاکڈ رہ گئی۔ ہر تصویر میں مہشم خان اس کے ساتھ تھا' کہیں ہاتھ پکڑے تو کہیں گلے میں بانہیں ڈالے مسکراتے ہوئے وہ دونوں بہت خوب صورت' خوش اور مکمل لگ رہے تھے۔ البم رکھ کر وہ باہر نکل آئی۔ سامنے کمرے کی بتی جل رہی تھی اور آج پہلی بار اس نے اس کا دروازہ کھلا دیکھا تھا۔

اس نے تھوڑا سا دروازہ کھولا سامنے ہی مہشم خان بیڈ پر بیٹھا تھا' دروازے کی جانب پشت کیے وہ اردگرد سے بے نیاز

لگ رہا تھا۔

"مجھے ایک موقع تو دیتیں' کیا تم نہیں جانتی تھیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں' کیوں چھوڑ کر گئیں تم مجھے' ایک بار تو میرے متعلق سوچ لیتیں۔" اس کی گمبھیر آواز عذبہ کے کانوں میں سیسہ انڈیل رہی تھی۔

"میں کبھی نہیں بھول سکتا تمہیں نور فاطمہ' نہ ہی اس بات کو بھول سکتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو کر چلی گئیں' منانے کا موقع تو دیتی' ایک بار تو میرے دل کی بات جاننے کی کوشش کرتیں۔" وہ رو رہا تھا' معافیاں مانگ رہا تھا۔

"مہشم خان....." وہ غصے سے کہتی ہوئی اس کے قریب آرکی۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ تیزی سے مڑا' عذبہ کو سامنے دیکھ کر وہ چکرا کر رہ گیا۔

"عذبہ.....!" سینے سے لگائی ہوئی تصویر کو اس نے پشت کی جانب کرلیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ عذبہ نے آگے بڑھ کر تصویر اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ وہی البم والی لڑکی یہاں بھی مہشم خان کے ساتھ تھی۔ اس نے فریم زور سے دیوار میں مارا' وہ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

"عذبہ....." وہ زور سے چلایا اور آگے بڑھ کر ٹوٹا ہوا فریم اٹھالیا اور بے تابی سے سینے سے لگالیا۔

"تو یہ تھی آپ کی حقیقت' اصلیت اور آپ کا اصلی چہرہ۔" وہ غصے سے پھنکاری' جبکہ مہشم خان بے جان بت کی مانند ساکت کھڑا رہا۔

"اتنا بڑا دھوکا' ایسا فراڈ' سفید جھوٹ..... میں آپ کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہوں' یہی کہا تھا ناں آپ نے؟" وہ صدمے سے بے حال ہوئی۔

"میں اپنے کزن سے فون پر بات کروں تو آپ ناراض ہوتے ہیں کیونکہ آپ میرے شوہر ہیں' مجھ پر صرف آپ کا حق ہے' خود آپ اپنی ناکام محبت کا سوگ منائیں' اس کی تصویر کو سینے سے لگا کر بیٹھیں اس کے خیال سے باتیں کریں' یہ سب جائز ہے اس لیے کہ آپ مرد ہیں۔" غصے سے اس کی رگیں تن گئیں' وہ گہرے صدمے سے دوچار تھی' کچھ ایسی ہی کیفیت مہشم خان کی بھی تھی۔

"آپ کو تو جھوٹ سے نفرت تھی ناں' منافقت آپ کے نزدیک ناقابل معافی گناہ ہے' پھر یہ سب کیا ہے؟" اس نے مہشم خان کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر اسے زور سے ہلایا۔

"بولتے کیوں نہیں آپ' جواب دیں۔" اس کی خاموشی عذبہ کو مزید تپا رہی تھی۔

"مجھے اکیلا چھوڑ دو پلیز۔" وہ رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"ایسے کیسے دھوکا دے سکتے ہیں آپ مجھے' آپ اس طرح نہیں کر سکتے' کہہ دیں یہ سب جھوٹ ہے مذاق ہے' مہشم آپ ایسے نہیں ہیں۔" وہ رو دی۔

"پلیز عذبہ ابھی چلی جاؤ یہاں سے..... میں اس وقت کچھ نہیں بتا سکتا....." اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"جا رہی ہوں اور اب تب میرے سامنے آئیے گا جب سچ بولنے کی ہمت ہو۔" روتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔

❁.....◈.....❁

اس نے روتے ہوئے مدثر کو کال کی' پریشانی کے عالم میں وہ فوراً گھر سے نکلا تھا۔

"کیا ہوا عذبہ؟" وہ اس کے پاس پہنچا تو وہ اکیلی بیٹھی رو رہی تھی۔

"مہشم بھائی کہاں ہیں' سب خیریت ہے ناں؟"

"عذبہ پلیز مجھے بتاؤ کیا ہوا؟" مگر اس نے کچھ نہ بتایا اور اس کے ساتھ واپس گھر آ گئی اور خاموشی سے اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ تمام رات اس نے اذیت میں گزاری تھی۔

"مہشم پہلے سے شادی شدہ ہیں۔" اس نے صبح ذیشان بھیا کو بتایا۔

"نہیں گڑیا۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "نور فاطمہ مہشم کی بہن تھی' سگی بہن' ڈیڈی کی ڈیتھ کے بعد اس کی ماما کی دوسری شادی ہو گئی تھی' بہن کو مہشم نے ہی پالا تھا' آج سے نو سال پہلے مہشم نے اس کی شادی کر دی تھی' اس کے اپنے شوہر سے جھگڑے رہنے لگے' مہشم خان نے بہت سمجھایا مگر حالات بگڑتے گئے' آخر کار وہ کہنے لگی کہ شوہر سے طلاق لینا چاہتی ہے' مہشم نے غصے میں کہا کہ طلاق لے کر میرے پاس نہ آنا اور اس نے ایسا ہی کیا کہ طلاق لے کر سمندر میں کود کر اپنی جان دے دی' تم سے شادی سے پہلے مہشم نے مجھے یہ ساری بات بتائی تھی مگر تمہیں بتانے سے منع کیا تھا' اس کا کہنا تھا اس طرح تم یہ سمجھو گی کہ وہ تم پر ترس کھا رہا ہے' جب تم اس پر مکمل اعتبار کرنے لگو گی تو تمہیں خود ہی بتا دے گا۔" یہ سن کر وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہ رہی۔

"نور فاطمہ نے 14 دسمبر کو خودکشی کی تھی' ہر سال یہ دن مہشم

خان پر بہت بھاری گزرتا ہے۔'' ذیشان بھیا جا چکے تھے اسے اپنے دل پر بہت بڑا بوجھ محسوس ہوا۔

''یہ میں نے کیا کردیا۔'' اس نے سر پکڑ لیا تھا۔

❁.....◈.....❁

''عبدالمعیز .....'' وہ لان میں بیٹھا چائے پی رہا تھا جب گیٹ کھلا اور مائرہ سیدھی اس کے پاس آئی۔

''ہوں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے میگزین سے نظریں ہٹا کر اسے پل بھر کے لیے دیکھا۔

''امی میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے کچھ پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' اس کی بات پر مائرہ نے بغور اس کی جانب دیکھا۔

''تمہارے لیے اچھی بات ہوگی مگر میرے لیے نہیں۔'' وہ منہ پھلا کر بولی۔

''عبدالمعیز میری بات سنو پلیز.....'' اس نے میگزین اس کے ہاتھ سے لے کر میز پر پھینک دیا۔

''سناؤ۔'' اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' اس نے سیدھے سبھاؤ کہہ دیا' وہ اس کی جانب دیکھتا رہا۔ ''تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟'' اس کی خاموشی مائرہ کو اذیت دے رہی تھی۔

''میرا دل ایک ویران آجاڑ گھر کی طرح ہوگیا ہے مائرہ' تم زیادہ دن برداشت نہ کر پاؤ گی۔'' وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

''میں اس میں اپنی محبت کا دیا جلا لوں گی۔'' اس نے یقین سے کہا۔

''یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔''

''ناممکن تو نہیں ہوگا ناں؟'' وہ پیچھے نہ ہٹی۔

''میں تمہیں کچھ نہیں دے سکوں گا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''میں شکوہ نہیں کروں گی۔'' وہ پوری طرح تیار ہو کر آئی تھی اور اس نے کسی حد تک عبدالمعیز کو منا بھی لیا تھا۔ یہ تو وہ بھی جان گیا تھا کہ عذبہ اس کی دسترس سے بہت دور چلی گئی ہے کبھی بھی اس کے پاس واپس نہ آنے کے لیے۔

❁.....◈.....❁

حقیقت جان کر عذبہ چکرا کر رہ گئی تھی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا بھی کچھ ہوسکتا ہے۔

''وہ بہت اچھا ہے عذبہ' تم معافی مانگو گی تو وہ ضرور معاف کردے گا' کئی برسوں سے تنہا اس غم کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہے' تمہیں مہشم کو اس بوجھ آزاد کرانا ہوگا' اسے زندگی کی طرف واپس لانا ہوگا' جیسے وہ تمہیں لایا تھا۔'' ذیشان بھیا اسے گھر ڈراپ کرنے آئے تھے۔

''خادم حسین۔'' اندر داخل ہوتے ہی اسے خادم حسین نظر آیا۔ ''صاحب آفس سے آگئے؟'' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔

''صاحب آج آفس نہیں گئے انہیں بہت تیز بخار ہے۔'' خادم حسین پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

''ڈاکٹر کو نہیں دکھایا؟'' اس نے پُرتشویش لہجے میں پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحب آئے تھے' دوا لکھ کر دے گئے تھے' میں لے آیا ہوں۔'' اس نے دوائیاں اس کے ہاتھ سے لے لیں۔

''یہ مجھے دو۔'' وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی' کمرے میں قدم رکھا تو اندھیرے نے اس کا استقبال کیا اس نے آگے بڑھ کر بتیاں جلائیں۔

''بتی بند کردو خادم حسین۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر آنکھوں پر رکھ لیا' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آئی' چند ثانیے کھڑی اسے دیکھتی رہی اور الفاظ کو ترتیب دیتی رہی اور پھر اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''مہشم .....'' اس کی پکار پر مہشم خان نے فوراً آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا' اس کی نگاہوں میں چھپے شکوے وہ واضح پڑھ سکتی تھی۔ ''کیسی طبیعت ہے آپ کی اب؟'' اس نے استفسار کیا مگر جواب ندارد۔

''سوری مہشم۔'' وہ خاموش رہا' عذبہ نے دیکھا اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔

''آپ نے تو مجھے محبت کرنا سکھایا' رشتوں کو جوڑنے کا گر بتایا' پتا نہیں میں کیسے بھول گئی۔'' اس کی بند آنکھوں سے آنسو نکلے تو عذبہ کا دل کٹنے لگا۔

''مہشم آپ رو رہے ہیں؟'' اس کا گلا رندھ گیا۔

''میں بہت بدقسمت ہوں عذبہ' جسے ٹوٹ کر چاہتا ہوں' وہی مجھے توڑ کر رکھ دیتا ہے' نور فاطمہ نے بھی میرے ساتھ یہی کیا' میری کوئی بات نہ سنی' محبت سے کہی گئی ہزار باتوں کو بھلا کر

غصے میں کی گئی ایک بات کو دل پر لے لیا' مجھے تمام عمر وہ ایک لمحہ رلاتا رہے گا' جب میں نے اسے ڈانٹا اور اس نے کہا اب کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔" اس کا دکھ بہت بڑا تھا' عذبہ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

"یہ سب ایسے ہی ہونا لکھا تھا' آپ خود کو الزام مت دیں' اس دکھ اور درد کو اپنے اندر سے نکال دیں۔" عذبہ نے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"یہ درد تو میری متاع حیات ہے' اسے بھولنے کا مطلب نور کو بھولنا اور میں اسے کیسے بھول سکتا ہوں عذبہ' وہ میری بہن ہی نہیں میرا سب کچھ تھی' تم نہیں جانتی میں نے اسے کیسے پالا' ڈیڈی کی وفات کے بعد نانو نے ماما کی شادی کردی' اس دن وہ بہت روئی تھی' وہ بہت چھوٹی تھی تب مگر عذبہ..... اس کے بعد میں نے اسے کبھی رونے نہیں دیا تھا' بہت سی یادیں ہیں' کیا کچھ بھولوں' نہیں بھول سکتا۔" وہ رو رہا تھا' عذبہ اسے چپ کروانے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی۔ وہ خود بھی رونے لگی۔

"تم بھی چلی جاؤ' میں تو تنہائیوں اور خاموشیوں کا عادی ہو گیا ہوں' تم سے شادی اس لیے کی تھی کہ تم اپنوں پر اعتبار کھو چکی تھی' اس رات تمہیں سمندر کنارے کھڑا دیکھ کر مجھے ایسا لگا تھا جیسے نور میرے سامنے آ گئی ہو' میں اپنی بہن کو تو نہیں بچا سکا مگر....." وہ خاموش ہو گیا۔ "میں تمہارا رشتوں پر کھویا ہوا اعتبار واپس دلانا چاہتا تھا' وہ تمہیں مل گیا' تم اپنوں کے پاس چلی گئیں' میرا کیا ہے' میں....."

"مہشم پلیز....." اس نے مہشم خان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "مانتی ہوں میری غلطی بہت بڑی ہے مگر میں کیا کرتی' میں حقیقت سے تو واقف نہیں تھی ناں۔" وہ اس کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی۔

"میں معافی نہیں مانگ رہی' مجھے معاف نہ کریں' سزا دیں' مگر اتنی بڑی سزا مت دیں' آپ نے نور کو ڈانٹا تھا' وہ خفا ہو کر چلی گئی' مجھے ڈانٹیں' پر اس کہیں نہیں جاؤں گی میں۔"

"میں نے آپ کو معاف کیا' میں اپنے سب رشتے کھو چکا ہوں' مزید کسی نقصان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔" وہ نرمی سے اس کا ہاتھ سہلانے لگا۔

"آپ بہت اچھے ہیں مہشم۔" اس نے جوش جذبات میں اس کا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا لیا۔

"آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں ناں؟" اس نے تسلی چاہی۔

"نہیں....." اس نے سر نفی میں ہلایا۔ "میں نے مری میں تم سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی تم سے خفا نہیں ہوں گا اور میں اپنے وعدے سے کبھی پھرتا نہیں۔"

"میں نے جو بھی کہا غصے میں کہا تھا۔"

"میں جانتا ہوں مگر لمحوں میں چھوڑ دینے کی بات کر کے آپ نے مجھ پر میری اہمیت واضح کر دی۔"

"ایسا نہیں ہے' آپ میرے لیے سب سے زیادہ امپورٹنٹ ہیں' میں جانتی ہوں آپ کو بہت ہرٹ کر چکی ہوں' اب آپ میری بات پر یقین نہیں کریں گے مگر وقت آپ پر سب کچھ ثابت کر دے گا۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"مجھے آپ کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں' مجھے آرام کرنا ہے' ایسا لگتا ہے صدیوں سے جاگ رہا ہوں' پُرسکون نیند لینا چاہتا ہوں۔" آنکھیں موندے اس کی باتیں سنتے سنتے وہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا تھا۔ اس کے چہرے پر لمبے سفر کی تکان صاف نظر آ رہی تھی۔

❁.....◈.....❁

صبح آنکھ کھلتے ہی اس نے پہلی نظر مہشم خان کے سوئے ہوئے وجود پر ڈالی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی' اس پر مہشم خان کے بہت سے قرض تھے جو اسے چکانے تھے۔

"مجھے آپ کا کھویا ہوا اعتبار اور مان لوٹانا ہے بالکل ویسے جیسے آپ نے میرا لوٹایا تھا۔" اس نے آہستگی سے مہشم خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے نکال کر اس کے سینے پر رکھا اور مہشم خان کی ڈائری سے اس کی ماما کا نمبر ڈھونڈنے لگی تاکہ وہ اس خلا کو پُر کر سکے اور ماں بیٹے کو قریب لا سکے جنہوں نے شادی کے بعد کبھی پلٹ کر اس کی خبر نہ لی تھی۔

اس صبح اس نے مہشم خان کے لیے سرخ گلابوں کا گلدستہ بہت محبت سے بنایا' وہ جان گئی تھی کہ محبتوں کے قرض کیسے چکائے جاتے ہیں۔

جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

گھر پہنچ کر میں نے ڈی ایم او کو فون کیا۔ پروین کی حالت اس کے گوش گزار کی تو وہ ڈرپ اور دواؤں سمیت پندرہ منٹ میں میرے گھر پہنچ گئے۔ ڈرپ لگانے کے بعد وہ آدھا گھنٹہ پروین کے سامنے ہی بیٹھے اس سے شاعری کے بارے میں باتیں کرنے لگے جبکہ جناب کی شاعری کی شدید پر دواؤں اور مریضوں کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ پروین کے چہرے پر نقاہت کے باوجود شرارت دوڑ رہی تھی اور آنکھیں زبان بنی ہوئی تھیں، وہ جونہی باہر نکلے تو پروین کے قہقہے نے کمرے کی فضا میں جیسے جلترنگ بکھیر دیا ہو۔

''حضرت ڈاکٹر تو لاجواب ہیں مگر شاعری کے بارے میں علم نہیں رکھتے۔'' یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی اسی اثنا میں اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا اور پھر سینے پر ہاتھ پھیر کر ہراساں و پریشاں ہو کر بولی۔ ''رف! سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے۔''

میں نے فوراً ڈرپ بند کر کے اس کا سر اونچا کیا۔ اس کے چہرے پر پیلاہٹ اور مردنی چھا رہی تھی، اسی وقت میں نے ڈاکٹر کو فون کیا تو پانچ منٹ میں ہی وہ لائف سیور انجکشن لے کر پہنچ گئے اور بروقت طبی امداد نے میری پیاری دوست کی جان بچالی۔ میں نے ڈرپ اتروادی اور پھر کئی راتیں اسی کے ساتھ گزار دیں۔ ہر دس منٹ بعد میں اسے اوآر ایس کا آدھا گلاس پلاتی اور اسے ڈی ہائیڈریشن سے دور رکھنے میں کامیاب ہوگئی۔ میں نے صدق دل سے پروین کی عمر درازی کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پروین کا صدقہ دیا اور نظر اتاری۔

جب شیطان خوف و ڈر کی صورت میں انسان پر غالب آتا ہے تو اسے ہر وہ حربہ استعمال کرنا جائز اور واجب لگنے لگتا ہے جس پر امن و امان اور بھلے دنوں میں کبھی یقین نہ کیا تھا۔ کچھ ایسا ہی حال تھا کہ دن میں تین دفعہ نظر اتاری گئی۔ اف! پل بھر میں کیا ہو جاتا یہ سوچ کر ہی لرز جاتی تھی اور کئی مہینوں تک میں اس کیفیت سے چھٹکارہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی۔ کیونکہ میں لاشعوری طور پر چوہان کی پیش گوئیوں کے بارے میں سوچنے لگتی تھی، کامرہ کا قیام میرے لیے یادگار تھا۔ پروین کو رات کی رانی کی خوشبو بہت پسند تھی۔ لان میں اس کی صرف ایک ہی بیل تھی۔ میں نے لان کی تمام دیواروں پر رات کی رانی کی بے شمار بیلیں چڑھا دی تھیں اور رات اس کی خوشبوؤں میں نہا جایا کرتی تھی۔ اسے پھولوں سے انس تھا۔ میں نے لان میں موسمی کی باڑ لگوا دی تھی، گلاب کے پودے اور موسمی پھولوں کی ہر طرف بہتات تھی جن سے وہ بہت لطف اندوز ہوا کرتی تھی۔ جھکی ہوئی نگاہوں اور خود کلامی کرتے ہوئے لب..... شاید وہ ان حسین و پرسکون لمحوں میں کچھ لکھنے کے لیے سوچتی تھی۔

کامرہ کی تمام عیدیں پروین کی ہمارے ساتھ گزری تھیں۔ ہمیشہ میں اپنے عید کے جوڑے کے ساتھ اس کا جوڑا بھی تیار کروالیا کرتی تھی۔ پروین کو صبح سویرے استری شدہ جوڑا دیتی تو وہ ہمیشہ اداس ہو جاتی اور اس کی بولتی ہوئی راز افشا کرنے والی آنکھوں پر پلکوں کی جھالر پردہ داری کرنے میں میرے سامنے ناکام ہو جاتی تو وہ رنجیدہ ہو کر کہتی۔ ''رف! اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی سینکڑوں عیدیں اور جوڑے نصیب کرے۔ میں سہاگن نہیں ہوں، میرے لیے عید پر بننا سنورنا واجب نہیں یہ مجھے زیب نہیں دیتا۔''

تو میں دکھ و کرب سے اس سے الجھ جایا کرتی تھی اور وہ میری بات ماننے پر مجبور ہو جایا کرتی تھی۔

وہ ایک عزت دار، پاکیزہ اور بے داغ خاتون تھی۔ میری بہت عزت کرتی تھی۔ اسے مجھ سے لگاؤ و انس بھی بے پناہ تھا۔ وہ میری ہر بات سنتی، غور و خوض کرتی اور کبھی انکار نہیں کرتی تھی۔ وہ زندگی کی تلخیوں اور آزمائشوں سے

اس قدر دل برداشتہ ہوگئی تھی کہ کبھی کسی کی میٹھی زبان پر اعتبار نہ کرتی۔ ہر بڑھے ہوئے ہاتھ سے دوستانہ مصافحہ نہیں کرتی تھی۔ دوسروں کی طرف سے دعوت نامے قبول کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھی اور خود کو مطمئن کرنے کے لیے پروین آپا سے مشورہ لیا کرتی تھی۔ ان کی اجازت کے بغیر وہ فیصلہ کرنا تو درکنار ایک قدم بھی نہ اٹھاتی تھی۔

اور پھر پروین آپا کے رویے سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرلیا کرتی تھی کہ وہ یہاں اپنی دوستی کو جاری وساری رکھ سکتی ہے یانہیں، یہ اس کی دانش مندی اور دور اندیشی تھی کہ پروین آپا کا دامن تھاما تو ان ہی کی ہو کر رہ گئی اور آج پروین آپا نے بھی اس کی دوستی کی ایسی لاج رکھی کہ ایک مثال قائم کردی۔ ایسی مثالیں شاذ ونادر ہی کہیں نظر آتی ہیں۔

جہاں تک میرا تعلق ہے، میری حیثیت اس گہرے سمندر میں ایک قطرے سے بڑھ کر ہرگز نہیں۔ جس کار خیر کا بیڑا پروین آپا نے اٹھایا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ جب ہماری پوسٹنگ اسلام آباد ایئر ہیڈکوارٹرز ہوئی تو میں بہت مطمئن تھی۔ بچے بہت خوش تھے پروین کی خوشی کا یہ عالم تھا کہ وہ آفس جاتے ہوئے ای 9 آفیسرز میس میں مجھے مل کر جاتی۔ جب گھر کی رینویشن کے بعد ہم گھر شفٹ ہوئے تو پھر عموماً ڈنر اکٹھا ہونے لگا لیکن پروین کی چھٹیاں شب وروز، صبحیں اور شامیں اپنے گھر گزرنے لگیں۔ ملاقات روزانہ ہوتی تھی لیکن رسالپور اور کامرہ کا مزہ یہاں نہ آتا تھا۔ بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میں پروین کی معمولی سی پریشانی کا سن کر اس کے پاس چلی جاتی تھی کیونکہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں چوہان کی محفوظ باتیں مجھے متذبذب کرنے لگتی تھیں اور میں پہلے سے بھی محتاط ہوجایا کرتی تھی۔

دن، ہفتوں اور مہینوں کا روپ اپناتے گئے۔ ۲۰ نومبر کو گیتو کی سالگرہ تھی۔ عمر اس کی سالگرہ میں شریک نہ ہوسکا کیونکہ وہ حسن ابدال پبلک اسکول جاچکا تھا۔ اس سالگرہ میں گیتو کے دوستوں اور حمزہ، سفیان نے شرکت کی تھی۔

چار دن بعد یعنی 24 نومبر کو پروین کی سالگرہ کا کیک ہم نے اپنے گھر کاٹ لیا تھا 42 ویں سالگرہ کا کیک کاٹتے ہوئے وہ اداس نظر آنے لگی تھی حالانکہ اسے اپنے بڑھاپے کا ہر پل انتظار رہتا تھا لیکن ہر بار سال بیت جانے پر غمزدہ بھی نظر آنے لگتی تھی یہ فطری امر تھا کہ کوئی عورت اپنے چہرے کو جھریوں میں مقید دیکھنا نہیں چاہتی جبکہ اپنے تحفظ کی خاطر پروین اپنے بڑھاپے کی تہہ دل سے خواہش بھی کیا کرتی تھی۔

پروین کا ڈرائیور بہت شریف النفس انسان تھا۔ پروین اس کے ساتھ خود کو بہت محفوظ سمجھا کرتی تھی مگر مجھے ڈرائیور یوسف کی ڈرائیونگ پر قطعاً بھروسا نہیں تھا۔ وہ عموماً سڑک پر موڑ مڑتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے کی تکلیف ہی گوارا نہ کرتا تھا۔ میں نے پروین کے سامنے کئی بار اس کی غلطی کو دہرایا مگر ہر بار وہ مجھے تسلی دے دیا کرتی تھی کہ وہ اسے سمجھادے گی، فکر کی بات نہیں لیکن وہ تسلی میرے لیے وقتی اور عارضی ثابت ہوا کرتی تھی۔

چند دن گزرنے کے بعد میں پروین کو ڈرائیور بدلنے کی تلقین کرنے لگی تھی کار بھی کھچاڑا بنی ہوئی تھی، تھی بھی اسٹارلٹ چھوٹی گاڑی ٹین کے ڈبے کی طرح جو ہلکے سے جھٹکے سے ہی اپنی ساخت بدل لے لیکن پروین جو کہ میری ہر بات مان لیا کرتی تھی میری اس بات کو ہر دفعہ نظر انداز کر کے مسکرادیتی تھی کہ رف آپ کو خوامخواہ ہی وہم ہوگیا ہے، کچھ نہیں ہونے والا آپ مطمئن رہیں۔

(جاری ہے)

بزمِ سخن

سمیہ عثمان

نادیہ عباس دیا.....موسیٰ اخلیل

پھول تاروں سے سجا ماہِ سخا کا نقش پا
اک جہانِ نور ہے خیر الوریٰ ﷺ کا نقش پا
اس جہاں سے اس نگر کا راستہ ہے کہکشاں
چوم لے گر امتی نورالہدیٰ ﷺ کا نقش پا

وقاص عمر.....بنگلہ نو حافظ آباد

اس نے کہا کہ کون سا تحفہ ہے من پسند
میں نے کہا وہ شام، جواب تک ادھار ہے

سعدیہ لیاقت.....128 جنوبی

ٹوٹ جائیں تو کب کھنکتی ہیں
یہ لڑکیاں بھی تو چوڑیوں جیسی ہیں

سعدیہ ندا مسکان جٹ.....پنجاب

میں یہ ہی پوچھتی رہتی ہوں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑ جائے وہ کیا کرتے ہیں

رمشا زاہد.....ٹمن

اس کے چہرے کو دیکھ کر میں نے
موسم گل کا اعتبار کیا

اسما صدیقہ.....خانیوال

صد خلوص باتوں میں سب کرم خیالوں میں
بس ذرا وفا کم ہے تیرے شہر والوں میں

پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

وہ بڑا رحیم و کریم ہے مجھے یہ صفت بھی عطا کرے
تجھے بھولنے کی دعا کروں تو میری دعا میں اثر نہ ہو

عریشہ زاہد عرشی.....لاہور

بدلا جو وقت گہری رفاقت بدل گئی
سورج ڈھلا تو سائے کی صورت بدل گئی
اک عمر میں اس کی ضرورت بنا رہا
پھر یوں ہوا کہ اس کی ضرورت بدل گئی

کائنات بیگ.....باگڑیاں

مختصر اتنا کہ دو لفظوں میں بن جاتا ہے دل
ہے وسیع اتنا کہ اس میں دو جہاں کا راز ہے

سیدہ لوبا سجاد.....کہروڑ پکا

اسے فرصت نہیں ملتی ذرا سا یاد کرنے کی
اسے کہہ دو ہم اس کی یاد میں فرصت سے بیٹھے ہیں

لیلیٰ رب نواز.....ودھیوالی بھکر

کہتے ہیں جسے شہر کے سب لوگ مسیحا
وہ شخص مرے درد سے انجان سا کیوں ہے
مٹی کا بنا ہے تو وہ گھل کیوں نہیں جاتا
پتھر کا صنم ہے تو وہ انسان سا کیوں ہے

مدیحہ نورین مہک.....گجرات

اسے بھی دکھ ہے تعلق کے ٹوٹ جانے کا
وہ جا رہا ہے مگر ہاتھ ملتا جاتا ہے

تانیہ الطاف اعوان.....راولپنڈی

لب پر سجا لیے تھے یوں ہی اجنبی سے نام
دل میں تمام زخم کسی آشنا کے تھے

اریشہ راج.....ٹمن تلہ گنگ

اے ہوا کیا ہے جواب نظم چمن اور ہوا
صید سے بھی ہیں مراسم تیرے صیاد سے بھی

کرن شہزادی.....مانسہرہ

اپنی رسوائی تیرے نام کا چرچا دیکھوں
اک ذرا شعر کہوں اور میں کیا کیا دیکھو
شام بھی ہوگئی دھندلا گئیں آنکھیں بھی میری
بھولنے والے میں کب تک تیرا رستہ دیکھوں

تبسم شبیر حسین.....ڈنگہ

زخم سب مندمل ہوگئے
اک دریچہ کھلا رہ گیا
رنگ جانے کہاں اڑ گئے

صرف اک داغ سا رہ گیا
نجمہ نساء.....ڈھوک بلانہ آباد

اب فراز اپنے مسیحا سے بھی امید نہ رکھ
وہ تنگ دل ہے تیرے زخم میں گہرائی بہت
سمیرا سوائی.....بھیر کنڈ

سینے میں اک درد تو اٹھتا ہے بار بار
اس کی خبر نہیں کہ آنسو رواں ہیں کیوں
اقراجٹ.....مغن آباد

میں زندگی کی جنگ میں ہارا ضرور ہوں
لیکن کسی محاذ پر پسپا نہیں ہوا
مقدس زہرہ.....جھنگ

مشغلہ اس نے عجب سونپ دیا ہے یارو
عمر بھر سوچتے رہے کہ وہ کیسا ہوگا
جانے کس رنگ سے روٹھے گی طبیعت اس کی
جانے کس ڈھنگ سے اب اس کو منانا ہوگا
طیبہ سعدیہ.....نواب چوک، گوجرانوالہ

یہاں ہر ایک سے ہجر و وصال کرتے ہو
کیوں اپنا شہر میں جینا محال کرتے ہو
یہ آشنائی اسے یاد ہی نہ ہو شاید
وہ جس کے نام سب ہی ماہ و سال کرتے ہو
گلناز ابراہیم.....جلالپور، پیروالا

بھلا دے مجھ کو کہ بے وفائی بجا ہے لیکن
گنوا نہ مجھ کو کہ میں تیری زندگی رہا ہوں
وہ اجنبی بن کر اب ملے بھی تو کیا محسن
یہ ناز کم ہے کہ میں بھی اس کا کبھی رہا ہوں
اقصیٰ نذیر.....ملتان

نہ کھول میرے مکان کے اداس دروازے
ہوا کا شور میری الجھنیں بڑھا دے گا
میں خوب واقف ہوں اس کی فطرت سے فراز
درد دے گا تو اتنا کہ بس رلا دے گا
انم.....برنالی

ہم نے دیکھا تھا فقط شوق نظر کی خاطر
یہ نہ سوچا تھا کہ تم دل میں اتر جاؤ گے
ایس نور کمال..... کے پی کے صوابی

شام ہوتے ہی چراغوں کو بجھا دیتا ہوں
دل ہی کافی ہے تیری یاد میں جلنے کے لیے
اقصیٰ شوکت.....گگومنڈی

بہت بے کیف لمحے ہیں عجیب بوجھل سی زندگی ہے
نہ غم سے دل بہلتا ہے نہ خوشیاں راس آتی ہیں
گل مینا خان اینڈ حسینہ ایچ ایس.....مانسہرہ

اداس زندگی، اداس وقت، اداس موسم
کتنی چیزوں پر الزام لگ جاتے ہیں اک تیرے بعد
کوثر خالد.....جڑانوالہ

بھنور کی گود میں جیسے کنارہ ساتھ رہتا ہے
کچھ ایسے ہی ہمارا اور تمہارا ساتھ رہتا ہے
رانی اسلام.....گوجرانوالہ

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں
کبھی ہو یوں بھی کہ وہ آئے اور ہم نہ ملے
کبھی تو اہل جفا کا بھی حوصلہ دیکھیں
اسماء ربانی.....نکہ توت پنڈی گھیب

تمام شب جہاں جلتا ہے ایک اداس دیا
ہوا کی راہ میں اک ایسا گھر بھی آتا ہے
وفا کی کون سی منزل پہ اس نے چھوڑا تھا
کہ وہ تو یاد ہمیں بھول کر بھی آتا ہے
صبا نواز.....سانگھڑ

دکھ بھی دیتا ہے وہ دوا بھی دیتا ہے
مجھے وہ محبت کرنے کی عجب سزا بھی دیتا ہے
میں یاد کروں تو اسے یاد آتی ہے میری
ورنہ اکثر وہ مجھے بھلا بھی دیتا ہے

bazsuk@aanchal.com.pk

کچن کارنر

زہرہ جبین

ایزی ایپل جام

اجزاء:۔

سیب	چار عدد
چینی	تین چوتھائی کپ
کھانے کا رنگ	ایک چٹکی (پیلا)
لیموں کا رس	ایک چمچ
پانی	آدھا کپ

ترکیب:۔

سیب کو چھیل کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں پھر ایک برتن میں سیب ڈالیں اور پانی ڈال کر چولہے پر پکنے کے لیے رکھیں جب پانی خشک ہونے لگے تو چمچ کی مدد سے مسلتے جائیں جب پانی خشک ہو جائے تو اس میں لیموں کا رس اور ساتھ ہی اس میں چینی اور فوڈ کلر بھی شامل کرلیں۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو دو سے تین چمچ پانی کے مزید شامل کریں۔ اب سیب کے اس آمیزے کو گرائنڈر میں ڈال کر پیس لیں اور پھر دوبارہ سے پکنے کے لیے چولہے پر رکھ دیں پانی خشک ہو جائے تو چولہے سے اتار دیں ٹھنڈا ہونے پر جار میں محفوظ کر کے فریج میں رکھ دیں اب یہ توانائی سے بھرپور جام بچوں کو کھلائیں اور خود بھی کھائیں۔

شکریہ عنایت حیا..... کھلابٹ ٹاؤن شپ

گاجر کا حلوہ

اجزاء:۔

گاجر (چھیل کر کدوکش کرلیں)	ایک کلو
انڈے	دو عدد
گھی	ڈھائی سو گرام
چینی	ڈھائی سو گرام
کھویا	ڈھائی سو گرام
زعفران (تھوڑے سے دودھ میں بھگو دیں)	ایک چائے کا چمچ
پسی الائچی	ایک چائے کا چمچ
کیوڑہ	چار چائے کے چمچ
چاندی کے ورق	دو عدد
خشک دودھ پاؤڈر	ایک کپ
پستہ، بادام (باریک کٹے ہوئے)	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:۔

گھی گرم کر کے اس میں گاجریں ڈال کر بھونیں جب خوشبو آنے لگے تو اس میں خشک دودھ ڈال کر پکائیں پھر چینی ڈال دیں۔ چینی حل ہو جائے تو اس میں زعفران اور کھویا ڈال کر مکس کریں۔ ڈش میں نکال کر کیوڑہ، پستہ، بادام، چاندی کے ورق اور انڈے کے ٹکڑوں سے سجا کر مہمانوں کو پیش کریں اور ان سے خوب داد پائیں۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

چکن رول چیز اسٹف ودھ اسپیگھیٹی

اجزاء:۔

چکن بریسٹ	تین عدد
پنیر کے سلائس	تین عدد
نمک، سیاہ مرچ (کٹی ہوئی)	حسب ذائقہ
انڈے (پھینٹ لیں)	دو عدد
ڈبل روٹی کا چورا	ایک کپ
میدہ	حسب ضرورت
تیل	حسب ضرورت
اسپیگھیٹی	ایک پیکٹ
لہسن کے جوے (کاٹ لیں)	دو عدد

ہرا دھنیا	آدھا کپ
گارلک ساس	سرونگ کے لیے

ترکیب:۔

چکن کو کسی وزنی چیز سے کچل کر چپٹا کرلیں۔ اس پر نمک اور کٹی ہوئی سیاہ مرچیں لگائیں اور گوشت کے ایک طرف پنیر کے سلائس رکھ کر رول تیار کر کے ٹوتھ پک سے بند کردیں۔

اس کے بعد اس رول کو میدے میں لپیٹ کر اور انڈے میں ڈبو کر کے ڈبل روٹی کا چورا لگا کر آدھے گھنٹے فرج میں سیٹ ہونے کے لیے رکھیں۔ ایک فرائی پین میں تیل ڈال کر گرم کریں اس میں چکن رول ڈال کر فرائی کریں سنہری ہوجائیں تو نکال لیں اور تھوڑا ٹھنڈا کر کے رول کے سلائس کاٹ لیں۔

اسپیگھیٹی کے لیے ایک برتن میں تیل گرم کریں۔ اس میں کترا ہوا لہسن ڈال کر فرائی کریں، اس کے بعد اس میں ابلی ہوئی اسپیگھیٹی ڈالیں۔ ہرا دھنیا، نمک اور کٹی ہوئی سیاہ مرچیں چھڑک کر مکس کریں اور پلیٹ میں نکال لیں۔ اس پر چکن اسٹف رول کے سلائس رکھ کر گارلک ساس کے ساتھ پیش کریں۔

نجم انجم اعوان.....کراچی

پالک اور مولی کا ساگ

اجزاء:۔

سفید مولی	ایک کلو
پالک	دو کلو
ہری مرچ	دس عدد
گھی	ایک پاؤ
نمک اور سرخ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

پالک کو اچھی طرح دھو کر کاٹ لیں اور اس کو تھوڑی دیر پانی میں بھگو دیں، پھر پالک کو اسی پانی میں ابال لیں، پانچ منٹ بعد پانی نتھار لیں اور پالک کو پیس لیں اور ایک برتن میں رکھ لیں۔ اب سب سے پہلے گھی میں ایک عدد پیاز کاٹ کر بھون لیں۔ پیاز بادامی رنگ کی ہوجائے تو اس میں پالک ڈال دیں اب اسے دم پر لگا دیں، مولی کو بھی ابال لیں، گل جائے تو اسے پیس لیں اور اسی دیگچی میں سبز مرچیں کڑکڑاتے ہوئے گھی میں بھون لیں جب مرچوں کا رنگ بدلنے لگے تو اس میں پسی ہوئی مولی ڈال دیں۔ 5 منٹ تک بھونیں پھر اس کے بعد اس میں پالک بھی ملا دیں، جب اچھی طرح مکس ہوجائیں تو چولہے سے اتار لیں مزیدار ساگ مکئی کی روٹی کے ساتھ تناول کریں۔

طیبہ سعید.....گوجرانوالہ

چکن وون ٹون

اجزاء:۔

مرغی کا قیمہ	ایک پاؤ
شملہ مرچ	ایک عدد
گاجر	ایک عدد
مانڈہ پٹی	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار عدد
Oyster ساس	تین کھانے کے چمچ
سویا ساس	آدھا کپ
کٹی لال مرچ	ڈیڑھ کھانے کا چمچ
چکن پاؤڈر	آدھا کھانے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
کالی مرچ	چوتھائی چائے کا چمچ

ترکیب:۔

چکن، گاجر، شملہ مرچ چوپ کریں اور پھر اس میں تمام اجزاء ملا کر اور مانڈہ پٹی کے اندر ایک ٹی اسپون کیچر ڈال دیں اب انہیں بند کر کے میدے کی لئی کی مدد سے پوٹلی کی طرح بن کرلیں، پھر فرائی کریں، (نوٹ اس کے اندر چکن بوائل نہیں فرائی ہوگی۔

مہرین کنول.....نارتھ کراچی

مرغ مسلم چائنیز

اجزاء:۔

مرغی ثابت	ایک کلو
سویا ساس	دو بڑے چمچ
گاڑھی یخنی	دو بڑے چمچ
پیاز	ایک عدد
سرکہ	دو چھوٹے چمچ
لہسن	آدھا چھوٹا چمچ
چلی آئل	ایک چھوٹا چمچ
کالی مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

صاف شدہ چکن کو لمبے کٹ لگا کر سویا ساس اور سرکہ لگا کے رکھ دیں تاکہ وہ اس میں جذب ہو جائے۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ چکن اس میں ڈال دیں اور اتنا فرائی کریں کہ رنگت بادامی ہو جائے۔ اسے کسی ڈش میں نکال لیں۔ اب فرائی پین میں ایک چمچ گھی ڈال کر کٹی ہوئی پیاز اور لہسن کو بادامی کر لیں پھر یخنی، کالی مرچ، نمک، چلی آئل ڈال دیں اور پکنے دیں اور ذرا گاڑھا ہونے پر اتار کر فرائیڈ چکن پر ڈال کر پیش کریں۔

ماہا بشیر، تبسم بشیر.....ڈنگہ

فرائڈ چکن بروسٹ

اجزاء:۔

چکن	آدھا کلو
چکن بروسٹ مسالا	چار کھانے کے چمچ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔ چکن دیگچی میں ڈال کر ڈھک کر بغیر پانی کے ہلکی آنچ پہ پکائیں۔ اس کا پانی خشک ہو جائے تو چولہے سے اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ چکن کو بروسٹ مسالے میں اچھی طرح ملا کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے چکن ڈال کر تل لیں سنہری ہو جائے تو ڈش میں ٹشو پیپر پر نکال کر کیچپ اور رائتہ کے ساتھ پیش کریں۔

سحر تبسم سحری.....مغل پورہ

عربین سوپ

اجزاء:۔

لوبیا سفید (ایک گھنٹہ بھگوئیں)	سوا پیالی
مغز بادام (چھیل کر پیس لیں)	ایک پیالی
لہسن	پانچ جوے پسا ہوا
زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی	دو سلائس
نمک	حسب ذائقہ
پودینہ	چند پتیاں
سفید زیرہ، کالی مرچ	ایک ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

لوبیا کو ابال کر جب پانی گل جائے تو چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ دیں پسے ہوئے بادام میں پسا ہوا لہسن ملا دیں۔ لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں۔ لہسن اور بادام والا آمیزہ ملا کر خوب پکائیں۔ جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا مسالا اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کریں۔

ماہا اینڈ تبسم بشیر.....ڈنگہ

عالم میں انتخاب

نزہت جبین ضیاء

غزل

زندگانی گردش حالات کی دہلیز پر
بے بسی ہے اب ہماری ذات کی دہلیز پر
بھر بھرا سا جسم ہے اور خوف آنکھوں میں بہت
میں اکیلا رہ گیا برسات کی دہلیز پر
کون میری زندگی کو زخم اتنے دے گیا
سوچتا ہوں جب کبھی خدشات کی دہلیز پر
جگنوؤں کا شہر میری ایک مٹھی میں رہا
اب اندھیرا رہ گیا ہے ہاتھ کی دہلیز پر
اک ستارہ جگمگایا زندگی میں اس طرح
رو پڑا ہوں آج میں بھی رات کی دہلیز پر
میں تو اپنی ہار پر بھی خوش رہا ہوں دوستو
ہنس پڑا ہوں میں تو اپنی مات کی دہلیز پر
میں محبت کی تمنا کرسکوں گا کس طرح
چپ کھڑا ہوں آج میں جذبات کی دہلیز پر

شاعر: راشد ترین
انتخاب: پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

غزل

خواہش، خواب خیال سے الجھی
ہجر سے پھر وصال سے الجھی
تیرا ہونا ثبوت خوشیوں کا
میں تو برسوں ملال سے الجھی
لوٹ کر پھر ہنسی نہیں آئی
اس لیے ماہ و سال سے الجھی
تو ستارا مری بلندی کا
پھر میں کیوں ہر زوال سے الجھی
روز سانسوں کا اک تماشا ہے
زندگی غم کے جال سے الجھی
میں ہما اب جواب کیا دیتی
روز اس کے سوال سے الجھی

شاعرہ: ہما خان
انتخاب: حنا ارشد..... لاہور

بیٹیاں

بیٹیاں بھی تو ماؤں جیسی ہوتی ہیں
ضبط کے زرد آنچل میں اپنے
سارے درد چھپا لیتی ہیں
روتے روتے ہنس پڑتی ہیں
ہنستے ہنستے دل میں اپنے رو لیتی ہیں
خوشی کی خواہش کرتے کرتے
خواب اور خاک میں اٹ جاتی ہیں
سو حصوں میں بٹ جاتی ہیں
گھر کے دروازے پر بیٹھی
امیدوں کے ریشم بنتے
ساری عمر گنوا دیتی ہیں
میں جو گئے دنوں میں
ماں کی خوش فہمی پر ہنس دیتی تھی
اب خود بھی تو..... عمر کی گرتی دیواروں سے ٹیک لگائے
فصل خوشی کی بوتی ہوں
اور خوش فہمی کاٹ رہی ہوں
جانے کیسی رسم ہے یہ بھی
ماں بیٹی کو ورثے میں
اپنا مقدر دے دیتی ہے

شاعرہ: نوشی گیلانی
انتخاب: عنبر فاطمہ۔ کراچی

غزل

صدمہ تو ہے مجھے بھی کہ تجھ سے جدا ہوں میں
لیکن یہ سوچتا ہوں کہ اب تیرا کیا ہوں میں
بکھرا پڑا ہے تیرے ہی گھر میں تیرا وجود
بے کار محفلوں میں تجھے ڈھونڈتا ہوں میں

کس کس کا نام لاؤں زباں پر کہ تیرے ساتھ
ہر روز ایک شخص نیا دیکھتا ہوں میں
کیا جانے کس ادا سے لیا تو نے میرا نام
دنیا سمجھ رہی ہے کہ سب کچھ تیرا ہوں میں
لے میرے تجربوں سے سبق اے میرے رقیب
دو چار سال عمر میں تجھ سے بڑا ہوں میں
شاعر: قتیل شفائی
انتخاب: ایبہا رضوان

غزل
خوش حال سے تم بھی لگتے ہو
یوں افسردہ تو ہم بھی نہیں
پر جاننے والے جانتے ہیں
خوش ہم بھی نہیں خوش تم بھی نہیں
تم اپنی خودی کے پہرے میں
اور دام غرور میں جکڑے ہوئے
ہم اپنے زعم کے نرغے میں
انا ہاتھ ہمارا پکڑے ہوئے
اک مدت سے غلطاں پیچاں
تم ربط و گریز کے دھاروں میں
ہم اپنے آپ سے الجھے ہوئے
پچھتاؤں کے انگاروں میں
خاموشی سے تم ہم مہر بہ لب
جگ بیت گئے تک بات کیے
سنو کھیل ادھورا چھوڑتے ہیں
بنا چال چلے بنا مات رہے
جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں
وہ سائے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم، اقرار کریں
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں
شاعر: خلیل اللہ فاروقی
انتخاب: رحمہ ثانی

غزل

تخت ہے اور کہانی ہے وہی
اور سازش بھی پرانی ہے وہی
قاضی شہر نے قبلہ بدلا
ایک خطبے میں روانی ہے وہی
خیمہ کش اب کے ذرا دیکھ کے ہو
جس پہ پہرہ تھا وہ پانی ہے وہی
آج بھی چہرہ خورشید ہے زرد
آج بھی شام سہانی ہے وہی
بدلے جاتے ہیں یہاں روز طبیب
اور زخموں کی کہانی ہے وہی
حجلہ غم یوں ہی آراستہ ہے
دل کی پوشاک سہانی ہے وہی
شہر کا شہر یہاں ڈوب گیا
اور دریا کی روانی ہے وہی
شاعرہ: پروین شاکر
انتخاب: محمد فیصل گدی

غزل
کبھی رک گئے کبھی چل دیے کبھی چلتے چلتے بھٹک گئے
یونہی عمر ساری گزار دی یونہی زندگی کے ستم سہے
کبھی نیند میں کبھی ہوش میں تو جدھر ملا تجھے دیکھ کر
نہ نظر ملی نہ زباں ملی یونہی سر جھکا کے گزر گئے
کبھی زلف پر کبھی چشم پر کبھی تیرے حسین وجود پر
جو پسند تھے میری کتاب میں وہ شعر سارے بکھر گئے
مجھے یاد ہے کبھی ایک تھے مگر آج ہیں ہم جدا جدا
وہ جدا ہوئے تو سنور گئے ہم جدا ہوئے تو بکھر گئے
کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی ان کے در کبھی در بدر
غم عاشقی تیرا شکریہ ہم کہاں کہاں سے گزر گئے
شاعر: پروین شاکر
انتخاب: اقرا حفیظ...... ہری پور

موسم
موسم کئی بدلے مقدر نہیں بدلا
ویسا ہی شکستہ ہے میرا گھر نہیں بدلا

شوریدہ سری آنکھ کے دریا کی وہی ہے
اور ساحل دریا پہ بھی منظر نہیں بدلا
اس سے بھی میرے شوق تنوع کو گلہ ہے
ہمزاد تھا میرا تو وہ کیونکر نہیں بدلا
گردش تو زمانے کی میں نے بہت سہی ہے
پر اس سے میری سوچ کا محور نہیں بدلا
الفاظ نئے ہیں مگر افکار پرانے
دستار تو بدلی ہے مگر سر نہیں بدلا
سچا تھا سو لہجے پہ رہا وہ اپنے قائم
رخ بدلا ہوا کا تو سخن ور نہیں بدلا

شاعرہ: شبنم شکیل

انتخاب: قلیما خان، الوینہ خان

غزل

یہ دل ٹکڑوں میں گرچہ کٹ گیا ہے
مگر آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا ہے
خداوندا، اسے شبنم سے دھو دے
یہ گلشن دھول سے اب اٹ گیا ہے
یہاں برسے گی اب کرنوں کی بارش
کہ بادل آسماں سے چھٹ گیا ہے
زمانے سے اسے کیا پھل ملے گا
قبیلوں میں جو انسان بٹ گیا ہے
بہت دشوار تھا منزل کا رستہ
خدا کا شکر لیکن کٹ گیا ہے
اسی کا نام انور کہکشاں ہے
ستاروں سے جو رستہ اٹ گیا ہے

شاعر: انور سدید

انتخاب: مدیحہ نورین مہک..... گجرات

چل انشاء

چل انشاء اپنے گاؤں میں
یہاں الجھے الجھے روپ بہت
پر اصلی کم بہروپ بہت
اس پیڑ کے نیچے کیا رکنا
جہاں سائے کم دھوپ بہت
چل انشا اپنے گاؤں میں
بیٹھیں گے سکھ کی چھاؤں میں
کیوں تیری آنکھ سوالی ہے
یہاں ہر ایک بات نرالی ہے
اس دیس بسیرا مت کرنا
یہاں مفلس ہونا گالی ہے
چل انشا اپنے گاؤں میں
جہاں وعدے پکے پیاروں کے
جہاں سجدہ کرے وفا پاؤں میں
چل انشاء اپنے گاؤں میں

شاعر: انشاء

انتخاب: کرن شہزادی..... مانسہرہ

عزت دو

ہاتھ کے چھالے
رہنے دو.....
پاؤں میں کانٹے
چبھنے دو
آنکھ کا کاجل
بہنے دو
زخمی دل ہے
رہنے دو
جسم کا ایندھن جلتا ہے
اس کو جل کر بجھنے دو
تم سے اک فریاد ہے بس
عزت مجھ کو عزت دو

شاعر: ناہید عزمی

انتخاب: نجم انجم..... کراچی

احساس تنہائی

کبھی جب زندگی میں ہو تمہیں احساس تنہائی
تو کچھ اچھی کتابوں اچھے لوگوں کی
رفاقت میں

کسی جلوت کی خلوت میں
بس اپنے دل کو بہلانا
اور اس کو اتنا سمجھانا
کہ اب ان فاصلوں کو پاٹنا مشکل ہے جاناں
اگر یہ فاصلے مٹ بھی گئے تو
اجنبی بن کر کہیں ملنے سے کیا حاصل
تمہیں شام جدائی اس لیے سمجھا رہا ہوں
کہ جانِ من
دکھی ہو کر کبھی فریاد مت کرنا
مجھے تم یاد مت کرنا

شاعر: اعتبار ساجد
انتخاب: مونا شاہ قریشی.....کبیر والا

جیون

جیون کھیل نہیں جاناں.....!
آگ اور پانی، پھول اور شبنم، دھرتی اور اسی نیل گگن کا
کوئی میل نہیں جاناں.....!
جیون خواب نہیں جاناں.....!
ہم کو بھی معلوم ہے لیکن اب اس غم کو سہہ جانے کی
دل میں تاب نہیں جاناں.....!
جیون روگ نہیں جاناں.....!
لیکن وہ جو مرہم بن کر ہر اک زخم سلا دیتے ہیں
اب وہ لوگ نہیں جاناں.....!
جیون شام نہیں جاناں.....!
سورج سے مجبور ہو تم بھی، شاید سمت بدل لینے پر
یہ الزام نہیں جاناں.....!
جیون آگ نہیں جاناں.....!
اپنی سندرتا کی لو میں اپنے آپ ہی جل جاتے ہیں
جن کے بھاگ نہیں جاناں.....!
جیون دھول نہیں جاناں.....!
تیز ہوا کی آہٹ سن کر شاخ سے اپنی کٹ جائے
یہ ایسا پھول نہیں جاناں.....!

شاعر: امجد اسلام امجد

انتخاب: سمیرا سواتی.....بھیر کنڈ

غزل

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں خوش رہیں مسکرا دیں
غرور اور ہمارا غرور محبت
مہ و مہر کو ان کے در پر جھکا دیں
جنہیں عمر بھر یاد آنا سکھایا
وہ دل سے تیری یاد کیونکر بھلا دیں
بہاریں سمٹ آئیں کھل جائیں کلیاں
جو ہم تم چمن میں کبھی مسکرا دیں
تم افسانہ قیس کیا پوچھتے ہو؟
ادھر آؤ ہم تم کو لیلیٰ بنا دیں
تیرے وصل کی بے خودی کہہ رہی ہے
خدائی تو کیا ہم خدا کو بھلا دیں
انہیں اپنی صورت پہ یوں ناز کب تھا
مرے عشق رسوا کو اختر دعا دیں

شاعر: اختر شیرانی
انتخاب: تزئین اشفاق

alam@aanchal.com.pk

شوخیِ تحریر

ہما ذوالفقار

انسان کی بہترین صلاحیت کا بہترین مصرف

ارشاد پاک ہے:۔ ''اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلائے اور اچھا عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔''

انسان کی قوت بیان کا سب سے اچھا مصرف دعوت الی اللہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ ''رحمٰن نے قرآن کو سکھایا' انسان کو پیدا فرمایا اور اسے بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔

ان چار آیات میں چار بہترین باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اللہ کی صفات میں چوتھی کی صفت جس کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے وہ ''رحمان'' ہے، بندے کو جو چوتھی کا علم عطا فرمایا وہ ''قرآن'' ہے اللہ کی بہترین مخلوق ''انسان'' ہے انسان میں ''بولنے کی صلاحیت'' اس کی بہترین صلاحیت ہے۔

قوت بیان کا منفی استعمال بھی ہوتا ہے اور مثبت استعمال بھی۔ منفی استعمال میں مجلسی برائیاں جیسے غیبت، ذاتی مفادات کے لیے جھوٹے مقدمات کی وکالت کرنا، اجتماعیت میں تخریب کے لیے افواہ پھیلانا یا دینی اجتماعیت میں نجوئی کے ذریعے قیادت کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا، شر کی دعوت جیسے وطنی، لسانی یا نسلی عصبیت کی دعوت دینا، گانوں، ڈراموں اور فلموں کے ذریعے بے حیائی کی دعوت دینا وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے برعکس قوت بیان کے مثبت استعمال کے طور پر اساتذہ کا مفید علم کے لیے درس و تدریس کرنا اور خیر کی دعوت جیسے خدمت خلق کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا وغیرہ شامل ہیں تاہم قوت بیان کا بہترین استعمال دعوت الی اللہ کا ہے یعنی کسی مسلک یا فرقے کی طرف نہیں بلکہ توحید اور ہر سطح پر اللہ کی بندگی کی دعوت دینا قوت بیان کا بہترین مصرف ہے۔

شجاع الدین شیخ..... کراچی

اللہ کا ذکر

نبی اکرم ﷺ بکثرت اللہ عزوجل کا ذکر کیا کرتے تھے، سیدنا عبداللہ بن ابھی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

''رسول اللہ ﷺ ذکر کثرت سے کیا کرتے۔ بے فائدہ باتوں سے بچا کرتے، نماز لمبی پڑھا کرتے اور خطبہ مختصر ارشاد فرمایا کرتے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت ذکر کو یوں بیان کرتی ہیں۔

''نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔''

اقصیٰ نور..... گجرات

دکھ

بعض دکھ بھی گونگے انسان کی طرح ہوتے ہیں جو بتائے نہیں جاتے بس چپ چاپ پالے جاتے ہیں۔

اریشہ راج..... محمن تلہ گنگ

اقوال حضرت علی کرم اللہ وجہہ

❁ یہ ایام تمہاری زندگی کے صفحات ہیں انہیں نیک اعمال سے زینت بخشو۔

❁ نادانوں کی بات پر تحمل عقل کی زکوٰۃ ہے۔

❁ کوئی تمہارا دل دکھائے تو ناراض مت ہونا کیونکہ قدرت کا قانون ہے جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اسی کو مارتے ہیں۔

❁ جو شخص تمہارا غصہ برداشت کرے اور ثابت قدم رہے تو وہ تمہارا سچا دوست ہے۔

❁ پریشانی' خاموش ہونے سے کم' صبر کرنے سے

ختم اور شکر کرنے سے خوشی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

شعر

کوئی اس دل کا حال کیا جانے
ایک خواہش ہزار تہ خانے
زیست کے شور و شر میں ڈوب گئے
وقت کو ناپنے کے پیمانے

نجم انجم اعوان..... کراچی

تین چیزیں

اللہ رب العزت کو تین چیزیں بہت پسند ہیں۔

جوانی کی نماز
گرمیوں کے روزے
سردیوں کا وضو

تانیہ الطاف اعوان..... راولپنڈی

مدد

سپاہی (بوڑھے آدمی سے) ''میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔''

بوڑھا آدمی: ''جی ہاں میری ٹافی گم ہو گئی ہے' اسے ڈھونڈ دیجیے۔''

سپاہی: ''کوئی خاص قسم کی ٹافی ہے جو آپ اتنے فکر مند ہیں۔''

بوڑھا آدمی: ''جی ہاں، اس ٹافی کے ساتھ میرے دانت چپکے ہوئے تھے۔''

مہرباں شاہ..... نوشہرہ

اپنوں کی غلطیاں

اپنوں کی غلطیاں بھی اپنی ہی ہوتی ہیں، مل جل کر سدھار لینی چاہیے۔ انا اور تکبر کی دستار باندھ کر دوسروں کے جھکنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے، یہی رشتوں کی بقا کا راز ہے۔

اسماء صدیقہ..... عبدالحکیم، خانیوال

بکھرے موتی

آنسو مسکراہٹ سے زیادہ انمول ہوتا ہے کیونکہ مسکراہٹ سب ہی کے لیے ہوتی ہے پر آنسو ان کے لیے ہوتے ہیں جنہیں ہم کھونا نہیں چاہتے۔

اخلاق، وہ چیز ہے جس کی قیمت کچھ نہیں دینی پڑتی مگر اس سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے امت کے بوڑھے کی عزت کرنا میری عزت کرنا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک لوگوں میں سے پسندیدہ وہ شخص ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔

ایس این شہزادی کھرل..... جڑانوالہ

کڑوی ککڑی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں حضرت لقمان نے ایک باغ میں نوکری کی ایک دن باغ کا مالک وہاں آیا اور ان سے ککڑیاں منگائی اور اس کو تراش کر ایک ٹکڑا ان کو دیا۔ یہ بے تکلف ککڑی کھاتے رہے۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ یہ تو بڑے مزے سے کھا رہے ہیں یہ سمجھا کہ یہ ککڑی نہایت لذیذ ہے۔ ایک قاش اپنے منہ میں بھی رکھ لی تو وہ کڑوی زہر تھی' فوراً تھوک دی اور بہت برا منہ بنایا پھر کہا۔

''اے لقمان! تم تو اس ککڑی کو بڑے مزے سے کھا رہے ہو یہ تو کڑوی زہر ہے۔''

کہا ''جی کڑوی تو ہے۔''

''پھر تم نے کیوں نہیں کہا کہ یہ کڑوی ہے۔''

کہا۔ ''یہ کیسے کہتا مجھے یہ خیال ہوا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں دفعہ مٹھائی کھائی ہے اگر اس ہاتھ سے ساری عمر میں ایک دفعہ کڑوی چیز ملی تو اس کو کیا منہ پر لاؤں؟''

شازیہ ہاشم میوانی..... کھڈیاں خاص

کراچی کا ٹریفک

چشم بد دور کراچی میں ٹریفک کا نظام
اونٹ گاڑی کی گدھا گاڑی کی ٹک ٹک کا نظام
راہگیروں سے پولیس والوں کی جھک جھک کا نظام

کتنا چوکس ہے یہ پسماندہ ممالک کا نظام
راہ روکے ہے پولیس کار گزاری دیکھو
کس طرح جاتی ہے شاہوں کی سواری دیکھو
رابعہ رانی..... چک بھٹی حافظ آباد

برداشت

○ اپنے اندر برداشت پیدا کرو یہ سچ ہے کہ ہر بات کا جواب ہوتا ہے مگر ہر جواب دینے کے لیے نہیں ہوتا۔

اصلی رنگ

○ لوگوں کا اصلی رنگ تب سامنے آتا ہے جب آپ ان کے لیے فائدہ مند نہیں رہتے۔

خوشامد

○ خوشامد انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ حقیقت کا سامنا کرنا اور حق پر قائم رہنا سیکھیں۔

فیصلہ

○ دنیا میں اچھے برے لوگ ہوتے ہیں۔ ہم ان سے اچھائی سیکھیں یا برائی یہ ہمارا ذاتی فیصلہ ہوتا ہے۔

سبق

○ اپنے آپ کو ماضی کا قیدی نہ بناؤ وہ زندگی کا سبق تھا عمر بھر کی سزا نہیں۔

فرق

○ اداسی اور مایوسی میں فرق ہوتا ہے اداسی اللہ کے قریب لے جاتی ہے اور مایوسی اللہ سے دور لے جاتی ہے۔

اعتماد

○ کامیابی اعتماد نہیں دیتی بلکہ اعتماد کامیابی دیتا ہے۔

مدیحہ نورین مہک..... گجرات

ایاز کی خوبی

بیان کیا جاتا ہے سلطان محمود غزنوی کے اکثر درباری اس بات پر بہت تعجب کا اظہار کرتے تھے کہ وہ اپنے غلام ایاز پر اس قدر فریفتہ ہے انہیں ایاز میں ایسی کوئی خوبی نظر نہ آتی تھی جو اسے دوسروں سے ممیز کر کے سلطان کی توجہ کا مستحق بناتی ہو۔

سلطان کے کانوں تک یہ بات پہنچی تو اس نے فیصلہ کیا کہ مناسب موقع پر اس اعتراض کا جواب دوں گا اور اتفاق سے جلد ہی ایک ایسا موقع آ گیا۔ ایک دن دوران سفر قیمتی سامان سے لدے ہوئے ایک اونٹ کا پاؤں پھسلا تو وہ زمین پر گر گیا اور اس پر لدا ہوا سارا سامان بکھر گیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اس بکھرے ہوئے سامان میں سے جو شخص جو چیز اٹھائے وہ اسی کی ہو جائے گی۔

یہ حکم دے کر سلطان آگے بڑھ گیا اور اس کے تمام ہمراہی سامان لوٹنے میں مصروف ہو گئے بس ایک ایاز اس کے ساتھ رہا۔ محمود نے پوچھا۔ ''ایاز! تم نے بھی کچھ حاصل کیا؟''

اس نے ادب سے جواب دیا۔ ''میں تو حضور کے جلو میں تھا۔'' اب سلطان نے حاسد درباریوں کو بتایا کہ ایاز کی یہی خوبی ہے جس نے اسے ہماری نظروں میں معتبر بنایا ہے۔

حضرت سعدیؒ یہ حکایت بیان کرتے اس بات کی توجہ دلاتے ہیں کہ انسان کو اسی انداز سے اللہ سے اپنا رشتہ استوار کرنا چاہیے کہ اس کے سوا کسی کا خیال دل میں نہ رہے۔

ماہ رخ افضل..... کراچی

shukhi@aanchal.com.pk

حسن خیال

جویریہ احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ سبحان وتعالیٰ کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ اکتوبر کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ امید ہے آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا۔ آپ ہمیں اپنے حسین خیالات، تعریفی اور تنقیدی کلمات سے ہمیں ہر ماہ آگاہ کرتی رہا کریں تاکہ آپ کے حجاب کو آپ کی پسند میں ڈھالا جاسکے۔ آیئے اب چلتے حسن خیال کے تبصروں کی جانب۔

سحر سحری..... مغل پورہ۔ اس بار بھی میرا بالکل بھی خط لکھنے کا دل نہیں ہے مگر کچھ دوستوں کی وجہ سے لکھ رہی ہوں کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے ورنہ میں اور حجاب سے دور ایسا ہوسکتا ہے؟ ٹائٹل پہلے بھی کسی ڈائجسٹ پر لگ چکا ہے، ہاں البتہ جھمکے اچھے ہیں۔ ''بات چیت'' میں قیصر آنی کی پریشانی کا علم ہوا۔ پلیز آنی قیمت میں اضافہ ابھی مت کریں۔ حمد ونعت سے طبیعت خوش گوار ہوئی۔ راؤ رفاقت علی سے بہت خوب صورت ملاقات کروائی آپ لوگوں نے۔ ''عشق دی بازی'' ریحانہ نے یہ قسط بھی شاندار لکھی (دیکھ لیں میری محبت ریحانہ آپی) مستقل سلسلے میں ''جیسا میں نے دیکھا'' اس دفعہ بھی خوب رہا ''بزم سخن'' میں گلناز، ذکا زرگر، مریم سب کے اشعار زبردست تھے ''کچن کارنر'' میں پروین افضل، نجم انجم، عائشہ پرویز نے سادہ مگر زبردست ریسپی بتائی، ''عالم میں انتخاب'' میں پروین افضل، عرشیہ سہیل، ماورا، ہالہ سلیم اور جویریہ نے زبردست لکھا۔ ''شوخئ تحریر'' میں عثمان، عاصمہ بی، نبیلہ اقرا، وقاص عمر، (بیماری میں ہنسانے کا شکریہ) انا احب، (زبردست) طیبہ نذیر، رحمہ ثانی نے زبردست انتخاب کیے کیپ اٹ اپ گائیز۔ ''حسن خیال'' جویہ اپیا کی محفل بہت خوب صورت۔ پروین آنٹی اتنا مختصر تبصرہ کیوں کرتی ہیں، ہر خط میں فریدہ آنٹی کی فکر آپ کی محبت بتاتی ہے۔ تبسم حسین ویری گڈ، ماہا حسین ڈیئر جویہ اپیا کا ہر کوئی سر کھاتا ہے پر یہ پھر بھی ہر دفعہ تیار ہوجاتی ہیں۔ سمرا گلزار زندگی کہیں نہیں جارہی ہے پھر ضرور آنا ہم سب تمہارے زبردست تبصرہ کا انتظار کریں گے۔ وقاص عمر آپ کی نگارشات ہم نہیں پسند کرتے ہیں وہ ہوتی ہی اتنی زبردست ہیں کہ خود بخود پسند آجاتی ہیں۔ تبصرہ بھی اچھا لکھا ہر ماہ لکھا کریں۔ ثناء لیاقت، وقاص عمر کا افسانہ ''ساون آیا تم نہ آئے'' کس شمارے میں تھا شاید وہ مجھ سے مس ہوگیا ہے اگر کسی کو پتا ہو تو پلیز بتادیں یا وقاص آپ ہی بتادیں بیسٹ تبصرہ آف دی منتھ از عرشیہ زاہد زبردست، بہت عمدہ لا

جواب لکھا اور ڈیئر میرا تعارف بھی پسند کرنے کا شکریہ تمہیں ابھی مرنے کا شوق نہیں ہے پر مجھے تو روز ہوتا ہے اس لیے نئی نئی حرکتیں کرتی رہتی ہوں جانوروں سے پیار کے بارے میں کیا کہوں یہ سب میری جان ہیں میرے دوست بہت پیارے ہیں اور رہی بات ہاتھ ملانے والی تو محترمہ میں نے ہاتھ ملایا تو چھوڑوں گی نہیں منظور ہو تو بتاؤ؟ شازیہ ہاشم میواتی کا تبصرہ ہر دفعہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ اس دفعہ بھی زبردست رہا ڈیئر شازیہ آپ کو دودھ دلاری تو کیا آئس کریم اور ربڑی بھی کھلاؤں گی اپنے ہاتھ کی ایک بار میرے گھر تو آئیں ہم لاڈلی (بکری کے بچے) سے بھی کھیلیں گے۔ ''ہومیو کارنر'' زبردست معلومات فراہم کرتا ہے'' دوست کا پیغام آئے'' ام ایمن ڈیئر ہمیں آپ کی دوستی فوراً قبول ہے صرف آپ دوستوں کو جواب دینے کے لیے قلم اٹھایا ورنہ ہمت نہیں ہو رہی ہے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ آج سے ہم دونوں دوست او کے مدیحہ مہک اللہ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں امتحانات میں سرخرو کرے آمین، دیکھا تم بہت زبردست مارکس لاؤ گی ان شاء اللہ۔ شہیر ارراج (واٹ آ نائس اینڈ یونیک نیم) اچھا پیغام لکھا اریشہ زاہد عرشی تمہاری آخر میں لکھی بات اچھے سے ذہن نشین کر لی ہے اب خوش ہو جاؤ۔ ''ٹو ٹکے'' (تخم بالنگا) کسی امریکن کا نام لگا ہاہاہاہاہا میں نے تو نہ یہ آج تک دیکھا نہ سنا۔

☆ پیاری سحر! کیا مغل پورہ میں فالودہ نہیں ملتا؟ اگر آپ نے کبھی فالودہ کھایا ہے تو ضرور اس میں لعاب دار کالے رنگ کے دانے بھی دیکھے ہوں گے انہیں ہی تخم بالنگا کہتے ہیں۔ عام طور سے جب گھر میں شربت بنایا جاتا ہے تو اس میں بھی اسے ڈالا جاتا ہے البتہ عرف عام میں اس کے کئی بگڑے ہوئے نام ہیں یقیناً آپ ان میں سے کسی سے واقف ہوں گی اور یہ ربڑی اور آئس کریم کی پیشکش صرف شازیہ کے لیے ہے یا.....

تبسم بشیر حسین..... ڈنگہ۔ حجاب کو سالگرہ کی بہت بہت مبارکباد۔ اس دفعہ جلد دیدار نصیب ہوا ٹائٹل گرل بالکل گاؤں کی گوری لگ رہی تھی ''بات چیت'' لگتا ہے کہ پھر قیمت میں اضافہ ہوگا؟ چلیں جی جیسے آپ کی مرضی مگر کوشش کریں کہ اضافہ نہ ہونے پائے، حمد، بہزاد لکھنوی یہ شعر زبردست لگا۔

پایا نہ جب سہارا اے دو جہاں کے مالک
میں نے تجھے پکارا اے دو جہاں کے مالک

سبحان اللہ ماشاء اللہ نعت، ریاض الدین سہروردی نے بھی ماشاء اللہ بہت خوب صورت لکھی شاعر کے لفظوں میں میری بھی خواہش پوشیدہ نکلی۔

کب آئے گا وہ لمحہ کب آئے گی وہ ساعت
اک بار جب آقا جب خواب میں آؤ گے

''ملاقات'' میں راؤ رفاقت علی بھائی سے مل کر بہت اچھا لگا بہت پیاری سی ملاقات رہی پر مختصر بھی کیوں بھائی

ہمارے لیے وقت نہیں ہے کیا؟ ''میرے خواب زندہ ہیں'' اس دفعہ کی قسط نے ریکارڈ توڑ دیا۔ ''عشق دی بازی'' ریحانہ نے سب کا دل جکڑ رکھا ہے۔ یہ ناول ضرور بے مثال ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ ریحانہ کی کامیابی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' اس ناول کی ایک قسط ختم ہوتے ہی دوسری کا انتظار تو بہ..... سولی پر لٹکا تا ہے۔ ندا حسنین کی آمد نے بے چین کر رکھا ہے۔ مکمل ناول ''نہ کوئی آسمان'' از افشاں علی بیسٹ رہا خاص کر شروع کی نظم زبردست تھی۔ ناولٹ ''میری عید پاکستان'' انعم خان نے اس بار واقعی امپریس کر دیا مختلف نام والی مختلف تحریر دل موہ لینے میں کامیاب ٹھہری۔ افسانے میرے خیال میں افسانہ بہت مختصر ہوتا ہے پر جو ہماری رائٹرز لکھتی ہیں اسے منی اسٹوری کہنا چاہیے نہ کہ افسانہ لیکن پھر بھی سلمٰی غزل (ویل ڈن) فریدہ فرید (جی آیاں نو بسم اللہ) بہت پیارا لکھا، نظیر فاطمہ (ویری ویل) سمیہ عثمان عنبر فاطمہ، عائشہ پرویز، ام اقصیٰ، خدیجہ جلال سب نے زبردست لکھا ''حسن خیال'' یہ کیا؟ مجھ معصوم کا پورا خط ایڈٹ کر دیا کتنے دل سے میں نے نائلہ اور ریحانہ کے لیے نظم لکھی تھی بہت دل دکھا۔ سچی پھر آپ کا محبت بھرا جواب پڑھ کر موڈ خوش گوار ہو گیا شاید ہی آپ کو میری لکھی نظم حجاب کے لیے پسند آئی ہو سمرا ڈیئر بہت مختصر لکھا وقاص عمر تو آخر آپ کو محفل میں آنے کا موقع مل گیا بھئی ہم تو ہر ماہ انتظار کرتے ہیں آپ کی آمد کا یاد کرنے کا شکریہ، ثنا لیاقت بھئی واقعی صرف وقاص بھائی کی تعریف اور ہمارے حجاب میں آمد اچھی لگی، عرشیہ زاہد عرشی واؤ ونڈر فل زبردست تبصرہ لکھا ڈیئر بہت خوب صورت تبصرہ لکھا آئندہ بھی آتی رہنا۔ شازیہ ہاشم نے بھی زبردست تبصرہ کیا مستقل سلسلے سارے بیسٹ ہیں پر اقراجٹ پروین افضل، ارم کمال، دلکش مریم، رقیہ ناز اور کوثر خالد کو سلام کیسی ہیں آپ سب؟

☆ پیاری تبسم! قیمتوں میں اضافہ کرنا یا نہ کرنا ہمارے بس میں ہوتا تو ہم اپنی اتنی پیاری اور معصوم سی قارئین کو تکلیف ہی نہ دے قیمتوں کا اتار چڑھاؤ کاغذ کی دستیابی اور اس کی قیمتوں سے منسلک ہے۔ بس آپ دعا کریں کہ اللہ پاک حالات بہتر کرے۔

وقاص عمر..... بنگڑنو حافظ آباد ۔ پرچہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور اسی معیار کی بلندیوں پر برقرار پایا سب ہی سلسلے اچھے معیاری اور منفرد ہیں۔ اس بات میں کہیں کوئی شک نہیں کہ اپنے تمام تر مسائل کے باوجود آپ بروقت پرچے کو قارئین تک پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دیتے۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم سب مل کر اپنی اپنی گنجائش کے مطابق پرچے کے لیے مالی سہولت بھی فراہم کریں تاکہ یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہ سکے آنچل وحجاب کی دیرینہ رفیق کار میری پیاری بہن محترمہ شازیہ ہاشم میواتی صاحبہ کی دادی اماں اس دیار فانی سے رحلت فرما گئی ہیں اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور شازیہ ہاشم صاحبہ سمیت ان کی پوری فیملی کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ حنا ارشد، کوثر خالد آنٹی، اریشہ راج، سحر تبسم سحری، سمرا

گلزار، اقراجٹ، پروین افضل شاہین، رمشا ملک، عائشہ رحمان ہنی، ایس این شہزادی کھرل، ملالہ اسلم، مدیحہ نورین مہک، شازیہ اختر شاذی آپ سب کی نگارشات زبردست تھیں اسی دعا کے ساتھ آپ سب سے اجازت چاہوں گا۔

☆ پیارے بھائی وقاص، آپ کے خلوص ومحبت کا شکریہ، بس آپ قارئین کی یہ محبت ہی ہمارا حوصلہ بڑھاتی ہے امید ہے آئندہ پرچے پر مفصل تبصرہ لکھیں گے۔

شازیہ اختر شازی..... نور پور۔حجاب ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے قیصر آنٹی کی بات چیت سنی کیونکہ کہتے ہیں کہ بڑوں کی باتیں دھیان سے سننی چاہییں جو کہ کاغذ کی مہنگائی کی وجہ سے کافی پریشان تھیں (آنٹی) آپ پریشان نہ ہوں ہم ہیں ناں آپ کا پورا ساتھ دیں گے آنٹی کو تسلی دے کر حمد ونعت پر پہنچے' پڑھ کر روح سرشار ہوگئی۔ ملاقات میں راؤ رفاقت علی کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ ساتھ میں سروے کے سوالات دیکھ کر دل خوش ہوگیا اب ہم نے کمر کس لی سروے میں شامل ہونے کے لیے۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ مسٹر ایڈم احتشام ہی ہیں اور مہرو کے بارے میں میرا اندازہ غلط تھا کیونکہ میں سمجھی کہ وہ حورین کی بیٹی ہے لیکن وہ زرینہ کی بہن ہے جبکہ لالہ رخ ماریہ کی بہن ہے۔ اس دفعہ واقعی اس قسط میں بہت سے انکشافات ہوئے ہیں اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے (مشکل سفر منزل آسان) سلمٰی غزل بہت خوب ''نہ کوئی آسماں'' افشاں علی بہت اچھی تحریر ویری نائس ''عشق دی بازی'' ریحانہ آفتاب ہماری فیورٹ ناول شکر ہے آپی آپ نے عیشال کا نکاح نہیں ہونے دیا ہمارا پیارا بھائی سمہان کہاں جاتا یہ دونوں میرے فیورٹ کردار ہیں۔ شنائیہ جی کافی تنگ کر رہی تھیں عیشال کو اب مزہ آئے گا۔ ''چشم سرما سا'' فریدہ فرید ونڈر فل بہت اچھا لکھتی ہیں ایک نے ایک ماں کا ساتھ دیا بہت اچھا لگا۔ ''میری عید پاکستان'' (انعم خان) واقعی پاکستان تو پھر پاکستان ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ ''شب آرزو تیری چاہ میں'' ویسے تو یہ ناول بہت بہت اچھا ہے لیکن اب اس قسط میں سب کچھ اچھا ہو رہا ہے لیکن کچھ سمجھ نہیں آیا۔ فارمولا نظیر فاطمہ اچھا فارمولا بتایا ہے آپ نے۔ ''دل کا امیر'' سمیہ عثمان۔ اس کہانی کی کچھ خاص سمجھ نہیں آئی، (سوری) ''وصل تنہائی'' عنبر فاطمہ واقعی گل رعنا نے بہت برا کیا تھا نیلوفر کے ساتھ لیکن شکر ہے فاریہ کے احساس دلانے پر اس نے اپنے کیے کا احساس کر کے ان کو آپس میں ملا دیا۔ ''راہ عمل'' عائشہ جی بہت اچھے پردہ تو عورت کی شان ہے۔ ''عشق میرا ایمان'' ام اقصیٰ ویری ویری نائس آپ کی یہ تحریر مجھے بہت اچھی لگی ہمارے مسلمان بہن بھائیوں نے بے دریغ قربانیاں دی ہیں اپنے ملک پاکستان کے لیے ''شہادت گہر الفت'' خدیجہ جلال واقعی ہمارے مجاہدوں نے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں اے وطن کے شہیدوں تمہیں میرا سلام ''بزم سخن'' سب کے اشعار اچھے تھے کچن کارنر سب ڈشیز مزے کی تھیں۔ عالم

میں انتخاب سب کے انتخاب اچھے تھے۔شوخی تحریر میں سب نے اچھا لکھا لیکن وقاص عمر کا گونگا بہت اچھا لگا حسن خیال میں سب کے خیال جان کر اچھا لگا دوست کا پیغام میں سب کے پیغام اچھے تھے آخر میں احباب کو بہت بہت سالگرہ مبارک۔

☆ پیاری شازیہ! پرچے کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔سالگرہ نومبر میں تبصرے کے ساتھ حاضر رہنا۔

ثنا فرحان...... ملتان ۔اس بار ڈائجسٹ تاخیر سے موصول ہوا وجہ بھائی کی شادی ارے بھئی ہوئی نہیں ابھی تیاری میں مصروف تھی اس لیے جب ڈائجسٹ ہاتھ آیا تو سب سے پہلے عشق دی بازی پڑھی، ریحانہ آفتاب جس خوب صورت سے تحریر کو آگے بڑھا رہی ہیں پڑھ کر مزہ آ رہا ہے منزہ چوہدری جہانگیر کی محبت میں گرفتار ہو کر اب کینسر جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئی ہے غریب آدمی محبت بھی کرے تو اپنے جیسوں میں امیر لوگ تو تماشا بنا دیتے ہیں اب جب منزہ کا ماضی ماورا کے سامنے کھلے گا تو اسے ایشان جاہ سے نفرت اور زیادہ ہو جائے گی میرا جہاں تک خیال ہے کہ منزہ جہانگیر کی ہی تصویر اپنی بیٹیوں کو دکھا رہی ہے ویسے ماورا یحییٰ ہو یا شنائیہ چوہدری یا پھر اپنی عیشال جہانگیر ان تینوں میں مجھے اپنی دوستوں کی جھلک نظر آتی ہے ویسے سارے کردار ہی بہت خوب ہیں اب دیکھتے ہیں ماضی کب کھلتا ہے اب بات ہو جائے ''میرے خواب زندہ ہیں'' کہانی اختتامی مراحل میں داخل ہو گئی ہے۔احتشام کا ماضی اب ماریہ کے سامنے کھلنے والا ہے اب دیکھتے ہیں اس کے دل پر کیا گزرتی ہے جبکہ اس قسط میں یہ تو پتا چل گیا کہ حورین کی بیٹی لالہ رخ ہے اور مہروز رینہ کی بہن ہے اب اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار ہے نہ کوئی آسمان روایتی سی تحریر تھی اس موضوع پر پہلے بھی لکھا جا چکا ہے شروع میں جو نظم تھی وہ زبردست تھی، اناڑی پیا صائمہ قریشی سے متاثر لگی، شب آرزو تیری چاہ میں اس قسط کے اختتام میں جس طرح حازق کو رجاب نے معاف کر دیا اور شقران کے ساتھ بات کی اس سے یہ اندازہ ہوا کہ آئندہ ماہ آخری قسط ہو گی اب تو اس کا اختتام پڑھنے کے لیے ابھی سے بے چین ہیں دیکھتے ہیں عرش زنائشہ کی خواہش پوری کرتا ہے یا نہیں۔میری عید پاکستان خوب صورت تحریر تھی سچ میں رویے بہت دنوں تک پریشان رکھتے ہیں لیکن اپنے ملک جیسا سکون کہیں اور نہیں ہے اور پھر اس میں بچے پالنے والی بات پر بہت ہنسی آئی کہ پاکستان میں بچے تو دادی چچا اور پھوپو سنبھال لیتی ہیں جب ہی تو ہر گھر میں تعداد زیادہ ہوتی ہے راؤ رفاقت علی سے ملاقات بھی اچھی تھی یہ تو ہمارے ہی شہر میں رہتے ہیں یہ جان کر خوشی ہوئی۔راہ عمل عائشہ جی عرصے بعد آئیں اور چھا گئیں تحریر بہت خوب صورت انداز میں لکھی زیادہ نصیحت نہیں کی تھی فارمولا کے کیا ہی کہنے حقیقتاً لوگ ان باتوں کو بھول کر اس موقع پر زیادہ سے زیادہ نفع کمانا چاہتے ہیں نظیر فاطمہ ہمیشہ ہی منفرد موضوع پر لکھتی ہیں۔چشم سرمہ ساف! فریدہ فری! ایسے الفاظ کہاں سے لاتی ہیں میں تو آپ کی فین ہو گئی جب بھی لکھتی ہیں کمال کر دیتی ہیں۔عنبر فاطمہ نے

بھی خوب لکھا انسان اپنی محبت میں اس قدر خود غرض ہو جاتا ہے کہ پھر وہ کچھ اور نہیں سوچتا نہ نفع اور نہ ہی نقصان گل نے بھی ایسا ہی کیا میری ساری ہمدردی گل کے ساتھ کیونکہ اس بے چاری کے ہاتھ کچھ نہیں آیا اب عنبر غائب مت ہو جایئے گا پھر کسی اور موضوع کا انتخاب کر کے حجاب میں جلد آئیں ''عشق میرا ایمان'' بہت ہی عمدہ تحریر تھی۔لڑکی کا پاکستان آنا اور پھر مر جانا افسردہ کر گیا، دل کا امیر تحریر ٹھیک تھی شہادت گہہ الفت بھی بس سو سو تھی ۔دوست کا پیغام میرے لیے نہیں تھا لیکن پڑھا سب کو مدیحہ نورین مہک کبھی میرے لیے بھی کوئی پیغام لکھو اور پروین آپی آپ صرف اپنوں کو یاد کرتی ہیں میں بے چاری بھی آپ کی راہ دیکھتی ہوں کوثر خالد تو بھول ہی گئی ہیں میرا دل تو انہی میں اٹکا ہے وہ ہی میری اپنی بھی ہیں جلدی آئیں آپ بھی اپنی جھلک دکھائیں گل مینا اینڈ حسینہ تم بھی غائب ہو کہاں ہو بھئی وقاص عمر آپ کوئی افسانہ حجاب میں بھی شائع کرائیں تا کہ ہم بھی آپ کو پڑھ سکیں ابھی تک صرف تعریف ہی سن رہے ہیں اگلے مہینے تک کے لیے اجازت ایک بات یاد آئی اگلے مہینے تو حجاب کی سالگرہ ہے میری جانب سے ادارے کو ڈھیروں مبارک باد اللہ تعالیٰ حجاب کو ترقی کی راہ پر گامزن کرے اور ہمیں ایسے ہی اچھی اچھی تحریریں پڑھنے کو ملیں۔

تزئین اشفاق..... کراچی ۔اس ماہ ٹائٹل گرل بالکل پسند نہیں آئی، ذرا معصوم بھولی بھالی ماڈل منتخب کیا کریں جھمکوں کو دیکھ کر خیال آیا۔''کہاں سے آئے ہیں یہ جھمکے'' حمد و نعت ہمیشہ کی طرح بہترین تھیں۔بات چیت خوف ناک تھی راؤ رفاقت سے ملاقات اچھی لگی، سب سے بہترین افسانہ فریدہ فرید کا تھا ویلڈن فریدہ، دیگر افسانوں میں نصیحت کچھ زیادہ تھی۔قسط وار کہانیاں میں پڑھتی نہیں ناول اور ناولٹ ابھی پڑھے نہیں رفاقت جاوید کی یادداشتیں بھی اچھی ہیں۔بزم سخن میں مریم ناز، ندا گلنار اور گل مینا اینڈ حسینہ کے اشعار اچھے لگے، عالم میں انتخاب میں پروین افضل شاہین اور مدیحہ نورین کا انتخاب بے حد بھایا میں نے جب سے پرچہ پڑھنا شروع کیا ہے وقاص عمر کی بڑی تعریفیں پڑھ رہی ہوں اب تو مجھے بھی انتظار ہے کہ وہ کب کسی نئے افسانے کے ساتھ آتے ہیں۔باقی تمام دوستوں کو سلام۔

☆ پیاری تزئین! ماڈل نے بہت برا مانا ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ جھمکے میں نے خریدے ہیں کہیں سے آئے نہیں ہیں اور یہ معصوم اور بھولی بھالی ماڈل اب ہم کہاں سے لائیں آپ کسی کو جانتی ہوں تو بتانا ہمیں بات چیت خوف ناک حقیقت پر مبنی تھی آئندہ ناول اور ناولٹ پڑھ کر تبصرہ کیجیے گا۔

عنبر فاطمہ..... کراچی ۔حسن خیال کی محفل میں اپنے حسین اور نادر خیالات سے چار چاند لگانے والی عنبر فاطمہ ایک مرتبہ پھر جلوہ افروز ہے۔امید ہے آپ کی بھولی بسری یادوں میں ہماری ذات محفوظ ہو گی ستمبر کا حجاب آٹھ تاریخ کو ملا۔ٹائٹل پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالتے آگے بڑھنا چاہا لیکن بڑھ نہ سکے کیونکہ ٹائٹل گرل کچھ

دیکھی بھالی محسوس ہوئی، شاید پہلے بھی کہیں لگ چکی ہے۔ حمد و نعت بہزاد لکھنوی اور ریاض الدین دونوں ہی عقیدت کے جذبات سے لبریز تھیں پڑھ کر دل مسرور ہو گیا، قیصر آرا سے بات چیت ہمیشہ کی طرح بہت اچھی لگی۔ سلسلے وار ناول، مکمل ناول، ناولٹ اور افسانوں میں سے ابھی انتخاب کا سلسلہ جاری تھا کہ یکدم نظر اپنے افسانہ اور اپنے جگمگ کرتے نام پر جا ٹھہری۔ باعث حیرت تھا اور باعث مسرت بھی حیرت کو برطرف کرتے نہایت خوشی کے عالم میں پورے گھر میں یہ خبر سنائی اور جلدی جلدی صفحہ ۶۲ کھول کر بیٹھ گئے بھئی یہیں تو تھا ہمارا افسانہ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کریں گے کیونکہ یہ حق تو آپ کو دے چکے ہیں۔ ملاقات میں راؤ رفاقت علی سے ملاقات اچھی رہی، سلسلے وار ناول تینوں ہی خوب صورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں میرے خواب زندہ ہیں نادیہ تو لگتا ہے جلد اختتام کے مراحل طے کرنے والی ہیں بہر حال ناول اچھا لگا امید ہے انجام سب کا بخیر ہوگا اور سب بچھڑے ہوئے مل جائیں گے۔ شب آرزو بھی لگتا ہے کہ جلد آنے والی ہے نائلہ طارق بھی فاصلے سمیٹتی جا رہی ہیں امید ہے اس کا انجام بھی بخیر ہوگا رجاب اور شقران بھی ایک اچھے کپل کے طور پر سامنے آئیں گے۔ عشق دی بازی میں ریحانہ آفتاب نے عیشال اور شاہ زر شمعون کا رشتہ طے نہ ہونے دیا بے حد اچھا لگا اس کے ساتھ تو نک چڑھی سی شنائیہ ہی اچھی لگتی ہے ایک سیر تو دوسرا سوا سیر، شنائیہ اب خوب انجوائے کرنا شادی لیکن وہ بھی اپنی سلسلے وار ناول مکمل ہوتے ہی افسانوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی فریدہ فرید کے افسانے کا نام منفرد لگا لہٰذا اس کو پڑھنا شروع کر دیا اور نام کی طرح افسانہ بھی بے حد منفرد تھا بہت خوب صورتی سے فریدہ نے زندگی کی ہار اور جیت کا نقشہ پیش کیا واقعی اس کی جیت کے پیچھے وہی چشم سرمہ کارفرما تھیں جس نے اس کی زندگی کے معنی و مفہوم بدل دیے فریدہ جی ایسے ہی حجاب و آنچل کے لیے منفرد انداز میں لکھتی رہیے گا۔ آپ جب بھی آتی ہیں کچھ نیا اور منفرد ہی لاتی ہیں بہت خوب افسانہ تھا۔ ام اقصیٰ کی تحریر ''عشق میرا ایمان'' قیام پاکستان کے پس منظر میں لکھے گئے اس افسانے نے بے حد متاثر کیا۔ بس اس وطن کی قدر بھی آ جائے جس سے نئی نسل بالکل بے بہرہ ہے کہ ہمارے اجداد نے کیسے قربانیوں سے گزر کر اپنے لیے یہ وطن حاصل کیا، سلمیٰ غزل کا افسانہ اچھا تھا موضوع اگرچہ پرانہ تھا لیکن انداز پختہ تھا۔ خدیجہ جلال کی تحریر خصوصی طور پر چھ ستمبر کے حوالے سے تھی اور بے حد پسند بھی آئی، چھ ستمبر کا دن کوئی بھول بھی کیسے سکتا ہے دشمن کو دھول چٹانے کا دن، پاکستان کی فتح کا دن جب پوری قوم متحد تھی اور آج بھی اسی اتحاد کی ضرورت ہے پھر ہر فتح مسلمانوں کا ہی مقدر بنے گی جس طرح پوری تقریب کا احوال خدیجہ سے پیش کیا ایسا محسوس ہوا کہ ہم بھی اس تقریب کا حصہ ہیں خدیجہ جی ایسی تحریریں قلم بند کرتی رہا کریں نسل نو کو اپنے اجداد کے عظیم کارناموں سے واقفیت بھی ملتی ہے اور اچھا سبق بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ سمیہ عثمان کی تحریر ''دل کا امیر'' بھی اچھی کاوش تھی باپ بیٹے کی محبت کو بہت خوب صورت انداز میں پیش کیا سمیہ کا انداز اور موضوع کا چناؤ بھی

بے حد پسند آیا نظیر فاطمہ اور عائشہ پرویز کے افسانے بھی اچھے لگے۔ مکمل ناول میں افشاں علی نے بہت خوب صورتی سے کہانی کو پیش کیا اور آخر کار ہیرو کو بھی عقل آ ہی گئی دیر آید درست آید انعم خان کا ناولٹ ''میری عید پاکستان'' اچھی تحریر تھی۔ اب اپنے افسانے پر آپ کے تبصروں کا انتظار رہے گا تعریف یا تنقید دیکھتے ہیں کیا مقدر بنتا ہے۔ مستقل سلسلے سب ہی شاندار تھے عالم میں انتخاب تمام شعرا کی غزلیں پسند آئیں بزم سخن اور شوخی تحریر بھی دلچسپی کے حامل ٹھہرے۔ اس کے ساتھ ہی اجازت آپ کی آرا کا انتظار رہے گا، جہاں رہیں خوش رہیں آباد رہیں۔

اس دعا کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لیے اجازت اللہ سبحان وتعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور ناگہانی آفات ومصائب سے محفوظ رکھے، آمین۔

قابل اشاعت:

قیمتی شاپنگ، علم کی اہمیت، دل بے مہر کی چاہتیں۔

ناقابل اشاعت:

نصیب، زندگی ہے حسین، چل ری سکھی اس پار، دعوت نامہ، میری سالگرہ کا تحفہ، آن لائن بکرا، بہاروں کے موسم

husan@aanchal.com.pk

''نئے افق'' کے مدیر جناب اقبال احمد بھٹی کی اہلیہ علیل ہیں۔ اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں صحت کاملہ وعاجلہ عطا فرمائے، آمین۔ قاری بہنوں سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

ہومیوکارنر

طلعت نظامی

حفظ ماتقدم (Prevention)

ہیضہ کے دنوں میں مندرجہ ذیل ہدایات پر عمل کرنا چاہیے۔

جہاں تک ممکن ہو جسم' لباس' مکان اور غذا کی صفائی کی طرف توجہ دینی چاہیے کیونکہ یہ مرض غلاظت سے پھیلتا ہے۔

چونکہ یہ مرض زیادہ تر پانی سے پھیلتا ہے اس لیے وبا کے دنوں میں پانی کو ابالے بغیر ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ وبا کے دنوں میں دودھ بھی ابالے بغیر استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کچے دودھ سے مرض میں مبتلا ہونے کے امکان زیادہ ہوتے ہیں۔

ہیضہ کے دنوں میں دودھ کی بالائی' آئس کریم' برف وغیرہ کا استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے یہ چیزیں گندے پانی سے تیار کی گئی ہوں۔

پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ابلا ہوا پانی کسی برتن میں رکھ کر ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔

غذا لطیف' زود ہضم اور مقررہ اوقات پر استعمال کرنا چاہیے جب پیٹ بھرا ہوا ہو تو پھر دوبارہ ہرگز غذا نہیں استعمال کرنی چاہیے۔

وبا کے دنوں میں حلوہ پوری' کچوری' نان' کیک' پیسٹری' مٹھائی وغیرہ بھی نہیں کھانی چاہیے یہ چیزیں چونکہ ہاضمہ خراب کرتی ہیں اس لیے ان سے یہ مرض ہوسکتا ہے۔

غذا کو مکھیوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

کھانے پینے کے برتنوں کو کھولتے پانی میں ڈال کر صاف کریں۔

وبا کے دنوں میں نمناک یا نم کپڑے نہ پہنیں اپنے بستر ہر روز دھوپ میں ڈالیں۔

مریض کو پوری طرح شفایاب ہونے تک دوسرے اشخاص سے الگ رکھنا چاہیے۔

ایام وبا میں سرکہ' پیاز یا ترش چیزوں کا استعمال مفید ہوتا ہے۔

شفایابی کے بعد مریض کے کمرے میں سفیدی کروادینا چاہیے۔

مریض کی خوراک (Diet)

ابتدائے مرض اور شدت مرض میں مریض کو کسی قسم کی غذائیں دینی چاہیں۔

صرف برف سے سرد کیا ہوا پانی گھونٹ گھونٹ پلائیں اس حالت میں کسی قسم کی غذا ہضم نہیں ہوتی' صرف پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لیے برف کی ڈلیاں چوسنی چاہیں۔ انار' سنگترہ کا ٹھنڈا کیا ہوا رس گھونٹ گھونٹ پئیں جب مریض کی حالت ذرا بہتر ہوجائے تو پتلی کھچڑی' شوربا یا چاول دیں پھر رفتہ رفتہ معمول کی غذا پر آئیں۔

علاج: کمیفر:۔

ابتدا میں کمیفر ایک مفید دوائی ہے اس کی علامات یہ ہیں کہ بیمار کی طاقت آناً فاناً زائل ہوجاتی ہے وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوسکتا آنکھیں اندر کو دھنس جائیں چہرہ ٹھنڈا اور نیلگوں ہوجاتا ہے بیمار سخت سست' کم ہمت اور غمگین ہو جاتا ہے۔ کمیفر بیماری آشکار ہوتے ہی دوا دینا چاہیے ورنہ مرض جب دوسرے درجہ میں پہنچ جائے تو

کیمفر کا آمد چیز نہیں ہوتی ہیضہ کے دنوں میں اس کا استعمال بیماری سے اکثر بچائے رکھتا ہے۔

ایکونائٹ:۔

ایکونائٹ میں دل کی حالت بھی قابل غور ہے سخت بے چینی' فکر و تردد' موت کا ڈر' دماغی کام کی طرف سے عدم توجہی یہ ترقی مرض میں بھی استعمال ہوتی ہے یعنی درجہ دوم میں بھی اس کا مناسب ذکر ہے۔

اچی کاک:۔

زبان کی رنگت سفید ہو اور صرف الٹیاں آئیں ایسا محسوس ہو جیسے معدہ نا قابل ہضم غذا سے لدا ہوا ہو۔ دست آتے وقت پیٹ میں درد اور مروڑ ہوں بار بار زور لگانا پڑے۔ پاخانہ بدبودار اور خون آلودہ ہو' اچی کاک اور کیموملیا دونوں مفید ادویات ہیں۔

ارسنکم: جب میوہ جات کھانے سے معدہ میں خرابی واقعہ ہو جائے اسہال بہت زیادہ اور کھلے مقدار میں آئیں اور صرف پانی ہی پانی آئے۔ بے حد بدبودار رات کو بیماری میں زیادتی ہو پیاس کی شدت ہو لیکن بیمار بار بار اور گھونٹ گھونٹ پانی پیے۔

چائنا: جب میوہ جات کے کھانے کے بعد معدہ میں خرابی واقع ہو جائے پاخانہ کے ساتھ کچی غذا باہر نکلے کانوں میں گھنٹی بجنے کی آوازیں آئیں۔

نکس وامیکا:۔

جب مرض کے ظاہر ہونے کے قبل مریض نے نشہ استعمال کیا ہو معدہ میں کھٹائی کا زور ہو پاخانہ کی حاجت بار بار ہو لیکن پاخانہ کھل کر نہ آئے۔

''کاربو ویج:

مرض شروع ہونے سے پہلے جب مریض کو دھوپ یا اس کی گرمی برداشت کرنی پڑی ہو جیسے باورچیوں معماروں' لوہاروں یا ان تمام پیشہ وروں کے لیے جن کو دھوپ یا آگ کی گرمی میں کام کرنا پڑے بعض اوقات انتڑیوں سے خون بہنے کی وجہ سے مرض ہیضہ ہو' زبان اور سانس ٹھنڈے پڑ جائیں۔

کالوسنتھ:۔ جب غم اور غصہ کے مشترکہ اثر سے مرض پیدا ہو درد سے مریض دہرا ہو جاتا ہے۔ دہرا ہونے سے آرام محسوس ہوا سہال بدبودار جلن کرنے والے جھاگ کی طرح ہو' کالوسنتھ میں درد ناف کے ارد گرد ہو۔

ایلوز:۔

اسہال صبح صبح آئیں گرم ہو ٹھنڈے پانی سے نفرت' ڈکار قبل از دست پیٹ میں گڑگڑاہٹ لیے ہوئے۔ اس کے علاوہ سلفر' کالچی کم' آئرس ورسی کولر'

پوڈوفائلم:۔

فاسفورس اپنی اپنی علامات کے مطابق بالمثل ادویہ ہیں۔

دوست کا پیغام آئے

ملیحہ احمد

سمیرا شریف طور کے نام

السلام علیکم سمیرا آپی کیسی ہیں آپ۔ شادی، بیٹے اور ناول کے مکمل ہونے کی مبارکباد ایک ساتھ وصول کریں کیونکہ میری طرف سے مبارکباد ابھی رہتی تھی۔ دیر سے آنے کے لیے معذرت۔ سمیرا آپی اب جلدی سے دوبارہ سلسلے وار ناول کے ساتھ حاضر ہو جائیں پلیز اپنا بہت سا خیال رکھیں اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں، اللہ نگہبان

حفصہ کنول.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

آنچل کے ستاروں کے نام

السلام علیکم آنچل و حجاب فرینڈز کیسی ہیں سب، کوثر خالد جی میری آپ سے فون پر بات ہوئی۔ آپ بہت اچھی اور سمپل لگیں مجھے بناوٹ سے پاک بالکل۔ ہمیشہ مسکراتی رہیے فوزیہ سلطانہ (پری کہاں گم ہو آج کل) تمنا بلوچ، ایم فاطمہ سیال، مدیحہ نورین، آمنہ رحمان مسکان، انیلا طالب آپ سب کی دعاؤں کی مشکور ہوں میں۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اتنی اچھی اچھی فرینڈز مجھے ملیں۔ آنچل کے ذریعے کسی سے پیار ہو تو دعا نکلتی ہے ناں دل سے، رئیلی میں بہت خوش ہوں کہ آنچل میں لکھنے پڑھنے والے سب بہت اچھے ہیں۔ میری دعا ہے آنچل سے وابستہ سب بہنیں ہمیشہ خوش رہیں اور اللہ تعالیٰ سب کو بہت سی کامیابیوں سے نوازیں۔ مجھے بھی سب بہنیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا پلیز، سب کی دعاؤں کی طلبگار آپ کی بہن۔

طیبہ خاور.....عزیز چک، وزیر آباد

ابراہیم احسن کے نام

انتظار بہت کٹھن ہوتا ہے مگر جب خوشی خوشی کسی کا انتظار کیا جائے اور وہ انتظار ختم ہو اور خوشی کی بجائے غم، اداسی، آنسو اس انتظار کے ختم ہونے پر ملیں تو کتنی تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے یہ تو انتظار کرنے والا ہی جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ جانتا ہے، جو ہر فیصلے پر قادر ہے جس خوشی کا انتظار پچاس سال سے جس گھر میں ہو رہا تھا اولاد نہ سہی پوتے کا انتظار ہر گزرتے دن کے ساتھ خوشی کے لمحات لا رہا تھا مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ شاید اس گھر کو مزید آزمائش سے گزرنا ہے اور اللہ ان کا صبر دیکھ رہا ہے۔ جس دن مبارکباد کی صدائیں آنی تھیں اس دن رونے کی آوازیں اور سسکیاں بہت تکلیف کا سبب بنتی ہیں، پہلی اولاد کا ایسے آنا اور روتے ہوئے چھوڑ جانا ماں کے لیے کسی کٹھن ترین امتحان سے کم نہیں پیاری بھابی شہریں احسن اللہ آپ کو صبر دے اور صحت و تندرستی عطا کرے۔ کاش میرے پیارے بھتیجے ابراہیم احسن کو اللہ چند سانسوں کے بجائے حیات دراز عطا کرتا مگر اس کے فیصلے کو ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں، اتنی خوشیاں اتنی پلاننگ، اتنی شاپنگ سب ختم ہو گئے۔ اللہ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور سب کو اولاد کی نعمت سے نوازے آمین۔

ام ایمن آپ نے دوستی کا کہا ہو گئی دوستی خوش رہو پیاری۔ اریشہ راج دعا دینے کا بہت شکریہ۔ آپ بھی ہمیشہ خوش رہیں آمین۔ اریشہ زاہد میں تم تو نہیں اپنے دل میں دیکھو تو وہاں موجود ہوں سچی مچی میں۔ وقاص عمر بھائی، اریشہ زاہد پسندیدگی کا بہت شکریہ تمام پڑھنے والوں کے لیے ڈھیروں دعائیں

مدیحہ نورین مہک.....گجرات

حنا ارشد، میری دوستوں اور وقاص عمر کے نام

تمام حجاب کی مہکتی کلیوں میری دوستوں تمام حجاب اسٹاف آپی حنا ارشد اور وقاص عمر کو ربیعہ رانی کی طرف سے خلوص بھرا سلام۔ امید ہے سب بخیریت ہوں گے۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑی ہوں۔ دو چھوٹے بھائی ہیں جو پڑھتے ہیں میرا رزلٹ آنے والا ہے۔ سب سے دعاؤں کی درخواست ہے پیاری ایمن ۱۸ اکتوبر کو آپ کی سالگرہ ہے۔ بہت مبارک ہو آپی حنا ارشد آپ کی کتاب خواب سے خواب تک پڑھی بہت اچھی لگی۔ پیاری انعم! دوست تم کیسی ہو۔ کزن کی شادی کیسی گزری، کنزا، ردا، ثانیہ، فاطمہ، نگین، شبانہ، بصا، نصرت، مہوش آپ سب کیسی ہو۔ وقاص عمر آپ کیسے ہو آپ کی شاعری اور ہر اسٹوری دکھ بھری ہوتی ہے۔ آپ کا افسانہ ساون آیا تم نہ آئے زبردست لگا آپ کا افسانہ جو دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر لکھا گیا اس کا ہر جملہ بلند پایہ ہے۔ وقاص عمر آپ جب بھی قلم اٹھاتے ہو لکھنے کا حق ادا کر دیتے ہو "حجاب" کے لیے بھی کچھ لکھ کر بھیج دیں۔ مجھ سمیت کتنے قارئین آپ کی شاعری کے دلدادہ ہیں۔ آپ کو چھوٹی عمر میں اتنی شہرت مل چکی ہے۔ ایسے ہی ہمارے اور اپنے حافظ آباد کا نام روشن کرتے رہنا اور یوں ہی سدا معاشرہ کی خدمت کرتے رہو۔ شازیہ ہاشم، بشریٰ کنول، اقرا لیاقت، اریشہ راج، نجمہ نذیر، سمرا گلزار، لیلیٰ رب نواز آپ سب اچھا

لکھتی ہو دوستی کی خواہاں ہوں اب اجازت۔

ربیعہ رانی..... چک بھٹی، حافظ آباد

پیارے ابو جی آنچل فرینڈز اور وقاص عمر بھائی کے نام

السلام علیکم تمام پڑھنے والوں کو اریشہ راج کا سلام قبول ہو۔ امید ہے آپ سب ٹھیک ہوں گے۔ پیارے ابو جی آپ کیسے ہیں۔ آپ دنیا کے گریٹ ابو جی ہیں۔ اللہ آپ کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی دے آمین، حنا ارشد، وقاص عمر بھائی آپ دونوں کیسے ہیں عمر بھائی آپ کے افسانے احساس سے بھرپور ہوتے ہیں۔ ساون آیا تم نہ آئے آپ کا یہ افسانہ میرے دل کو چھو گیا اور پھر آپ کی تحریر میری نظر سے محبت قابل تعریف ہے۔ اللہ پاک آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے اور مجھ ناچیز کی حوصلہ افزائی کرنے پر لکھنے کے معاملات میں قدم قدم پر میری رہنمائی کرنے پر وقاص عمر بھائی بہت بہت شکریہ۔

دلکش مریم، مدیحہ نورین مہک، بشریٰ کنول، لیلیٰ رب نواز، پروین افضل شاہین، ارم کمال اور سمرا گلزار کوٹلی گجرات آپ سب اچھا لکھتی ہیں۔ سب سے دوستی کی خواہاں ہوں لیلیٰ رب نواز میں نے آنچل میں پڑھا ہے کہ آپ کی شاعری کی کتاب پبلش ہونے جا رہی ہے۔ پبلش کرانے کا اعزاز بھی وقاص عمر بھائی کو حاصل ہو رہا ہے مجھے۔ بہت انتظار ہے اور اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وقاص عمر بھائی واقعی ایک عظیم انسان ہیں۔ اللہ حافظ۔

اریشہ راج..... ٹمن تلہ گنگ

حنا ارشد، وقاص عمر کے نام

کسی بھی ڈائجسٹ میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں آج بھی اگر لکھ رہی ہوں تو وقاص عمر بھائی اور حنا ارشد سے متاثر ہو کر رہی یہ دونوں نام ادب کی دنیا میں ایک درخشندہ ستارے کی مانند ہیں۔ زندگی نے بہت سے رنگ دکھائے۔ بے شمار مسائل سے گزرنا پڑا ابھی میں چھوٹی ہی تھی کہ کچھ الگ سا ہو گیا۔ زندگی کے بہت سے مقاصد سامنے آ گئے بہت سے مسائل بھی میرے سامنے تھے ان حالات میں میرا گھبرا جانا فطری تھا لیکن میں نے آنچل و حجاب کو دوست بنا لیا ابتدا میں ان رسالوں کو صرف تفریح کے لیے پڑھنا شروع کیا لیکن جیسے جیسے غور سے انہیں پڑھتی گئی تو محسوس ہوا کہ ان میں چھپنے والی تحریروں میں جو مسائل جو خوشیاں جو غم اور جو معاشرتی موضوعات زیر بحث لائے جا رہے ہیں وہ میرے ہی ہیں یا میرے مسائل سے ملتے جلتے ہیں اور آج مجھے حنا ارشد اور وقاص عمر بھائی جیسے اچھے لوگوں سے ایک امید کی کرن دکھائی دی ان دونوں کی میں بہت قدر دان ہوں۔ حنا ارشد و قاص عمر بھائی آپ دونوں بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اللہ مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔

نثار انی..... حسین پورہ، حافظ آباد

عزیز از جان دادی اور آنچل فیملی کے نام

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

آہ پیاری دادی جان آج اس دنیائے فانی سے بہت دور جا کر ہمیں اپنی دعاؤں سے محروم کر گئیں آج آپ ہم سے اتنی مسافت پر ہیں کہ ہم آپ کو واپس نہیں بلا سکتے لیکن ہم خود آپ کے پاس آئیں گے ان شاء اللہ العزیز۔ پیاری دادی دل خون کے آنسو روتا ہے۔ نین اشکبار ہوتے ہیں جب صبح بعد از فجر کا وقت ہوتا ہے تو آپ کو چائے دینا اور ہلکا پھلکا سا ناشتہ کرنا یاد آتا ہے۔ آہ دادی جان! جب اسکول جاتی ہوں تو ہاتھوں کے پیالے میں موجود شازیہ کے چہرے پر پیار کرنا اور ان گنت دعائیں یاد آتی ہیں۔ آہ دادی جان جب میں مسجد کے پاس پہنچتی ہوں تو آپ کی جگہ دیکھ کر دل کرلا جاتا ہے۔ جب گھر داخل ہوتی ہوں تو آپ کا چومنا اور دعائیں دینا یہ سب کچھ یاد کر کے دل پھٹ سا جاتا ہے۔ پیاری دادی آج آپ کی پوتی کا آپ سے عہد ہے جب تک سانس ہے آپ کے لیے پڑھتی رہوں گی۔ پیاری دادی آپ کہا کرتی تھی کہ بیٹی تو نے میرے لیے بہت پڑھنا ہے تو امی میں آپ سے کہتی تھی نا کہ سب سے پہلے ذخیرہ ثواب میری طرف سے ہوگا کیونکہ دادی میں نے تو آپ کے نام سے پڑھنا بہت پہلے شروع کیا۔ دادی جان آج آپ کی دعاؤں کی بدولت ہی میں علم دین پھیلا رہی ہوں۔ دادی جان تو مجھے میری ماں سے بھی زیادہ عزیز تھیں۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں دادی کہ آپ کے جنازے میں کثیر تعداد علمائے کرام اور حفاظ کی تھی۔ دادی قیامت کی صبح تک آپ کے بیٹے کا جامعہ صدقہ جاریہ بنا رہے گا اور آپ کی یہ پوتی بھی۔ آج میں نے آپ کو تصور کی آنکھ سے دیکھا تو آپ بہت فرحاں و مسرور نظر آئیں۔ اللہ آپ کو کروٹ کروٹ راحت نصیب کرے اب تو آپ کی خواہش بھی پوری ہو گئی میری نانو کے پاس جانے کی۔ آنچل ریڈرز اینڈ فیملی میری دادی جان کا ذی الحجہ بروز جمعرات بارہ بج کر پچاس منٹ پر اس دنیائے فانی سے چلی گئیں لیکن اپنے پیچھے ایک کہرام چھوڑ گئیں، سب سے التماس ہے کہ میری دادی جان کے لیے تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کر دیں۔

چند امثال نبیلہ ناز، سعدیہ سحر، عائشہ ہنی، میرزاب قصور، مسکان،

فائزہ بھٹی، لیلیٰ رب نواز، نجمہ نذیر، حافظہ ریحانہ، اقرا جٹ، مدیحہ نورین، ماریہ، فرزانہ کنول، شازیہ اختر، گل مینہ اینڈ حسینہ، سدرہ اعجاز، ثمرہ، اریشہ راج، اقرا، سمعیہ، نور فاطمہ، فاخرہ، زاہدہ، حنا آپی، وقاص بھائی، آنٹی کوثر، ارم کمال، ڈاکٹر تبسم فاضلی، پیارے انکل مشتاق احمد قریشی اور جن کے نام رہ گئے سب خوش رہو اور خوشیاں بانٹو اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا، ملو کے فی امان اللہ۔

شازیہ ہاشم میواتی.....کھڈیاں خاص

چک بیلی والوں کے نام

السلام علیکم! جی کیا ہو رہا ہے کیسی گزر رہی ہے۔ لائف ہم پر تو اللہ عزوجل کا خصوصی کرم ہے فٹ اینڈ فائن، سائرہ ارم اور زینی کیسی ہو دونوں۔ یار سچ سچ بتانا۔ مجھے مس بھی کرتی ہو یا بھول گئی ہو، مریم پروین کیا حال ہے۔ کہاں بزی ہو یار، سنا ہے چپکے چپکے شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مریم بتانا بھی گوارا نہ کیا اور تمہارا نمبر کیوں آف جا رہا ہے۔ السلام علیکم! نبیلا آپی کیسی ہیں آپ۔ زبین آنٹی کو میری طرف سے خصوصی سلام اللہ عزوجل آپ کو صحت اور دراز عمر عطا فرمائے آمین۔ ہماری فیملی کا حصہ بننے کی مبارک قبول کریں۔ اللہ آپ کو زندگی میں ہر کامیابی دے آمین۔ سائرہ ارم، مریم پروین اور نبیلا آپی اللہ عزوجل آپ تینوں کا نصیب اچھا کرے اور نئی خوشیاں مبارک ہوں اور زینی تو کیوں منہ کھولے دیکھ رہی ہے اللہ عزوجل تجھے بھی کامیابیوں سے ہمکنار کرے آمین۔

تانیہ الطاف.....راولپنڈی

دوستوں کے نام

السلام علیکم آل ڈائجسٹ فرینڈز! کیسے ہیں سب امید تو یہی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ہوں گے۔ دسمبر میں میری سویٹ سسٹر کی شادی ہے۔ ایسا لگتا ہے اب الفاظ نہیں ہیں میرے پاس کہ کیا کہوں، کیا دعاؤں یہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ بہن کی نئی زندگی کا آغاز دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے اور اب ایسا لگتا ہے کہ بس کچھ ہی دن تھے جو ہم نے ساتھ گزارے۔ محبتوں کے لمحات بہت مختصر ہوتے ہیں بس یہی دعا ہے میری بہن کو اتنی خوشیاں ملیں کہ کوئی دکھ بھی ان کو چھو کر نہ گزرے اللہ پاک دو جہاں میں آپ کو کامیابی اور خوشیاں دیکھنا نصیب کرے اور زندگی کے ہر امتحان میں آپ کو سرخرو کرے آمین۔

اب آتے ہیں فرینڈز کی طرف جنہوں نے مجھے یاد کیا۔ لائبہ میر کیسی ہو آپ۔ میرا ابھی تک رزلٹ نہیں آیا۔ آپ دعا کیجیے گا امید کے عین مطابق ہو۔ عروسہ آپ نے بھی مجھے یاد کیا، کیا ہی بات ہے۔ نام کے ساتھ شہر کا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ نجم نجم آپ کا یاد کرنے کا بہت شکریہ۔ اپنی مصروفیات کا بتایئے زندگی کیسی گزر رہی ہے۔ ہمارا آنچل میں سب کے انٹرویو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ فیڈ بیک دینے کا سوچتی ہوں لیکن وہی وقت کی قلت اور جب لکھنے بیٹھتی ہوں تو ذہن سے نام سارے غائب ہو جاتے ہیں ہاہاہاہا۔ نورین انجم کیسی ہو آپ، سب پڑھنے والوں کو سلام۔ دعا ہے جہاں رہیں خوش و آباد رہیں آمین۔ ہادیہ مغل ۸ دسمبر فیضان مغل ۱۰ دسمبر اور وہ سب جن کی برتھ ڈے دسمبر میں ہوتی ہے سب کو پیشگی برتھ ڈے ٹو یو اللہ عزوجل آپ کو ترقی و کامیابی سے ہمکنار کریں۔ ڈھیر ساری خوشیاں نصیب کرے آمین۔

نور الہدیٰ مغل.....حیدرآباد، سندھ

دل والوں کے نام

السلام علیکم! دوستوں کیسے ہیں آپ سب امید واثق ہے خیریت سے ہوں گے۔ اریب انشال جی میں نے پچھلے خط میں آپ سے دوستی کی درخواست کی تھی مگر وہ شائع ہی نہیں ہوئی۔ عائشہ اختر کشمیری (راج کماری) ہم سے دوستی کریں گی ویسے ہم بھی کسی ملکہ سے کم نہیں عظمیٰ بٹ صاحبہ مجھے آپ کی بات سے اتفاق ہے۔ ہیروئن ذہین اور خوب صورت دل کی مالک ہونی چاہیے۔ کیا خیال ہے دوست نہ بن جائیں، لاڈو رانی ٹوبہ ٹیک سنگھ کیا حال ہے۔ بڑا اچھا نام لگایا ہے آپ نے اپنا لیکن پھر بھی لاڈ اٹھوانے میں ہاتھ ذرا ہولا رکھیں۔ منزہ عطا آپ کیسی ہیں میری طرف دوستی کا پیغام قبول کر لیجیے گا۔ ام ہانی نور محمد آپ کا نام پہلی بار سنا۔ زبردست نیم۔ پیٹو آپی اللہ کرے آپ کے تین بچے ایک ساتھ ہوں تاکہ ایک کا نام میں بھی رکھوں، جی ہاں اس کے علاوہ حرا قریشی، شاہ زندگی، لڑیا شاہ کے ایم نور الشال، عائشہ نور محمد، اقصیٰ کشش آپ سب سے دوستی کرنا چاہتی ہوں کیا خیال ہے؟ آپ سب ضرور آگاہ کیجیے۔ فوزیہ سلطانہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور سلام بھیجا آپ کی بے حد مشکور ہوں اور یوں سمجھیں کہ ہماری دوستی پکی ہے۔ کوثر خالد جی کے لیے ڈھیر سارا پیار اور دعاؤں میں یاد رکھنے کی التجا، انیلہ طالب میری اور آپ کی دوستی پکی۔

سرور فاطمہ ہنی.....صوابی

ٹوٹکے

خدیجہ احمد

دمہ، کیا، کیوں، کیسے؟

بچوں کے استعمال میں کام کرنے والے ماہرین امراض اطفال کی متفقہ رائے ہے کہ جو بچے کسی خاص قسم کی الرجی کے شکار ہوں اور دمہ کے مرض میں مبتلا ہوں ان کے لیے سردیوں کے موسم میں احتیاط برتنا لازمی ہے۔ موسم سرما کے آغاز میں درجہ حرارت میں تغیر ہونے کی وجہ سے بچوں میں دمہ کے حملوں میں اضافہ ہوتا ہے ان بچوں کو سردی کے موسم میں (خاص کر صبح و شام کے وقت) گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے اور نہ سڑکوں اور باغوں میں کرکٹ یا کوئی اور کھیل کھیلنے کے لیے اجازت دی جائے۔ اگر گھر سے باہر جانا ناگزیر ہے تو چہرہ (ناک اور منہ) مفلر سے ڈھک لینے کی ہدایت دی جائے۔ ان بچوں کو فضائی آلودگی، دھوئیں، بُو، آلودہ غذاؤں اور کیڑے مکوڑوں سے دور رکھنا چاہیے ایسے بچوں کو کاکروچ کا استعمال نہ کرنے دیا جائے۔ ایسے بچوں کے لیے حمام کی گرمی یا ہیٹر کی گرمی مناسب ہے علاوہ ازیں اس مرض میں مبتلا بچوں کو سردیوں میں مناسب، متوازن اور مقوی غذا کھلائی جائے اور پانی و دیگر مائع جات کا وافر مقدار استعمال کروایا جائے تاکہ وہ ناآبیدگی کے شکار نہ ہوں اور دمے کے حملوں سے بچ جائیں۔

ہمارے ہاں عموماً ان بچوں کو دودھ، دہی، مکھن، سبزیاں اور میوے نہیں دیے جاتے ہیں جو کہ ایک غلط روش ہے۔ ان بچوں کو انواع و اقسام کی غذائیں کھلانا ضروری ہے تاکہ ان کے جسم کے اندر نظام قوت مدافعت بہتر طور کام کر سکے اور وہ گونا گوں انفکشنز کے شکار نہ ہوں۔ ڈاکٹری لحاظ سے ان بچوں کے لیے کوئی غذائی پابندی نہیں ہے ہاں اگر کسی خاص غذا سے الرجی ہو تو اسے نہ دیا جائے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ موسم سرما میں ان بچوں کو اکثر سردی، کھانسی، زکام کی شکایت ہوتی ہے اس کے لیے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔ ڈاکٹری مشورے کے بغیر کسی بھی صورت میں ان بچوں کو کوئی دوائی نہ دی جائے۔ جوانی کی دہلیز پار کرنے کے بعد جن افراد کو دمہ کی شکایت ہوتی ہے ان کے بارے میں ماہرین معالجین کا ماننا ہے کہ ان مریضوں کے لیے موسم سرما میں کچھ احتیاطی تدابیر پر عمل کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی بیماری شدت اختیار نہ کرے۔ ان کے کہنے کے مطابق دمہ میں مبتلا اشخاص سردیوں کے موسم میں صبح و شام گھروں سے باہر نہ جائیں۔ کاکروچ کا استعمال نہ کریں اور جن کمروں میں بخاریوں کا دھواں ہو وہاں نہ بیٹھیں۔ تمباکو اور سگریٹ نوشی ہرگز نہ کریں حتیٰ کہ جن کمروں میں دوسرے افراد سگریٹ یا تمباکو نوشی کرتے ہوں وہاں بھی نہ بیٹھیں۔ اُبلا ہوا پانی (نیم گرم پانی) اور دیگر مائع جات کا وافر مقدار میں استعمال کریں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ دمہ میں مبتلا مریض پانی بہت کم پیتے ہیں کیونکہ ان کو (خاص کر سردیوں میں) پیاس نہیں لگتی ہے اکثر مریض یہ سوچتے ہیں کہ ان کو صرف اس وقت پانی پینا چاہیے جب ان کو پیاس لگے مگر تحقیق سے پتا چلا ہے کہ پیاس لگنا اس بات کی یقینی علامت نہیں ہے اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ناآبیدگی کے باوجود بھی پیاس محسوس نہیں ہوتی اور مریض یہ سمجھتے ہیں کہ غذا کے ساتھ جو مشروبات جسم میں پہنچتے ہیں وہ اسے آبیدہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ ان مریضوں اور بوڑھے لوگوں میں ناآبیدگی کا امکان زیادہ ہوتا ہے لہٰذا انہیں اس سلسلے میں بہت محتاط رہنا ان مریضوں کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔ اس کے علاوہ ان مریضوں کے لیے طبی نقطہ نظر سے یہ ضروری ہے کہ رات کا کھانا کھاتے ہی فوری لیٹ نہ جائیں بلکہ کھانا کھانے کے بعد کم از کم دو گھنٹے بیٹھے رہیں۔ رہا سوال غذائی پرہیز کا، دمہ میں مبتلا مریضوں کے لیے کوئی خاص قسم کی غذا کھانا ضروری نہیں ہے وہ متوازن، مقوی غذا کھائیں تاکہ وہ کمزور ہو کر مختلف عفونتوں کا شکار نہ ہوں۔

ماہرین کے مطابق موسم سرما کے آغاز و آخر میں دمہ میں مبتلا مریضوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوتا ہے۔ اسپتال میں بھرتی ہونے والے مریضوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے جن میں بیشتر دیہی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ موسم سرما میں یخ بستہ ہوا میں ان افراد کے پھیپھڑوں میں چلے جانے سے سانس کی نالی سکڑ کر تنگ ہو جاتی ہے اور نالیوں کے اندرونی حصوں پر بلغم کی تہیں جم جاتی ہیں اور اس طرح ان کو

سانس لینے میں دشواری محسوس ہوتی ہے اور ان پر دمہ کا حملہ شروع ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے دیہی علاقوں میں کانگڑیوں اور چولہے کے دھوئیں سے کمرے بھر جاتے ہیں جو دمہ کے مریض کے لیے انتہائی مضر ہے۔ اس کے علاوہ دیہی علاقوں میں گھر کے سبھی افراد ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر وقت گزارتے ہیں اور اگر کسی ایک کو کوئی انفیکشن ہو تو فوری طور پر دوسروں کے جسموں میں سرایت کر جاتا ہے اور ایسے دمہ کے مرض میں شدت پیدا ہوتی ہے اور Viral Infections سردیوں میں ان کو دمہ کے حملے میں شروع ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ملک کے تجربہ کے مطابق دمہ میں مبتلا افراد سردیوں کے موسم میں مقوی غذا نہیں کھاتے ہیں جس سے ان کے جسم میں کمزوری پیدا ہوتی ہے اور مریض مختلف انفیکشنز کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کی بھی رائے ہے کہ دمہ میں مبتلا افراد کو ہر قسم کے میوے اور سبزیاں اپنی غذا میں شامل کرنا ضروری ہے اسی طرح دودھ دہی مکھن گوشت پنیر کا استعمال بھی ضروری ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق دمہ کی بیماری کی سب سے اہم وجہ سرد ہوا اور دھواں ہے اس کے علاوہ دھول اور مٹی بھی دمے کی وجہ بن سکتی ہے اگر کوئی حجام ہے یا نرسنگ کے شعبے سے وابستہ ہے یا پھر کسی شخص کے کام میں جانوروں وغیرہ کی دیکھ بھال شامل ہے تو کام کے دوران مختلف قسم کے کیمیائی مادوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہ کیمیائی مادے بھی دمے کی بیماری کا سبب بن سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مہندی وغیرہ گندم کا آٹا جانوروں کی گندگی یہاں تک کہ سرجری میں استعمال ہونے والے دستانے اور کچھ ادویات جن میں پنسلین وغیرہ شامل ہیں یہ سب دمے Latex والا عنصر کی بیماری کا سبب بن سکتے ہیں ایسے افراد اگر دمہ میں مبتلا ہوں تو اس کو پیشہ وارانہ دمہ یا بیماری حرفائی کہتے ہیں۔

ڈاکٹری تحقیق کے مطابق انہیلر آج کل دمہ میں مبتلا افراد کے لیے بے حد مفید ہے انہیلر کے استعمال سے مریض اس کا عادی نہیں ہوتا۔ اس کے مناسب اور موزوں استعمال سے پھیپھڑے متاثر نہیں ہوتے جو دوائیاں سانس کے ذریعے پھیپھڑوں تک پہنچتی ہیں وہ مقدار میں بہت کم ہوتی ہیں اور پھر بہت زیادہ پراثر ہوتی ہیں ان کا ذیلی ردعمل بھی بہت کم ہوتا ہے۔

انہیلر آسانی سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور کم خرچ ہوتے ہیں اور مریض کو فوری آرام ملتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں یہ دمہ میں مبتلا افراد بغیر کسی ہچکچاہٹ کے استعمال کر سکتے ہیں البتہ ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔

موسم سرما میں حسب ذیل صورتوں میں ڈاکٹر سے مشورہ کرنا ضروری ہے راہ چلتے اچانک کھانسی شروع ہو جائے سینے پر دباؤ محسوس ہو اور سانس لینے میں دقت ہو۔ جب باہر سے واپس آ کر گھر میں سانس پوری طرح اور آسانی سے نہیں لی جاسکتی ہو اور سانس لیتے ہوئے منہ سے آواز "ویز" نکلتی ہو۔ جب رات کو سانس کی تکلیف یا کھانسی کی وجہ سے نیند میں خلل پڑے اور کھانسی کی وجہ سے بستر سے اٹھنا پڑے۔ جب تھوڑی دور چلنے کے بعد سانس پھولنے سے پریشانی محسوس ہو۔ جب کسی سے بات کرتے وقت دوران گفتگو سینے کے اندر دباؤ سا محسوس ہو۔

خلاصہ یہ کہ موسم سرما میں دمہ کے مریض اپنے آپ کو یخ بستہ ہواؤں سے بچا کر رکھیں اپنے آپ کو دھول گرد و غبار اور دھوئیں سے دور رکھیں۔ متوازن اور مقوی غذا کھانے کی عادت ڈالیں میوے اور سبزیاں اور پانی وافر مقدار میں استعمال کریں۔ گھر میں کسی بھی فرد کو کوئی انفیکشن ہو اس کا بروقت مناسب علاج کروائیں۔ بچوں کو باہر سڑک پر میدانوں میں کھیلنے کی اجازت نہ دیں اور اگر آپ دمہ کے مریض ہیں اور کسی وجہ سے پے در پے حملوں کا شکار ہونے لگیں تو فوری نزدیکی ہسپتال جائیں یا کسی ماہر ڈاکٹر کے پاس جا کر علاج کروائیں۔

ناہید خان نیازی..... چیچہ وطنی